بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عُشر وخِراج اور جِزیہ کے احکام



مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عشر وخراج

اور جزیہ

کے احکام

قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں عُشر وخَراج اور جزیہ کے مدلّل ومفصّل احکام

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: عشر وخراج اور جزیہ کے احکام

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اول: صفر المظفر ۱۴۳۶ھ دسمبر 2014ء

صفحات: ۳۶۴

ملنے کے پتے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین

(فصل نمبر ۵)

زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے احکام

(کون سی زمین عشری، اور کون سی خراجی کہلاتی ہے؟)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

از مؤلف

شریعت کی طرف سے زکاۃ کے علاوہ جو مالی حقوق اور واجبات مقرر کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک مالی حق ''عشر'' ہے، جو زمین سے پیدا ہونے والی مخصوص فصلوں اور پھلوں پر واجب ہوتا ہے، فقہائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے تفصیلی احکام ذکر فرمائے ہیں۔

اس کے علاوہ فقہائے کرام نے زمین یا اس کی پیداوار سے متعلق ''عشر'' کے ساتھ ''خراج'' کے احکام کا بھی جا بجا ذکر فرمایا ہے، اور ''خراج'' کے کئی احکام ''عشر'' کی طرح یا اس سے ملتے جلتے ہیں۔

خراج کے علاوہ بعض صورتوں میں ''تجارتی عشر'' اور بعض صورتوں میں ''جزیہ'' کی شکل میں بھی اسلامی حکومت کے خزانہ کے لئے محصولات مقرر کئے گئے ہیں، اور فقہائے کرام نے ان کے احکام بھی الگ الگ بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔

اس سے قبل ہم نے اپنی کتاب ''زکاۃ وصدقہ کے فضائل واحکام'' میں زکاۃ کے ساتھ ساتھ خراج اور تجارتی عشر وغیرہ کے احکام کو بھی اجمالی انداز میں ذکر کیا تھا، لیکن جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا، اور دوبارہ اس کی اشاعت کی ضرورت پیش آئی، تو اپنی دوسری سابقہ کتابوں کی طرح اس کتاب کی بھی تخریج وتحقیق کی گئی، جس کے نتیجہ میں ''زکاۃ وصدقہ کے فضائل واحکام'' سے متعلق اس کتاب میں موجود موضوعات اور مباحث کا ذخیرہ غیر معمولی ضخیم اور طویل ہوگیا، اور ان تمام مباحث کا یکجا کسی ایک کتاب میں جمع ہونا مشکل ہوگیا، تو اس کتاب کے موضوعات کو مختلف اور مستقل کتابوں کی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس سلسلہ کی ایک تفصیلی کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' کے نام سے بحمداللہ تعالیٰ شائع

ہو چکی ہے، اور دوسری کتاب ''عشر وخراج اور جزیہ کے احکام'' کے عنوان سے پیشِ خدمت ہے، جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، یہ کتاب بحمداللہ تعالیٰ بذاتِ خود چار حصوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک حصہ کو ''کاشت کی زکاۃ یعنی عُشر کے فضائل واحکام'' اور دوسرے حصہ کو ''زمین یا اس کی پیداوار کے خراج کے احکام'' اور تیسرے حصہ کو ''تجارتی مال کے عشر یا ٹیکس کے احکام'' اور چوتھے حصہ کو ''جزیہ کے احکام'' کے عنوان سے موسوم کیا گیا ہے۔

جبکہ اس سلسلہ کی تیسری کتاب ''صدقہ کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے بحمداللہ تعالیٰ الگ زیرِ تالیف ہے۔

اس پیشِ نظر کتاب میں بندہ نے اپنی بعض دوسری کتب کی طرح فقہ حنفی کے علاوہ دیگر فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے اقوال کو اور بہت سے مقامات پر حنفیہ کے ایک سے زیادہ اقوال کو اور بطورِ خاص امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال کو بھی چند وجوہات کی بناء پر ذکر کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱)...... ہندوستان و پاکستان کے اہلِ علم حضرات کا بہت بڑا طبقہ دنیا کے مختلف علاقوں میں امامت وخطابت اور درس وتدریس وغیرہ کی شکل میں علمی و دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے، جہاں ان کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے دیگر فقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات سے بھی سابقہ اور واسطہ پڑتا ہے، اور ان کے مسلک کے مطابق مسائل کے جوابات دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے علاوہ ہندوستان و پاکستان کے جامعات اور یونیورسٹیوں میں اور بعض دوسرے مقامات پر فقہ حنفی کے علاوہ دیگر فقہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور دوسرے حضرات کی طرف سے ان کے مسلک کے مطابق دینی مسائل میں رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کے لئے وہ حنفی علماء سے رابطہ کرتے ہیں، ایسے حالات میں اہلِ علم حضرات کو دیگر فقہائے کرام کے اقوال کا علم نہ ہونے کی وجہ سے دشواری کا

سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تو دیگر فقہائے کرام کے اقوال سامنے ہونے کی صورت میں اس قسم کی دشواری سے بچنے میں مدد حاصل ہوتی ہے۔

(۲)......موجودہ دور کے تیز ترین ذرائعِ ابلاغ اور نقل وحمل کے ذرائع ایجاد ہونے کے باعث دنیا کے متعدد خطوں میں آباد اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مختلفُ المسالک حضرات کا ایک دوسرے کے ساتھ کثرت سے سابقہ اور رابطہ پیش آ رہا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ معاشرتی وتمدنی اعتبار سے قرب بڑھ رہا ہے، جس کے نتیجہ میں فروعی مسائل میں ایک دوسرے کے سامنے عملی اختلاف رونما ہونے کے باعث، بعض اوقات باہم اختلاف وانتشار اور افتراق، مجادلہ ومباحثہ اور ایک دوسرے پر گمراہی وضلالت تک حکم لگانے کی نوبت آ جاتی ہے، جو کہ مختلف جہات سے ضرَر کا باعث ہے، ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فروعی مسائل میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مختلف مسالک کے اقوال کا علم ہو، جس کی وجہ سے اس اختلاف کو اپنے مقام پر رکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ انتشار و افتراق اور مجادلہ ومباحثہ اور ایک دوسرے پر گمراہی وضلالت کا حکم لگانے کی فضا قائم کرنے سے بچا جا سکے۔

(۳)......آج کل بعض جدت پسند یا آزاد خیال لوگ فقہائے کرام کے کسی مسلک سے کوئی مسئلہ اور اس کے دلائل چوری کر کے، اس کو اپنا اجتہاد وتحقیق قرار دینے لگتے ہیں، جس کی دوسرے اہلِ علم حضرات کی جانب سے اس انداز میں تردید کی جانے لگتی ہے کہ اس کے نتیجہ میں بہت سے اہلِ حق فقہاء ومجتہدین بھی زَد میں آ جاتے ہیں، اور اس قول کو موجودہ دور کا اختراع قرار دیا جاتا ہے، مختلف اقوال سامنے آنے سے اس طرح کے مسائل کی حقیقت بھی سامنے رہتی

ہے، اور یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہوجاتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ قول فلاں مجتہد یا فقیہ کا ہے، جسے سرقہ کر کے کسی اور انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۴)...... آج کل دنیا کے حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں، بلا شبہ اس وقت امتِ مسلمہ کو اس طرح کے احوال کا سامنا ہے کہ جن احوال کا گزشتہ زمانوں میں سامنا نہیں کرنا پڑا، دنیا کے مختلف حصوں کی تمدنی ومعاشرتی زندگی ایک دوسرے پر اثر انداز ہورہی ہے، اور لوگوں کی ایک دوسرے کے ساتھ قُربت بڑھ رہی ہے، اور دنیا ایک شہر کی شکل اختیار کر رہی ہے، جس کے نتیجہ میں بعض اوقات کسی ایک قول پر عمل کرنے میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اہلِ علم حضرات کو اس دشواری کا حل نکالنے میں الجھن پیش آتی ہے۔

مختلف اقوال کے سامنے ہونے سے ضرورت وحاجت کے وقت اس طرح کی دشواری اور الجھن کا حل نکالنے میں بھی مدد حاصل ہوتی ہے۔ [۱]

---

[۱] اور بعض صورتوں میں دوسرے فقہائے کرام کے اقوال پر بغرضِ تیسیر عمل کر لینے کی گنجائش بھی ہوتی ہے۔

قلت :وأيضا قالوا العامى لا مذهب له، بل مذهبه مذهب مفتيه، وعلله فى شرح التحرير بأن المذهب إنما يكون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذهب على حسبه، أو لمن قرأ كتابا فى فروع ذلك المذهب وعرف فتاوى إمامه وأقواله .وأما غيره ممن قال أنا حنفى أو شافعى لم يصر كذلك بمجرد القول كقوله أنا فقيه أو نحوى اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج۴،ص ۸۰، كتاب الحدود، باب التعزير)

والحاصل :أن العلماء اختلفوا فى لزوم مذهب معين، وصحح كل أحد منهم ما ذهب إليه، وعدم اللزم هو الراجح كما ذكرناه بعد أن لا يخرج عن المذاهب الأربعة، والله ولى التوفيق(خلاصةالتحقيق فى بيان حكم التقليد، لعبدالغنى النابلسى، ص۸،مطلب :هل على الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟)

ويستخرج، أى يستنبط منه، أى من جواز اتباع غير مقلّده الأول، وعدم التضييق عليه، جواز اتباعه رخص المذاهب، أى أخذه من المذاهب ما هو الأهون عليه، فيما يقع من المسائل ولا يمنع منه (مانع شرعى، إذ للإنسان أن يسلك المسلك الأخف عليه، إذا) كان له، أى للإنسان إليه، أى ذلك المسلك الأخف، سبيل.ثم بيّن السبيل بقوله :بأن لم يكن عمل بآخر، أى بقول آخر مخالفاً لذلك الأخف فيه، أى فى ذلك المحل المختلف فيه "،انتهى عبارة السيد بادشاه .وقال ابن أمير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)...... کتاب کے بعض قارئین کا تعلق فقہ حنفی کے علاوہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے دوسرے سلسلوں سے ہوتا ہے، دوسرے اقوال شامل کرنے سے ان قارئین کو بھی سہولت حاصل رہتی ہے، اور ساتھ ہی دوسرے فقہاء کے اقوال اِن حضرات کے پیشِ نظر رہتے ہیں۔

(۶)...... دلائل اور تحقیق کے نتیجہ میں صاحبِ نظر واجتہاد اہلِ علم حضرات کو بعض اوقات کسی دوسرے قول کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور یہ ترجیح کسی دوسرے معروف ومشہور قول کے خلاف ہوتی ہے، حنفیہ کے یہاں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ بلکہ بعض اوقات امام زفر رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی جاتی رہی ہے، جس کے بے شمار نظائر موجود ہیں، ایسے وقت مجتہد فیہ ہونے کی حیثیت سے دوسرے اقوال کو ذکر اور ملاحظہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(۷)...... مسلم حکومت کی طرف سے قانون سازی یا عدالتی فیصلہ صادِر ہونے کے وقت فقہائے کرام نے قضائے قاضی یا حکمِ حاکم کے رافعِ اختلاف ہونے کا ذکر فرمایا ہے، مختلف فقہی اقوال سامنے ہونے کی صورت میں اس کا تعین کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔

اس طرح کی وجوہات کے پیشِ نظر اس کتاب کے مباحث کو وسیع تر فقہی تناظر میں ذکر کیا گیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حاج عقب كلام الماتن ابن الهمام فى هذا المحل ما نصّه " :وقال أيضاً -يعنى شيخه ابن الهمام - فى "شرح الهداية "عقب ما قدمناه من بيان حقيقة الانتقال :والغالب أن مثل هذه -يعنى التشديدات التى ذكروها، فقالوا :المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان آثم يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى.ولابد أن يراد بهذا الاجتهاد معنى التحرى وتحكيم القلب، لأن العامى ليس له اجتهاد، فتلك التشديدات الزامات منهم، أى المشائخ، لكفّ الناس عن تتبع الرخص، وإلا أخذ العامى فى كل مسألة بقول مجتهد يكون قوله أخف عليه .وأنا لا أدرى ما يمنع هذا من العقل والسمع، وكون الإنسان يتبع ما هو أخف على نفسه من قول مجتهد مسوغ له الاجتهاد،ما علمت من الشرع ذمه عليه "انتهى عبارة ابن أمير حاج (العقد الفريد لبيان الراجح من الخلاف فى جواز التقليد -للشرنبلالى، ج ۱، ص ۹)

ہے، اور ہماری اس کتاب کے بنیادی اور اکثر مآخذ کا مدار ''**الموسوعة الفقهية الكويتية**'' نامی عربی کتاب پر ہے، جس کا اب بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے اردو زبان میں ترجمہ بھی ہو رہا ہے۔

اور سابقہ ادوار میں بہت سے مصنفین ومؤلفین اس طرزِ عمل کو اختیار کرتے آئے ہیں، اور اس طرح کی کتب کو آج بھی غیر منکر بلکہ قبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور ہماری نظر میں موجودہ دور اس طرزِ عمل کا زیادہ متقاضی ہے، گو بعض اہلِ علم حضرات مخصوص ماحول میں زندگی گزارنے اور اس ماحول سے مانوس ہو جانے اور بعض علمی اقوال تک نظر کے محدود رہنے کے نتیجہ میں اس طرزِ عمل کو پسند نہ کرتے ہوں، اور وہ اس طرزِ عمل کو خاص جہت سے منکر اور نقصان دہ سمجھتے ہوں، یہ ان کا اپنا ذوق ہے، مگر ہمارا باوجود ان اہلِ علم حضرات کے دل میں احترام ہونے کے ان کے اس خاص ذوق سے متفق ہونا ضروری نہیں، جس طرح سے کہ وہ ہمارے موقف سے اتفاق کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔

لیکن بہر حال یہ اختلاف ایک فروعی نوعیت کا شمار ہوتا ہے، جس کے متعلق ہر فریق کو اعتدال کا دامن تھامے رکھنا ضروری ہوتا ہے، جس کا آج کل علمی دنیا میں غیر معمولی فقدان پایا جاتا ہے۔

اور اسی وجہ سے فروعی مسئلہ میں فریقِ مخالف پر شدید انداز میں نکیر کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، جو کہ مجتہَد فیہ فروعی مسائل میں نامناسب طریقہ ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اعتدال کو ملحوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کاوِش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، اور امتِ مسلمہ کے لئے ہدایت اور نفع کا اور موجودہ دور کی مشکلات سے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ فقط۔

محمد رضوان ۳/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ 28/اکتوبر/2014ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

کتابِ اول

کاشت کی زکاۃ

یعنی

عُشر کے فضائل واحکام

قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں عشر کا ثبوت اور عشر سے متعلق فقہی مسائل
عشر کا نصاب، عشر کی مقدار، عشر کی جنس، عشر کی ادائیگی
اور عشر کے مصارِف سے متعلق تفصیلی فقہی احکام

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

(مقدمہ)

کاشت کاری اور کھیتی باڑی کی فضیلت واہمیت

اسلام میں کاشت کاری اور کھیتی باڑی کے مشغلہ کو اختیار کرنے کی بڑی فضیلت واہمیت ہے، احادیث میں اس کے عظیم الشان فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

لیکن یہ فضیلت واہمیت اس شخص کے لئے ہے، جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھتا ہو۔

آگے قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

انسان کاشت کار اور اللہ فصل اُگانے والا ہے

اس سلسلہ میں ایک مومن کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کاشت کاری کرنے والا ایک کارندہ تصور کرے، اور حقیقت میں فصل کے پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کو قرار دے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ .ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ أَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ .لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (سورة الواقعة، رقم الآية ٦٣ الیٰ ٦٥)

ترجمہ: کیا پس دیکھا تم نے جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اُگاتے ہو اُس کو، یا ہم ہی اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر رہ جاؤ تم باتیں بناتے ہوئے (سورہ واقعہ)

مطلب یہ ہے کہ انسان تو صرف فصل بوتا اور کھیتی باڑی کرتا ہے، اور اس بیج کو زمین کی تہوں

اور تاریکیوں میں پالنا، اُگنے کے قابل بنانا، پھر اُگانا اور اُگانے کے بعد نشو ونما کے سب مراحل سے گزارنا، اور اس کے لئے موسم، آب وہوا کے موافق حالات وماحول پیدا کرنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کے مظاہر ہیں، یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر انسان کوئی بیج یا فصل بوئے، اور اللہ تعالیٰ اس بیج کو ریزہ ریزہ کرکے ناکارہ بنادے، تو انسان جتنی بھی کوشش کرلے، وہ اس بیج اور فصل سے تعجب اور حیرت سے باتیں بنانے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کرسکتا۔ [1]

اور اسی وجہ سے احادیث میں کھیتی اور فصل اُگانے کی اپنی طرف نسبت کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے، اور اس کے بجائے اپنی طرف کھیتی باڑی کرنے کی نسبت کی تعلیم دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا یَقُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ: زَرَعْتُ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ: حَرَثْتُ، قَالَ أَبُوْ ھُرَیْرَۃَ: أَلَمْ تَسْمَعْ إِلٰی قَوْلِ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: أَفَرَأَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ، أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ (صحیح ابن حبان) [2]

---

[1] أفرأيتم ما تحرثون ط تبذرون حبة.
أأنتم تزرعونه تنبتونه أم نحن الزارعون المنبتون.
لو نشاء جعله حطاما لجعلناه اى الزرع حطاما قال عطاء تبنالا قمح فيه وقيل هشيما لا ينتفع به فى مطعم وغذاء فظلتم أصله ظللتم حذف أحد اللامين تخفيفا تفكهون اى تعجبون مما ينزل بكم فى زرعكم وهو قول عطاء والكلبى ومقاتل وقيل تندمون على اجتهادكم ونفقاتكم وهو قول يمان وقال الحسن تندمون على ما سلف منكم من المعصية التى أوجبت تلك العقوبة وقال عكرمه تلاومون وقال ابن كيسان تحزنون وقال الكسائى هو التلهف على ما فات وهو من الاضداد قال العرب تفكهت اى فرحت وتفكهت اى حزنت قلت هو مستعار من أكل الفاكهة والتجنب عن الفاكهة قال فى القاموس تفكه تندم وبه تمتع وأكل الفاكهة وتجنب عن الفاكهة ضد (التفسير المظهرى، ج۹ص۱۷۸، ۱۷۹، سورة الواقعة)

[2] رقم الحديث ۵۷۲۳، كتاب الحظر والاباحة، باب ما يكره من الكلام وما لا يكره، ذكر الزجر عن قول المرء لما حرث : زرعت.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابنِ حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ میں نے کھیتی اُگائی، لیکن یہ کہے کہ میں نے کھیتی بوئی (یا بیج بویا، کاشت کاری کی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کو نہیں سنا کہ:

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ،أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ (سورة الواقعة)

''کیا پس دیکھا تم نے جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اگاتے ہو اُس کو، یا ہم ہی اگانے والے ہیں؟'' (ابنِ حبان)

اور حضرت حجر بن قیس مدری سے روایت ہے کہ:

بِتُّ عِنْدَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ يَقْرَأُ فَمَرَّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ:أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ،قَالَ:بَلْ أَنْتَ يَا رَبِّ، ثَلَاثًا،ثُمَّ قَرَأَ : أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ،قَالَ:بَلْ أَنْتَ يَا رَبِّ، بَلْ أَنْتَ يَا رَبِّ، بَلْ أَنْتَ يَا رَبِّ، ثُمَّ قَرَأَ:أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ،قَالَ:بَلْ أَنْتَ يَا رَبِّ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَرَأَ:أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ،قَالَ:بَلْ أَنْتَ يَا رَبِّ، ثَلَاثًا (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے امیرُ المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس رات گزاری، پس میں نے آپ کو سنا، اور آپ رات کی نماز میں قرائت کر رہے تھے، تو آپ (سورہ واقعہ کی) اس آیت سے گزرے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٣٧٨٠، كتاب التفسير، تفسير سورة الواقعة.
قال الحاكم:هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.
وقال الذهبي في التلخيص:صحيح.

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ.

’’کیا پس دیکھا تم نے، جو منی تم ٹپکاتے ہو (بیویوں کے رحم میں) کیا تم پیدا کرتے ہو اس کو، یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں؟‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بلکہ تو ہی اے میرے رب! تین مرتبہ یہی جملہ کہا، پھر یہ آیت پڑھی کہ:

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ .أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ .

’’کیا پس دیکھا تم نے جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اگاتے ہو اُس کو، یا ہم ہی اگانے والے ہیں؟‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بلکہ تو ہی اے میرے رب! بلکہ تو ہی اے میرے رب! بلکہ تو ہی اے میرے رب! پھر یہ آیت پڑھی کہ:

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ.

’’کیا پس دیکھا تم نے اس پانی کو جو تم پیتے ہو؟ کیا تم نے اتارا اُسے بادل سے، یا ہم ہی اتارنے والے ہیں؟‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بلکہ تو نے ہی اے میرے رب! تین مرتبہ یہی جملہ کہا، پھر یہ آیت پڑھی کہ:

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ.

’’کیا پس دیکھا تم نے اس آگ کو جو تم سُلگاتے ہو؟ کیا تم نے پیدا کیا اس کے درخت کو، یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ، بلکہ تو نے ہی اے میرے رب! تین مرتبہ یہی جملہ کہا (حاکم)

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ ان چیزوں کے ذکر کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

پانی کو پیدا اور نازل وجاری کرنے کا نظام بھی اللہ کی مخلوق ہے

اگر کوئی کہے کہ زمین اور فصل تو پانی کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے، پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کے کیا معنیٰ؟ تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پانی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، جس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اور اس کو اوپر سے نازل کرنے اور زمین کے سوتوں میں پہنچانے کا کام بھی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۲)

ترجمہ: اور اس (اللہ) نے نازل کیا آسمان سے پانی، پھر نکالا اس پانی کے ذریعہ سے مختلف پھلوں کو تمہارے لئے رزق کے طور پر (سورہ بقرہ)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (سورة ابراهيم رقم الآية ۳۲)

ترجمہ: اور اس (اللہ) نے نازل کیا آسمان سے پانی، پھر نکالا اس پانی کے ذریعہ سے پھلوں کو تمہارے لئے رزق کے طور پر (سورہ ابراہیم)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا

وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُوْلِی النُّھٰی. مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی (سورۃ طٰہٰ، رقم الآیات ۵۳ الیٰ ۵۵)

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے بنایا تمہارے فائدہ کے لیے زمین کو گہوارہ، اور چلائے تمہارے فائدہ کے لئے اس میں راستے، اور نازل کیا آسمان سے پانی، پھر ہم نے نکال دیا اس پانی کے ذریعہ سے مختلف طرح کی نباتات کو، کھاؤ تم اور چراؤ اپنے مویشیوں (چوپاؤں) کو، بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، اس زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ تمہیں نکالیں گے (سورہ طٰہٰ)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْکَنّٰہُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ فَاَنْشَاْنَا لَکُمْ بِہٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَکُمْ فِیْھَا فَوَاکِہُ کَثِیْرَۃٌ وَّمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ وَشَجَرَۃً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّھْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰکِلِیْنَ (سورۃ المؤمنون رقم الآیات ۱۷ الیٰ ۲۰)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم (اور ختم) کر دینے پر (بھی) قادر ہیں، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے، تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طورِ سیناء میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (سورہ مومنون)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُوْنَ. وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ. لِيَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيْهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (سورۃ یٰس، رقم الآیات ۳۳، الیٰ ۳۵)

ترجمہ: اور نشانی ہے ان کے لیے خشک زمین، زندہ کیا ہم نے اس کو اور نکالا اس سے دانہ، پس اس سے وہ کھاتے ہیں، اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجوروں اور انگوروں کے، اور جاری کیے ہم نے ان میں چشمے، تاکہ وہ کھائیں اس کے پھل، اور نہیں بنایا ان چیزوں کو ان کے ہاتھوں نے، پھر کیوں نہیں شکر کرتے (سورہ یٰس)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ (سورۃ قٓ رقم الآیات ۹، ۱۰)

ترجمہ: اور نازل کیا ہم نے آسمان سے ایسا پانی جو مبارک ہے، پھر اُگا دیئے ہم نے اس کے ذریعہ سے باغ اور فَصل کے غَلّے اور بلند و بالا کھجور کے درخت، جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بہ تہ لگتے ہیں، رزق کے طور پر بندوں کے لئے (سورہ قٓ)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (سورۃ النازعات، رقم الآیۃ ۳۱ الیٰ ۳۳)

ترجمہ: نکالا زمین سے اس کا پانی اور چارہ، اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کردیا تمہارے اور تمہارے مویشیوں (چوپاؤں) کے فائدہ پہنچانے کے لئے (سورہ نازعات)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖٓ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (سورۃ العبس، رقم الآيات ۲۴ الىٰ ۳۲)

ترجمہ: سو انسان کو چاہئے کہ نظر کرے اپنے کھانے کی طرف کہ بے شک ہم نے پانی برسایا پھر زمین کو پھاڑا پھر اُگایا ہم نے اس میں غلّہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ کو فائدہ کے طور پر تمہارے لئے، اور تمہارے چوپاؤں کے لئے (سورہ عبس)

ان سب آیات سے معلوم ہوا کہ زمین پر پانی برسانے، اور زمین میں پہنچانے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا سب نظام درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، جو کھیتی اور فصل اُگنے کا ذریعہ ہے۔

کھیتی و باغ کی حفاظت بھی اللہ کے فضل پر مبنی ہے

جس طرح فصل اور کھیتی کو پیدا کرنا، اُگانا، اور پانی کو پیدا کر کے، فصل اور کھیتی کے پھلنے پھولنے کا حقیقی انتظام کرنا، اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اسی طرح اس کی حفاظت کرنا بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی شان ہے، انسان تو صرف حفاظت کی کوشش اور تدبیر کرسکتا ہے، مگر حقیقی حفاظت اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا. كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا. وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ

لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا. وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖ أَبَدًا. وَّمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ إِلٰى رَبِّيْ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا. قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ أَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰكَ رَجُلًا. لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيْ أَحَدًا. وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا. فَعَسٰى رَبِّيْ أَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا. أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا. وَأُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ أَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّيْ أَحَدًا. وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا. هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ. هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا. وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (سورة الكهف، رقم الآيات ۳۲ الیٰ ۴۵)

ترجمہ: اور بیان کیجئے ان کے لیے ایک مثال دو آدمیوں کی، بنائے ہم نے ان دونوں میں سے ایک کے لئے دو باغ انگوروں کے، اور گھیر دیا ہم نے ان دونوں کو کھجور کے درختوں سے، اور بنائی ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ دونوں کے دونوں باغ لائے اپنے پھلوں کو، اور نہیں کمی کی اس میں سے کچھ بھی، اور جاری کر دیا ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر کو۔ اور ہو گیا اس شخص کے لئے پھل، پھر کہا اس نے اپنے ساتھی سے، اور وہ اس سے بات کر رہا تھا کہ میں زیادہ ہوں تجھ

سے مال کے اعتبار سے، اور زیادہ عزت والا ہوں نفری کے اعتبار سے بھی۔ اور داخل ہوا وہ اپنے باغ میں اور وہ ظلم کرنے والا تھا اپنی جان پر، کہا اس نے میں نہیں گمان کرتا کہ برباد ہوگا یہ باغ کبھی بھی۔ اور نہیں گمان کرتا میں قیامت کو قائم ہونے والی، اور البتہ اگر میں لوٹا بھی دیا گیا اپنے رب کی طرف تو ضرور پاؤں گا میں بہتر اس سے بھی لوٹ کر۔ کہا اس کو اس کے ساتھی نے، اور وہ اس سے بات کر رہا تھا، کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات کے ساتھ جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بنایا تجھے پورا آدمی۔ لیکن وہی اللہ میرا رب ہے اور نہیں شریک کروں گا میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی۔ اور کیوں نہ جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں تو نے یہ کہا کہ ''ماشاء اللہ'' (جو اللہ چاہے، وہی ہوتا ہے) اور نہیں قوت ہے مگر اللہ ہی کے ذریعہ اگر تو دیکھتا ہے مجھے کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد کے اعتبار سے۔ پس قریب ہے کہ میرا رب دے دے مجھے بہتر تیرے باغ سے، اور بھیج دے اس (تیرے) باغ پر عذاب آسمان سے، پھر وہ چٹیل میدان ہو جائے۔ یا ہو جائے اس (تیرے) باغ کا پانی گہرا، پھر تو ہرگز طاقت نہ رکھے اسے حاصل کرنے کی۔ اور احاطہ کر لیا گیا اس کے پھل کا (عذاب سے) پھر وہ رہ گیا پلٹتا ہوا اپنی ہتھیلیوں کو، اس پر جو اس نے خرچ کیا اپنے باغ میں اور وہ (باغ) اپنی شاخوں پر گرا ہوا تھا اور کہنے لگا وہ کاش کہ میں نہ شریک کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ اور نہیں تھی اس کے لئے کوئی جماعت، جو اس کی مدد کرتے اللہ کے مقابلہ میں اور نہ تھا وہ اپنی مدد کرنے والا۔ یہاں اختیار اللہ برحق ہی کا ہے، وہ بہتر ہے ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔ اور بیان کیجئے ان کے لیے مثال دنیا کی زندگی کی، جیسا کہ پانی ہے نازل کیا ہم نے اس کو آسمان سے، پھر مل گئی اس کے ساتھ زمین کی پود، پھر وہ ہوگئی ریزہ ریزہ کہ اڑاتی

ہیں اسے ہوائیں اور ہے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا (سورہ کہف)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے کھیتی، فصل اور باغ کی حفاظت ممکن ہے۔

لہٰذا ایک مومن کاشت کار کو فصل کا خالق، اللہ تعالیٰ کو تصور کرنا چاہئے، اور اپنی تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود فصل کا حقیقی محافظ بھی اللہ تعالیٰ کو قرار دینا چاہئے، اور کھیتی کے بونے سے لے کر، برتنے اور خرچ کرنے تک ہر مرحلہ میں اللہ کی مدد اور شریعت کے متعلقہ احکام کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

مومن و مسلم کا کھیتی باڑی کرنا عظیم صدقۂ جاریہ ہے

مذکورہ ہدایات کو ملحوظ رکھ کر ایک مومن و مسلم شخص کا کھیتی باڑی وکاشت کاری کرنا عظیم عبادت وصدقۂ جاریہ ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ مَعْبَدٍ حَائِطًا فَقَالَ يَااُمَّ مَعْبَدٍ مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ اَمُسْلِمٌ اَمْ كَافِرٌ فَقَالَتْ بَلْ مُسْلِمٌ قَالَ فَلَايَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا طَيْرٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةً اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم امِ معبد کے زرعی احاطہ (یعنی باغ) میں تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ اے امِ معبد یہ کھجور کا درخت کسی مسلمان نے لگایا یا کافر نے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ مسلمان نے لگایا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے پھر اس درخت سے کوئی

---

[1] رقم الحديث ١٠ ”١٥٥٢“، كتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع.

انسان اورکوئی چوپایہ اورکوئی پرندہ جو بھی (اس درخت کے پھل، پھول، پتے، شاخ، چھال، تنے، جڑ وغیرہ سے) کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوتا ہے قیامت تک (مسلم)

یعنی اگر قیامت تک اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق کسی بھی شکل میں فائدہ اٹھاتی رہے، خواہ درخت لگے ہوئے ہونے کی صورت میں، یا درخت کاٹ کر اس کے پھل، پھول، اس کی لکڑی گوند وغیرہ سے، تو درخت لگانے والے کو صدقۂ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب ملتا رہتا ہے، جبکہ وہ مسلمان ہو۔

اور مسلم شریف ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَایَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَایَزْرَعُ زَرْعًافَیَأْکُلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَاشَیْئٌ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ (مسلم) [1]

ترجمہ: جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیتی (یا چارہ وغیرہ) اُگاتا ہے، پھر کوئی انسان اور چوپایہ اور کوئی بھی چھوٹی موٹی چیز (خواہ وہ کوئی چیونٹی ہی کیوں نہ ہو) اس سے کچھ کھاتی ہے، تو وہ درخت اور کھیتی لگانے والے کے لئے (جاری رہنے والا) صدقہ بن جاتا ہے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پھل دار درخت نہیں لگایا، بلکہ کوئی ایسا درخت لگا دیا جس کے پتے اور شاخوں وغیرہ کو چارے کے طور پر بعض جانور کھاتے ہیں، یا کوئی پھول دار درخت یا پودا لگا دیا، جس سے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں وغیرہ غذا حاصل کرتی ہیں (جیسا کہ شہد کی مکھیاں اسی طرح کے پھل اور پھولوں سے رس حاصل کر کے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں، اور شہد بھی تیار کرتی ہیں جو بعد میں غذاؤں اور دواؤں کے کام آتا ہے)

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۵۲ "۸"، کتاب المساقاۃ، باب فضل الغرس والزرع، واللفظ لہٗ؛ مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۹۶۹۰، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۲۶۰ و رقم الحدیث ۲۶۳، سنن دارمی رقم الحدیث ۲۶۶۲، صحیح ابنِ حبان رقم الحدیث ۳۴۳۷.

یا اس سے بھی کم درجہ کا کوئی اور گھاس پھونس اُگا دیا، جو بعض جانوروں (مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری، گدھے، گھوڑے وغیرہ) کے چارے کے کام آتا ہے، تو یہ بھی انسان کے لئے عظیم صدقہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ دَابَّةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (بخاری)

اور مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَايَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ دَابَّةٌ اَوْطَائِرٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۹۹۹، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ) [2]

ترجمہ: جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ یا کوئی پرندہ کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَرَسَ غَرْسًا أَوْ زَرَعَ زَرْعًا فَأَكَلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَيْرٌ اَوْ سَبُعٌ اَوْ دَابَّةٌ فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ (مسند احمد) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان نے کوئی درخت لگایا، یا کوئی کھیتی (یا چارہ وغیرہ) بویا، پھر اس سے کسی انسان یا کسی پرندے

---

[1] رقم الحديث ۶۰۱۲، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم.

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

[3] رقم الحديث ۱۵۲۰۱، مسند جابر بن عبدالله رضى الله عنه.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوى، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

یادرندے یا چوپائے نے کھایا، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے، پھر اس سے جو چیز بھی کھائی جاتی ہے (خواہ کھانے والا کوئی بھی ہو، انسان ہو یا جانور) تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو کچھ اس سے چوری کیا جاتا ہے وہ بھی درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اُس سے کوئی درندہ کھاتا ہے تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لیے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اس سے کوئی پرندہ کھاتا ہے تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اس میں سے کوئی کمی کرتا ہے (مثلاً کسی غرض سے اس کے پتے، لکڑی وغیرہ میں سے لے لیتا ہے) تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

فائدہ: جب تک درخت لگا ہوا ہوتا ہے، اس وقت تک تو اس سے انسان اور چرند پرند مختلف شکلوں سے فائدہ اٹھاتے ہی ہیں، اور کچھ بھی نہ ہو تو چرند پرند اس پر رہائش رکھتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے گرمی، سردی، بارش، دھوپ اور موذی جانوروں سے حفاظت کا سامان کرتے ہیں، اور انسان اور جانور اس کے سایہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس درخت پر

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۵۲ "۷" کتاب المساقاۃ، باب فضل الغرس والزرع.

آنے والے پھل سے دوسرے پھلوں کے بیج اور گٹھلیاں نکلتی ہیں، اور کتنے دوسرے درخت اور پودے تیار ہوتے ہیں۔

بعض درختوں اور جڑی بوٹیوں کی مختلف چیزیں بے شمار دوائیوں میں استعمال ہوتی ہیں، اور درخت سے گوند وغیرہ بھی نکلتا ہے، جو مختلف شکلوں میں کام آتا ہے، پھر اس سے کاٹی جانے والی لکڑی بلکہ اس کے پتوں سے آگ جلا کر مختلف طریقوں سے ضرورت پوری کی جاتی ہے، لکڑی سے بے شمار ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اور اگر درخت کاٹ لیا جائے، تو اس سے بڑے بڑے شہتیر، کڑیاں، دروازے، کھڑکیاں، میز اور صوفے اور پھٹے وغیرہ بنتے ہیں، اور بانس بھی سیڑھی اور دوسری شکلوں میں کام آتے ہیں۔

غرضیکہ درخت کا نفع بہت عام اور وسیع ہے، اس لئے یہ عظیم صدقہ بلکہ صدقۂ جاریہ ہے۔

مسند احمد میں حضرت اُمِ مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ غَرَسَ غَرْسًا، أَوْ زَرَعَ زَرْعًا، فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ، أَوْ سَبُعٌ، أَوْ دَابَّةٌ، أَوْ طَيْرٌ، فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۰۴۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس (مسلمان) نے کوئی درخت لگایا، یا کوئی کھیتی کی پھر اس سے کسی انسان نے یا درندے نے یا چوپائے نے یا پرندے نے کچھ کھالیا تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم فضل ہے کہ درخت سے اگر کوئی انسان پرند، چرند کھائے، بلکہ کوئی اگر چوری بھی کرے، وہ سب درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔

حضرت خلاد بن سائب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَرَعَ زَرْعًا فَأَكَلَ مِنْهُ الطَّيْرُ اَوِ الْعَافِيَةُ كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی (کھیتی) کاشت کی، پھر اس سے کسی پرندے نے کھایا یا کسی بھی رزق کے طلبگار (خواہ انسان ہو یا جانور ہو) نے کھایا، تو وہ کاشت کاری (اور کھیتی) اس لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتی ہے (مسند احمد)

حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ سے دوسری سند کے ساتھ بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے۔ [2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَجُلًا مَرَّ بِهٖ وَهُوَ يَغْرِسُ غَرْسًا بِدِمَشْقَ فَقَالَ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَاَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَعْجَلْ عَلَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَرَسَ غَرْسًا يَأْكُلُ مِنْهُ آدَمِيٌّ وَلَاخَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ (مسند احمد،

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۵۵۸، حدیث السائب بن خلاد، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبرانی رقم الحدیث ۴۰۲۶.

قال شعيب الارنؤوط: اسنادهٗ حسن (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمی: رواه أحمد، والطبرانی فی الكبير، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۲۶۵، باب اتخاذ الشجر وغير ذلک)

[2] عن محمد بن كعب القرظی، عن خلاد بن السائب الأنصاری رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ما من شیء يصيب من زرع أحدكم ولا ثمرة من طير ولا سبع إلا وله فيه أجر (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۴۱۳۳، واللفظ لهٗ؛ معرفة الصحابة لابی نعيم، رقم الحديث ۲۴۸۲)

عن محمد بن كعب القرظی، عن السائب بن سويد، أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: ما من شیء يصيب زرع أحدكم من العوافی إلا كتب الله له به أجرا (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۶۳۹)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه عبد الله بن موسى التيمی، وهو ثقة لكنه كثير الخطإ، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۲۶۹، باب اتخاذ الشجر وغير ذلک)

رقم الحدیث ٢٧٥٠٦) [1]

ترجمہ: ایک آدمی کا گزر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، اس وقت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں ایک درخت لگا رہے تھے، تو اس شخص نے کہا کہ آپ یہ درخت لگا رہے ہیں، حالانکہ آپ صحابیٔ رسول ہیں (مطلب یہ تھا کہ یہ تو معمولی مزدوروں، کاشت کاروں کا کام ہے، آپ صحابیٔ رسول ہوکر یہ کام کر رہے ہیں) تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ میرے اس معاملہ میں (فیصلہ کرکے) جلد بازی نہ کریں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے درخت لگایا، اس سے کوئی آدمی یا اللہ عزوجل کی کوئی بھی مخلوق کھائے گی تو وہ اس درخت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوجائے گا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ درخت لگانے کا عمل اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اپنے ہاتھ سے انجام دیا ہے، کیونکہ ان کو اس عمل کی فضیلت اور اہمیت معلوم تھی۔

آج کل بہت سے لوگ محنت ومشقت کی وجہ سے کھیتی باڑی چھوڑ کر، جن کے آباء واجداد کا پیشہ کھیتی باڑی اور کاشت کاری کرنا تھا، دوسرے کام دھندوں میں لگ گئے ہیں، اور اس طرح کھیتی باڑی کی عظیم فضیلت سے محروم ہوگئے ہیں۔

بنجر زمین کو آباد کرنے کی فضیلت

احادیث میں کھیتی باڑی کرنے اور درخت وغیرہ لگانے کے ساتھ ساتھ، بنجر زمین کو آباد کرنے

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیرہ (حاشیة مسند احمد)

وقال المنذری: رواه أحمد وإسناده حسن (الترغیب والترھیب، تحت رقم الحدیث ٣٩٢٩، کتاب البر والصلة وغیرھما)

وقال الهیثمی: رواه احمد والطبرانی فی الکبیر، ورجاله موثقون وفیهم کلام لایضر (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ٦٢٦٧، باب اتخاذ الشجر وغیر ذلک)

کو بھی صدقۂ جاریہ میں شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْیَا أَرْضًا مَیْتَۃً ، فَلَہٗ فِیْھَا أَجْرٌ، وَمَا أَکَلَتِ الْعَافِیَۃُ مِنْھَا، فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۴۵۰۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مُردہ (یعنی بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ کیا، تو اس کو اس عمل سے اجر حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی رزق کا طلبگار (انسان یا کسی بھی قسم کا جانور یا چرند، پرند) اس (کھیتی باڑی اور اس کی جڑ، تنے، شاخ، پتے، پھل و پھول وغیرہ) سے کھاتا ہے تو اس میں اس شخص کو صدقہ کا اجر حاصل ہوتا ہے (مسند احمد)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ: مَا مِنْ اِمْرِءٍ یُحْیِیْ أَرْضًا، فَیَشْرَبُ مِنْہُ کَبِدٌ حَرَّی أَوْ یُصِیْبُ مِنْہُ عَافِیَۃٌ، إِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِہٖ أَجْرًا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۴۹، ج۲۳ص۳۹۷) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ جس آدمی نے کسی (بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ و آباد کیا، پھر اس سے کسی جاندار (آدمی یا جانور) نے (عرق، رس، جوس وغیرہ) پیا، یا رزق کے طلبگار (انسان یا کسی بھی قسم کے جانور یا چرند پرند) نے اس سے کچھ حاصل کیا (خواہ رزق کی شکل میں ہو،

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، وهذا إسناد حسن (حاشیة مسند احمد)

[2] قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفیه موسی بن یعقوب الزمعی وثقه ابن معین وابن حبان، وضعفه ابن المدینی، وتفرد عن قریبة شیختہ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۶۷۸۲، باب إحیاء الموات)

یا کسی اور شکل میں) تو اللہ اُس آباد کرنے والے کے لئے اس کا اجر (اور ثواب) لکھ دیتا ہے (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنا کر اس میں کاشت کاری کرنے میں بھی عظیم صدقۂ جاریہ کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ [1]

بنجر زمین کو آباد کرنے پر ملکیت کا استحقاق

کئی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی غیر مملوکہ بنجر زمین کو آباد کرے، تو اسے اس آباد کرنے کے نتیجہ میں اس زمین کی ملکیت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ، قَالَ عُرْوَةُ: قَضٰى بِهٖ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ خِلَافَتِهٖ

---

[1] (وعن جابر قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-من أحيا أرضا ميتة) أى :زرع أرضا يابسة "فله فيها "أى :فى نفس إحيائها "أجر، وما أكلت العافية "وهى كل طالب رزق من إنسان أو بهيمة أو طائر من عفوته أى :أتيته أطلب معروفه، وعافية الماء واردته، وفى بعض الروايات :العوافى أى :طوالب الرزق (منه) أى :من حاصل الأرض وريعها أو من المأكول أو من النبات (فهو له صدقة) أى :إذا كان له راضيا وشاكرا أو محتملا صابرا (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۴۳، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

من أحيا أرضا ميتة فله فيها أجر، وما أكلت العافية منها فهو له صدقة .(حم ن حب) والضياء عن جابر (صح)(من أحيا أرضا ميتة فله فيها أجر) لأنه يتعدى نفعها إلى الحيوانات من إنسان وغيره، فإحياؤه يسبب له ذلك فكان له أجر، ويحتمل أنه بنفس الإحياء له أجر وإن لم ينل منه أحد نفعا، ويؤيده قوله (وما أكلت العافية) الطيور والوحوش .(منها فهو له صدقة) وإن لم يقصد التصدق بها فإن الله يؤجره على ذلك، واستدل به ابن حبان على أنه لا يملك الذمى بالتحجر لأن الأجر ليس إلا للمسلم وتعقبه الطبرى بأن الكافر يتصدق ويجازى عليه فى الدنيا قال ابن حجر :والأول أقرب للصواب، وهو مظنة الخير إذ إطلاق الأجر إنما يراد به الأخروى، قلت :ويؤخذ منه أن من أهمل أرضا حيية وأصلب أرضا عامرة أنه يأثم بطريق المفهوم، ولأنه قد نهى عن إضاعة المال وإضاعة الأرض إهمالها عن الزرع ونحوه(التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانى، تحت رقم الحديث ۸۳۲۶)

(بخاری، رقم الحدیث ۲۳۳۵، کتاب المزارعة، باب من أحيا أرضا مواتا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی (بے آباد) زمین کو آباد کیا، جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تھی، تو وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہے۔

حضرت عروہ (اس روایت کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا (بخاری)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مُردہ (بنجر و بے آباد) زمین کو زندہ (و آباد) کیا، تو وہ زمین اسی کی ہو جائے گی، اور محض غاصبانہ طور پر کچھ پتھر وغیرہ لگا کر قبضہ جمانے والے کا کوئی مالکانہ استحقاق نہیں (جب تک باقاعدہ زراعت وغیرہ کر کے زمین کو آباد نہ کرے) (ترمذی)

اس قسم کی اور بھی احادیث مروی ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۳۷۸، ابواب الاحكام، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات.

[2] عن جابر بن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أحيا أرضا ميتة فهي له: هذا حديث حسن صحيح (ترمذی، رقم الحديث ۱۳۷۹، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات)

عن سمرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أحاط حائطا على أرض فهي له (ابوداؤد، رقم الحديث ۳۰۷۷، باب في إحياء الموات، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۱۳۰)

في حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

عن فضالة بن عبيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأرض أرض الله، والعباد عباد الله، من أحيا مواتا فهي له (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۸۲۳، ج۱۸ ص۳۱۸)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۷۸۳، باب إحياء الموات)

جب کسی غیر مملوکہ بے آباد وبنجر زمین پر کوئی تعمیر کرلی جائے، یا اس میں کھیتی باڑی شروع کردی جائے، یا اس میں پانی کا انتظام کرلیا جائے، تو ان سب طریقوں سے اس زمین کو آباد کرنا متحقق ہوجاتا ہے۔ [1]

---

[1] يكاد يتفق الحنفية والمالكية فيما يكون به الإحياء ، فقد نص الحنفية على أن الإحياء يكون بالبناء على الأرض الموات، أو الغرس فيها، أو كريها (حرثها) ، أو سقيها.

ونص مالك على أن إحياء الأرض أن يحفر فيها بئرا أو يجرى عينا أو يغرس شجرا أو يبنى أو يحرث ما فعل من ذلك فهو إحياء .وقاله ابن القاسم وأشهب .وقال عياض :اتفق على أحد سبعة أمور :تفجير الماء ، وإخراجه عن غامرها به، والبناء والغرس والحرث، ومثله تحريك الأرض بالحفر، وقطع شجرها، وسابعها كسر حجرها وتسوية حفرها وتعديل أرضها.

أما الشافعية فقد نصوا على أن ما يكون به الإحياء يختلف بحسب المقصود منه، فإن أراد مسكنا اشترط لحصوله تحويط البقعة بآجر أو لبن أو محض الطين أو ألواح الخشب والقصب بحسب العادة، وسقف بعضها لتتهيأ للسكنى، ونصب باب لأنه المعتاد فى ذلك .وقيل لا يشترط؛ لأن السكنى تتحقق بدونه .وإن كان المقصود زريبة للدواب فيشترط التحويط، ولا يكفى نصب سعف أو أحجار من غير بناء ، ولا يشترط السقف؛ لأن العادة فى الزريبة عدمه، والخلاف فى الباب كالخلاف فيه بالنسبة للمسكن .والإحياء فى المزرعة يكون بجمع التراب حولها، لينفصل المحيا عن غيره .وفى معنى التراب قصب وحجر وشوك، ولا حاجة إلى تحويط وتسوية الأرض بطم المنخفض وكسح المستعلى.

فإن لم يتيسر ذلك إلا بما يساق إليها فلا بد منه لتتهيأ للزراعة .ولا تشترط الزراعة بالفعل على أحد قولين؛ لأنها استيفاء منفعة، وهو خارج عن الإحياء .والقول الثانى :لا بد منها؛ لأن الدار لا تصير محياة إلا إذا حصل فيها عين مال المحيى، فكذا الأرض.

وللحنابلة فيما يكون به الإحياء روايتان، إحداهما، وهى ظاهر كلام الخرقى ورواية عن القاضى : أن تحويط الأرض إحياء لها سواء أرادها للبناء أو الزرع أو حظيرة للغنم أو الخشب أو غير ذلك ونص عليه أحمد فى رواية على بن سعيد، فقال :الإحياء أن يحوط عليها حائطا، أو يحفر فيها بئرا أو نهرا .ولا يعتبر فى ذلك تسقيف، وذلك لما روى الحسن عن سمرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم :قال من أحاط حائطا على أرض فهى له .رواه أبو داود والإمام أحمد فى مسنده، ويروى عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله؛ ولأن الحائط حاجز منيع، فكان إحياء ، أشبه ما لو جعلها حظيرة للغنم .ويبين من هذا أن القصد لا اعتبار له .ولا بد أن يكون الحائط منيعا يمنع ما وراءه، ويكون مما جرت به العادة بمثله .ويختلف باختلاف البلدان.

ورواية القاضى الثانية " :أن الإحياء ما تعارفه الناس إحياء ، لأن الشرع ورد بتعليق الملك على الإحياء ، ولم يبينه ولا ذكر كيفيته، فيجب الرجوع فيه إلى ما كان إحياء فى العرف، ولا يعتبر فى إحياء الأرض حرثها ولا زرعها؛ لأن ذلك مما يتكرر كلما أراد الانتفاع بها فلم يعتبر فى الإحياء كسقيها

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۲۴۸ وص ۲۴۹، مادة"احياء الموات"، ما يكون به الإحياء)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جو غیر مملوکہ زمین بنجر اور بے آباد ہو، اور کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، اُس کو آباد کرنے والے فرد یا افراد کو ملکیت کا استحقاق ہوتا ہے۔ [1]

البتہ غیر مملوکہ بنجر زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے آباد کرنے والے کو ملکیت حاصل ہونے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے کہ حکومت کی اجازت سے اُس نے اُس بنجر زمین کو آباد کیا ہو، جبکہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری نہیں ہے، بلکہ آباد کرنے والا آباد کرنے کی وجہ سے خود بخود مالک ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] النوع الثانی :إقطاع التملیک:هو تملیک من الإمام مجرد عن شائبة العوضیة بإحیاء أو غیره.
أقسامه وحکم تلک الأقسام:ینقسم إقطاع التملیک فی الأرض المقطعة إلی ثلاثة أقسام:
موات، وعامر، ومعادن.
إقطاع الموات:إقطاع الموات ضربان:الضرب الأول :ما لم یزل مواتا من قدیم الدهر، فلم تجر فیه عمارة ولا یثبت علیه ملک، فهذا یجوز للإمام أن یقطعه من یحییه ومن یعمره، وقد أقطع رسول الله صلى الله علیه وسلم الزبیر بن العوام رکض فرسه من موات النقیع، فأجراه، ثم رمی بسوطه رغبة فی الزیادة، فقال رسول الله صلى الله علیه وسلم :أعطوه منتهى سوطه .
ویمتنع به إقدام غیر المقطع علی إحیائه، لأنه ملک رقبته بالإقطاع نفسه، خلافا للحنابلة، فإنهم ذهبوا إلی أن إقطاع الموات مطلقا لا یفید تملیکا، لکنه یصیر أحق به من غیره، فإن أحیاه ملکه بالإحیاء لا بالإقطاع، أما إذا کان الإقطاع مطلقا، أو مشکوکا فیه، فإنه یحمل علی إقطاع الإرفاق، لأنه المحقق.
الضرب الثانی من الموات :ما کان عامرا فخرب، فصار مواتا عاطلا، وذلک نوعان:(أحدهما) ما کان عادیا (أی قدیما، جاهلیا) فهو کالموات الذی لم یثبت فیه عمارة ویجوز إقطاعه .قال صلى الله علیه وسلم عادی الأرض لله ولرسوله، ثم هی لکم منی. (ثانیهما) ما کان إسلامیا جری علیه ملک المسلمین، ثم خرب حتی صار مواتا عاطلا، ولا یعرف له مالک ولا ورثة مالک .قال الشافعیة : إنه مال ضائع یرجع فیه إلی رأی الإمام مطلقا .وقال المالکیة :یملک بالإحیاء مطلقا، إذا کانت الأرض غیر مقطعة، أما إذا کانت مقطعة فالراجح عندهم أنها لا تملک بالإحیاء .وقال الحنفیة :إن لم یعرف أربابه ملک بالإحیاء ، بشرط إقطاع الإمام له، وهو رأی للحنابلة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج٦، ص ٨١، الیٰ ص ٨٦،مادة" اقطاع")

[2] فقهاء المذاهب مختلفون فی أرض الموات هل هی مباحة فیملک کل من یحق له الإحیاء أن یحییها بلا إذن من الإمام، أم هی ملک للمسلمین فیحتاج إحیاؤها إلی إذن؟ذهب الشافعیة والحنابلة وأبو یوسف ومحمد إلی أن الإحیاء لا یشترط فیه إذن الإمام، فمن أحیا أرضا مواتا بلا إذن من الإمام ملکها.وذهب الإمام أبو حنیفة إلی أنه یشترط إذن الإمام، سواء أکانت الأرض الموات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کے دور میں کسی غیر آباد زمین کو آباد کرنے سے ملکیت حاصل ہونے کے لئے حکومت کی اجازت کا ہونا انتظامی طور پر تنازع سے حفاظت اور مصلحت کے بھی مطابق ہے، اور سرکاری کاغذات میں بھی ملکیت اسی وقت ثابت ہوتی ہے۔

اس لئے اگر بنجر و بے آباد زمین کو آباد کرنے پر ملکیت کے استحقاق کے لئے، قانونی طور پر حکومت سے اجازت کو ضروری قرار دیا جائے، تو یہ قانون امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک اور حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قريبة من العمران أم بعيدة .واشترط المالكية إذن الإمام فى القريب قولا واحدا .ولهم فى البعيد طريقان :طريق اللخمى وابن رشد أنه لا يفتقر لإذن الإمام، والطريق الآخر أنه يحتاج للإذن. والمفهوم من نصوص المالكية أن العبرة بما يحتاجه الناس وما لا يحتاجونه، فما احتاجوه فلا بد فيه من الإذن، وما لا فلا.احتج الجمهور بعموم قوله صلى الله عليه وسلم :من أحيا أرضا فهى له ؛ ولأن هذه عين مباحة فلا يفتقر ملكها إلى إذن الإمام كأخذ الحشيش، والحطب.

واحتج أبو حنيفة بقوله صلى الله عليه وسلم :ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه ، وبأن هذه الأراضى كانت فى أيدى الكفرة ثم صارت فى أيدى المسلمين، فصارت فيئا، ولا يختص بالفىء أحد دون رأى الإمام، كالغنائم؛ ولأن إذن الإمام يقطع المشاحة .والخلاف بين الإمام وصاحبيه فى حكم استئذان الإمام فى تركه من المحيى المسلم جهلا .أما إن تركه متعمدا تهاونا بالإمام، كان له أن يسترد الأرض منه زجرا له .وكل هذا فى المحيى المسلم فى بلاد الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۲۴۱ وص ۲۴۲، مادة ”احياء الموات“، إذن الإمام فى الإحياء)

(فصل نمبر۱)

عشر کا ثبوت اور وجوب

شریعت کی طرف سے ایک زکاۃ زمین کی پیداوار پر عائد کی گئی ہے، جس کو عشر اور زمین کی زکاۃ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ [۱]

اور اس زکاۃ کی مقدار بعض صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ ہے۔

اور یہ مقدار پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ ہی ہے، کسی صورت میں نہ تو دسویں حصہ سے زیادہ ہے، اور نہ بیسویں حصہ سے کم۔

فقہائے کرام نے زمین کی پیداوار یا عشر کے ثبوت پر قرآنِ مجید کی جن آیات اور احادیث سے استدلال کیا ہے، آگے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ [۲]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[۱] (العشر) فإنه ملحق بالزكاة ولذا سموه زكاة الزرع(ردالمحتار، ج۲ص ۳۵۱، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

المطلب الرابع ـ زكاة الزروع والثمار (أو زكاة النبات أو الخارج من الأرض)الكلام فى هذا المطلب يتناول فرضية زكاة الزروع والثمار وسبب الفرضية، وشروطها، وما تجب فيه هذه الزكاة، والنصاب الذى تبدأ به الزكاة، ومقدار الواجب وصفته، ووقت الوجوب وإخراج الزكاة، وما يضم بعضه إلى بعض، وزكاة الثمار الموقوفة، وزكاة الأرض المستأجرة، وزكاة الأرض الخراجية۔ (الأراضى العشرية والخراجية ونوعا الخراج) العاشر وضريبة العشور، إخراج زكاة الزرع والثمر وإسقاطها(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[۲] قد صرحوا بأن فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والإجماع والمعقول(ردالمحتار، ج۴ص ۱۷۸، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية)

أما الأول فثابت بالكتاب قوله تعالى -(وآتوا حقه يوم حصاده)على قول عامة أهل التأويل هو العشر أو نصفه، وبالسنة ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر، وبالإجماع (البحرالرائق، ج۲ص ۳۵۴، كتاب الزكاة، حكم تعجيل العشر)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ. كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (سورة الانعام آیت ۱۴۱)

ترجمہ: اور اسی (اللہ) نے بیلدار اور غیر بیلدار باغات پیدا کئے، اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طرح کی ہیں، اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے، ان سب کی پیداوار کھاؤ، جب وہ نکل آئے، اور اس میں جو حق ہے اس کو کاٹنے کے دن ادا کیا کرو، اور تم اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا (سورہ انعام)

مذکورہ آیت میں پیداوار کے جس حق کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگرچہ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد عشر کے علاوہ نفلی صدقہ ہے۔ [1]

---

[1] جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت زکاۃ والی آیت سے منسوخ ہے، کیونکہ مذکورہ آیت مکی ہے، اور زکاۃ کے حکم والی آیت مدنی ہے، اور سُدّی وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ یہ آیت عشر اور نصف عشر کے حکم سے منسوخ ہے۔

قوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده) اختلف الناس في تفسير هذا الحق، ما هو، فقال أنس بن مالك وابن عباس وطاوس والحسن وابن زيد وابن الحنفية والضحاك وسعيد بن المسيب :هي الزكاة المفروضة، العشر ونصف العشر .ورواه ابن وهب وابن القاسم عن مالك في تفسير الآية، وبه قال بعض أصحاب الشافعي .وحكى الزجاج أن هذه الآية قيل فيها إنها نزلت بالمدينة .وقال علي بن الحسين وعطاء والحكم وحماد وسعيد بن جبير ومجاهد :هو حق في المال سوى الزكاة، الله به ندبا .وروي عن ابن عمر ومحمد ابن الحنفية أيضا، ورواه أبو سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم .قال مجاهد :إذا حصدت فحضرك المساكين فاطرح لهم من السنبل، وإذا جذذت فألق لهم من الشماريخ، وإذا درسته ودسته وذريته فاطرح لهم منه، وإذا عرفت كيله فأخرج منه زكاته .وقول ثالث هو منسوخ بالزكاة، لأن هذه السورة مكية وآية الزكاة لم تنزل إلا بالمدينة ":خذ من أموالهم صدقة "، "وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة ."روي عن ابن عباس وابن الحنفية والحسن وعطية العوفي والنخعي وسعيد بن جبير .وقال سفيان :سألت السدي عن هذه الآية فقال .نسخها العشر ونصف العشر .فقلت عمن؟ فقال عن العلماء(تفسير القرطبي، ج۷ص۹۹، ۱۰۰، سورة الانعام)

تاہم بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس آیت میں پیداوار کے حق سے مراد عشر ہے۔ ۱؎

۱؎ (وهو الذى أنشأ) خلق (جنات) بساتين (معروشات) مبسوطات على الأرض كالبطيخ (وغير معروشات) بأن ارتفعت على ساق كالنخل (و) أنشأ (النخل والزرع مختلفا أكله) ثمره وحبه فى الهيئة والطعم (والزيتون والرمان متشابها) ورقهما حال (وغير متشابه) طعمهما (كلوا من ثمره إذا أثمر) قبل النضج (وآتوا حقه) زكاته (يوم حصاده) بالفتح والكسر من العشر أو نصفه (ولا تسرفوا) بإعطاء كله فلا يبقى لعيالكم شيء (إنه لا يحب المسرفين) المتجاوزين ما حد لهم(تفسير الجلالين ،سورة الانعام آیت ۱۴۱)

واختلفوا فى هذا الحق المأمور بإخراجه، فقال ابن عباس وأنس بن مالك :هو الزكاة المفروضة . وهذا قول طاوس والحسن وجابر بن زيد وسعيد بن المسيب ومحمد بن الحنفية وقتادة .قال قتادة فى قوله وآتوا حقه يوم حصاده أى من الصدقة المفروضة ذكر لنا أن نبى الله صلى الله عليه وسلم سن فيما سقت السماء والعين السائحة أو سقاه النيل والندى أو كان بعلا العشر كاملا وإن سقى بنضح أو سانية فنصف العشر وهذا فيما يكال من الثمرة أو الزرع وبلغ خمسة أوسق وذلك ثلاثمائة صاع فقد وجب فيها حق الزكاة وفى رواية عن ابن عباس فى قوله تعالى :وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصادِهِ قال هو العشر ونصف العشر.

فإن قلت على هذا التفسير إشكال وهو أن فرض الزكاة كان بالمدينة وهذه السورة مكية فكيف يمكن حمل قوله وآتوا يوم حصاده على الزكاة المفروضة، قلت :ذكر ابن الجوزى فى تفسيره عن ابن عباس وقتادة :إن هذه الآية نزلت بالمدينة فعلى هذا القول تكون الآية محكمة نزلت فى حكم الزكاة وإن قلنا إن هذه الآية مكية تكون منسوخة بآية الزكاة، لأنه قد روى عن ابن عباس أنه قال : نسخت آية الزكاة كل صدقة فى القرآن وقيل فى قوله تعالى :وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصادِهِ أنه حق سوى الزكاة فرض يوم الحصاد وهو إطعام من حضر وترك ما سقط من الزرع والثمر، وهذا قول على بن الحسن وعطاء ومجاهد وحماد .قال إبراهيم :هو الضغث، وقال الربيع :هو لقاط السنبل، وقال مجاهد :كانوا يجيئون بالعذق عند الصرام فيأكل منه من مر .وقال يزيد بن الأصم :كان أهل المدينة إذا صرموا النخل يجيئون بالعذق فيعلقونه فى جانب المسجد فيجىء المسكين فيضربه بعصاه فما سقط منه أكله فعلى هذا القول هل هذا الأمر أمر وجوب أو استحباب وندب فيه قولان:

أحدهما :أنه أمر وجوب فيكون منسوخا بآية الزكاة.

وبقوله صلى الله عليه وسلم فى حديث الأعرابى هل على غيرها قال إلا أن تطوع.

والقول الثانى :إنه أمر ندب واستحباب فتكون الآية محكمة، وقال سعيد بن جبير :كان هذا حقا يؤمر بإخراجه فى ابتداء الإسلام ثم صار منسوخا بإيجاب العشر، ولقول ابن عباس :نسخت آية الزكاة كل صدقة فى القرآن واختار هذا القول الطبرى وصححه واختار الواحدى والرازى القول الأول وصححاه.

فإن قلت :فعلى القول الأولى كيف تؤدى الزكاة يوم الحصاد والحب فى السنبل وإنما يجب الإخراج بعد التصفية والجفاف، قلت :معناه قدروا أداء إخراج الواجب منه يوم الحصاد فإنه قريب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے عشر مراد ہونے کو ترجیح دی ہے۔ ؎1

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من زمان التنقية والجفاف ولأن النخل يجب إخراج الحق منه يوم حصاده وهو الصرام والزرع محمول عليه إلا أنه لا يمكن إخراج الحق منه إلا بعد التصفية .وقيل معناه وآتوا حقه الذى وجب يوم حصاده بعد التصفية، وقيل :إن فائدة ذكر الحصاد أن الحق لا يجب بنفس الزرع وبلوغه إنما يجب يوم حصاده وحصوله فى يد مالكه لا فيما يتلف من الزرع قبل حصوله فى يد مالكه(تفسير الخازن، ج ۲ ص ۱۶۴ ، سورة الانعام)

؎1 تفسیر معارفُ القرآن میں اس آیت کے ضمن میں مذکور ہے کہ:

مراد اس صدقہ سے عام صدقہ خیرات ہے یا وہ صدقہ جو زمین کی زکاۃ یا عُشر کہلاتا ہے، اس میں ائمہ تفسیر صحابہ وتابعین کے دو قول ہیں، بعض حضرات نے پہلے قول کو اختیار فرمایا ہے اور وجہ یہ قرار دی ہے کہ یہ آیت مکی ہے، اور زکاۃ کا فریضہ ہجرتِ مدینہ طیبہ کے دو سال بعد عائد ہوا ہے، اس لئے یہاں حق سے مراد حق زکاۃُ الارض نہیں ہوسکتا، اور بعض حضرات نے اس آیت کو مدنی آیات میں شمار فرمایا، اور حق سے مراد زمین کی زکاۃ اور عُشر کو قرار دیا۔

اور امام تفسیر ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا ہے کہ آیت خواہ مکی ہو یا مدنی، دونوں صورتوں میں اس آیت سے زمین کی زکاۃ یعنی عشر مراد ہوسکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک وجوبِ زکاۃ کا اصل حکم مکہ میں نازل ہوچکا تھا، سورہ مزمل کی آیات زکاۃ کے حکم پر مشتمل ہیں، جو بالاتفاق مکی سورت ہے، البتہ مقدارِ زکاۃ اور نصاب کا تعیّن وغیرہ ہجرت کے بعد ہوا، اور اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حق عائد کیا گیا ہے، اس کی مقدار کا تعیّن اس میں مذکور نہیں، اس لئے بحقِ مقدار یہ آیت مجمل ہے، اور مکہ معظّمہ میں اس تعیینِ مقدار کی یہاں ضرورت بھی اس لئے نہ تھی کہ وہاں مسلمانوں کو یہ اطمینان حاصل نہ تھا کہ زمینوں اور باغوں کی پیداوار سہولت کے ساتھ حاصل کرسکیں، اس لئے اس زمانہ میں تو رواج وہی رہا جو پہلے سے نیک لوگوں میں چلا آتا تھا، کہ کھیتی کاٹنے یا پھل توڑنے کے وقت جو غریب غرباء وہاں جمع ہوجاتے ان کو کچھ دیدیتے تھے، کوئی خاص مقدار معیّن نہ تھی، اسلام سے پہلے دوسری امتوں میں بھی کھیتی اور پھلوں میں اس طرح کا صدقہ دینے کا رواج قرآن کریم کی آیت "انا بلوناهم كما بلونا اصحاب الجنة" میں مذکور ہے، ہجرت کے دو سال بعد جس طرح دوسرے اموال کے نصاب اور مقدارِ زکوٰۃ کی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی سے بیان فرمائیں، اسی طرح زمین کی زکوٰۃ کا حکم بھی مفصل بیان فرمایا، جو حضرت معاذ بن جبل اور ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے تمام کتب حدیث میں منقول ہے:

مَا سَقَتِ السَّمَآءُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ فَنِصْفُ الْعُشْرِ.

یعنی بارانی زمینوں میں جہاں آبپاشی کا کوئی سامان نہیں صرف بارش پر پیداوار کا مدار ہے، ان زمینوں کی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکاۃ نکالنا واجب ہے، اور جو زمینیں کنوؤں سے سیراب کی جاتی ہیں اُن کی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے (تفسیر معارف القرآن، سورہ انعام، آیت نمبر ۱۴۱)

وقوله تعالى :وآتوا حقه يوم حصاده قال ابن جرير :قال بعضهم هى الزكاة المفروضة، حدثنا عمرو، حدثنا عبد الصمد، حدثنا يزيد بن درهم، قال :سمعت أنس بن مالك يقول وآتوا حقه يوم حصاده قال :الزكاة المفروضة .

وقال على بن أبى طلحة عن ابن عباس وآتوا حقه يوم حصاده يعنى الزكاة المفروضة يوم يكال ويعلم كيله، وكذا قال سعيد بن المسيب .

وقال العوفى عن ابن عباس وآتوا حقه يوم حصاده وذلك أن الرجل كان إذا زرع، فكان يوم حصاده لم يخرج مما حصد شيئا فقال الله تعالى :وآتوا حقه يوم حصاده وذلك أن يعلم ما كيله وحقه فيخرج من كل عشرة واحدا، وما يلقط الناس من سنبله .

وقد روى الإمام أحمد وأبو داود فى سننه من حديث محمد بن إسحاق :حدثنى محمد بن يحيى بن حبان، عن عمه واسع بن حبان، عن جابر بن عبد الله، أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر من كل جاد عشرة أوسق من التمر بقنو يعلق فى المسجد للمساكين.

وهذا إسناد جيد قوى، وقال طاوس وأبو الشعثاء وقتادة والحسن والضحاك وابن جريج: هى الزكاة، وقال الحسن البصرى :هى الصدقة من الحب والثمار، وكذا قال ابن زيد بن أسلم، وقال آخرون :وهو حق آخر سوى الزكاة، وقال أشعث :عن محمد بن سيرين ونافع عن ابن عمر فى قوله وآتوا حقه يوم حصاده قال :كانوا يعطون شيئا سوى الزكاة رواه ابن مردويه وروى عبد الله بن المبارك وغيره عن عبد الملك بن أبى سليمان عن عطاء بن أبى رباح فى قوله وآتوا حقه يوم حصاده قال :يعطى من حضره يومئذ ما تيسر، وليس بالزكاة، وقال مجاهد :إذا حضرك المساكين طرحت لهم منه، وقال عبد الرزاق عن ابن عيينة عن ابن أبى نجيح عن مجاهد وآتوا حقه يوم حصاده قال :عند الزرع يعطى القبضة وعند الصرام يعطى القبضة، ويتركهم فيتبعون آثار الصرام، وقال الثورى :عن حماد عن إبراهيم النخعى قال :يعطى مثل الضغث، وقال ابن المبارك عن شريك عن سالم عن سعيد بن جبير وآتوا حقه يوم حصاده قال :كان هذا قبل الزكاة، للمساكين القبضة والضغث لعلف دابته، وفى حديث ابن لهيعة :عن دراج عن أبى الهيثم عن سعيد مرفوعا، وآتوا حقه يوم حصاده قال ما سقط من السنبل رواه ابن مردويه.

وقال آخرون :هذا شىء كان واجبا ثم نسخه الله بالعشر أو نصف العشر، حكاه ابن جرير عن ابن عباس ومحمد ابن الحنفية وإبراهيم النخعى والحسن والسدى وعطية العوفى وغيرهم، واختاره ابن جرير رحمه الله، قلت :وفى تسمية هذا نسخا نظر، لأنه قد كان شيئا واجبا فى الأصل ثم إنه فصل بيانه وبين مقدار المخرج وكميته، قالوا :وكان هذا فى السنة الثانية من الهجرة، فالله أعلم(تفسير ابنِ كثير، ج۳ص ۳۱۲، ۳۱۳، سورة الانعام)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ، وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٦٧)

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی کی پاکیزہ چیزوں میں سے، اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کیا ہے، اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو، اور تم خود نہیں لو گے اسے، مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں، اور جان لو کہ بے شک اللہ غنی ہے، حمید ہے (سورہ بقرہ)

بہت سے مفسرین نے اس آیت میں کمائی میں سے خرچ کرنے سے مراد مالِ نامی (یعنی نقدی ومالِ تجارت) کی زکاۃ اور زمین سے پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرنے سے مراد عشر لیا ہے۔ [1]

---

[1] (يـاأيها الذين ء امنوا أنفقوا) أى زكوا (من طيبات) جياد (ما كسبتم) من المال (ومن) طيبات (ما أخرجنا لكم من الارض) من الحبوب والثمار (تفسير الجلالين ، تحت آيت ٢٦٧، من سورة البقرة)

يـأمر تعالى عباده المؤمنين بالإنفاق -والمراد به الصدقة هاهنا، قاله ابن عباس -من طيبات ما رزقهم من الأموال التي اكتسبوها .قال مجاهد :يعنى التجارة بتيسيره إياها لهم .وقال على والسدى :(مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُم) يعنى :الذهب والفضة، ومن الثمار والزروع التى أنبتها لهم من الأرض .قال ابن عباس :أمرهم بالإنفاق من أطيب المال وأجوده وأنفسه، ونهاهم عن التصدق بِرُذَالَةِ المال ودَنيه -وهو خبيثه -فإن الله طَيِّب لا يقبل إلا طيبًا(تفسير ابنِ كثير ج ا ص ا ص٧٩٢، تحت آيت ٢٦٧، من سورة البقرة)

يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات أى جياد أو حلال ما كسبتم أى الذى كسبتموه أو كسبكم أى مكسوبكم من النقد وعروض التجارة والمواشى(تفسير الآلوسى، ج٢ ص٢٣٨ ، تحت رقم الآية ٢٦٧، من سورة البقرة)

وجوب الصدقة فى سائر الاموال حتى يقوم دليل الندب:وعموم هذه الآية يوجب الصدقة فى سائر الاموال، لان قوله تعالىٰ: "ماكسبتم" ينتظمها وان كان غير مكتف بنفسه فى المقدار الواجب فيها، فهو عموم فى اصناف الاموال، مجمل فى المقدار الواجب فيها، فهومفتقر الى البيان (احكام القرآن للتهانوى ج ا ص ٦٥٠، تحت آيت ٢٦٧، من سورة البقرة)

واستدل للوجوب أيضا بقوله تعالى أنفقوا من طيبات ما كسبتم الآية قال مجاهد نزلت فى التجارة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگرچہ مفسرین کے اس میں اور بھی اقوال ہیں۔
اور ایک قول کے مطابق زمین سے پیدا کی ہوئی چیز سے خرچ کرنے سے نفلی درجہ کا صدقہ مراد ہے۔ [1]

حضرت عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، فِيْ قَوْلِهِ سُبْحَانَهُ :وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال بن المنذر الإجماع قائم على وجوب الزكاة فى مال التجارة ،وممن قال بوجوبها الفقهاء السبعة ،قال لكن لا يكفر جاحدها للاختلاف فيها(عون المعبود،ج۴ص۲۹۷، ۲۹۸ ،كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة)

[1] وقد روى عن جماعة من السلف فى قوله تعالى :(أنفقوا من طيبات ما كسبتم) أنه من التجارات، منهم الحسن ومجاهد.

وعموم هذه الآية يوجب الصدقة فى سائر الأموال ;لأن قوله تعالى :(ما كسبتم) ينتظمها، وإن كان غير مكتف بنفسه فى المقدار الواجب فيها، فهو عموم فى أصناف الأموال مجمل فى المقدار الواجب فيها، فهو مفتقر إلى البيان ;ولما ورد البيان من النبى صلى الله عليه وسلم بذكر مقادير الواجبات فيها صح الاحتجاج بعمومها فى كل مال اختلفنا فى إيجاب الحق فيه، نحو أموال التجارة.

ويحتج بظاهر الآية على من ينفى إيجاب الزكاة فى العروض، ويحتج به أيضا فى إيجاب صدقة الخيل وفى كل ما اختلف فيه من الأموال، وذلك ;لأن قوله تعالى :(أنفقوا) المراد به الصدقة، والدليل عليه قوله تعالى :(ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون) يعنى :تتصدقون .ولم يختلف السلف والخلف فى أن المراد به الصدقة .ومن أهل العلم من قال :إن هذا فى صدقة التطوع ;لأن الفرض إذا أخرج عنه الردىء كان الفضل باقيا فى ذمته حتى يؤدى .وهذا عندنا يوجب صرف اللفظ عن الوجوب إلى النفل من وجوه:

أحدها أن قوله :(أنفقوا) أمر والأمر عندنا على الوجوب حتى تقوم دلالة الندب، وقوله :(ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون) لا دلالة فيها على أنه ندب ;إذ لا يختص النهى عن إخراج الردىء بالنفل دون الفرض، وأن يجب عليه إخراج فضل ما بين الردىء إلى الجيد ;لأنه لا ذكر له فى الآية، وإنما يعلم ذلك بدلالة أخرى، فلا يعترض ذلك على مقتضى الآية فى إيجاب الصدقة .ومع ذلك لو دلت الدلالة من الآية على أنه ليس عليه إخراج غير الردىء الذى أخرجه، لم يوجب ذلك صرف حكم الآية عن الإيجاب إلى الندب ;لأنه جائز أن يبتدء الخطاب بالإيجاب ثم يعطف عليه بحكم مخصوص فى بعض ما اقتضاه عمومه، ولا يوجب ذلك الاقتصار بحكم ابتداء الخطاب على الخصوص وصرفه عن العموم ;ولذلك نظائر كثيرة قد بيناها فى مواضع (احكام القرآن للجصاص ،ج ا ص۵۵۴،۵۵۵، تحت رقم الآية ۲۶۷، من سورة البقرة)

الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ،قَالَ:نَزَلَتْ فِي الْأَنْصَارِ، كَانَتِ الْأَنْصَارُ تُخْرِجُ، إِذَا كَانَ جِدَادُ النَّخْلِ مِنْ حِيطَانِهَا أَقْنَاءَ الْبُسْرِ، فَيُعَلِّقُونَهُ عَلٰى حَبْلٍ بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ، فَيَعْمِدُ أَحَدُهُمْ فَيُدْخِلُ قِنْوَ الْحَشَفِ، يَظُنُّ أَنَّهُ جَائِزٌ فِيْ كَثْرَةِ مَا يُوْضَعُ مِنَ الْأَقْنَاءِ، فَنَزَلَ فِيْمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ:وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ، يَقُوْلُ:لَا تَعْمِدُوْا لِلْحَشَفِ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ،وَلَسْتُمْ بِآخِذِيْهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ، يَقُوْلُ:لَوْ أُهْدِيَ لَكُمْ مَا قَبِلْتُمُوْهُ إِلَّا عَلٰى اِسْتِحْيَاءٍ مِنْ صَاحِبِهٖ، غَيْظًا أَنَّهُ بَعَثَ إِلَيْكُمْ مَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِيْهِ حَاجَةٌ، وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْ صَدَقَاتِكُمْ (سنن ابنِ ماجه) [1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قول:

”وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ،وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ“

(یعنی خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں اوراس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کیا ہے،اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو)

کے متعلق فرمایا کہ یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی،انصار جب کھجور کی کٹائی کا وقت آتا تو اپنے باغوں سے کھجور کے خوشے توڑ کر مسجد نبوی میں دوستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لٹکا دیتے،اسے فقرائے مہاجرین کھا لیتے،تو کوئی ایسا بھی کر دیتا کہ ان میں ردی کھجور کا خوشہ ملا دیتا اور یہ سمجھتا کہ اتنے بہت سے خوشوں میں یہ بھی جائز ہے،تو ایسا کرنے والوں سے متعلق یہ آیت کہ:

[1] رقم الحديث ۱۸۲۲، كتاب الزكاة، باب النهى أن يخرج فى الصدقة شر ماله.

قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن(حاشية ابنِ ماجه)

”وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ“
(یعنی اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو)

نازل ہوئی، اللہ نے یہ فرمایا کہ تم جو خرچ کرتے ہو، اس کے ساتھ ردی مال نہ ملاؤ، اور اگر تمہیں اس طرح کا ردی مال کوئی دے، تو تم اسے نہیں لوگے، مگر یہ کہ کوئی چشم پوشی سے کام لے، اللہ نے یہ فرمایا کہ اگر تمہیں اس ردی مال کا ہدیہ دیا جائے، تو تم اس کو قبول نہیں کرو گے، مگر یہ کہ اس لینے والے سے شرما کر کوئی قبول کرلے، اور اس پر ناگواری بھی ہوگی کہ اس نے تمہیں ایسی چیز بھیجی، جس کی تمہیں کوئی حاجت نہیں، اور جان لو کہ بے شک اللہ تمہارے صدقات سے غنی و بے نیاز ہے (ابنِ ماجہ)

بعض روایات میں اس طرح کا واقعہ صدقۂ فطر کے متعلق مذکور ہے۔ [1]

اس کے علاوہ احادیث میں بھی عشر کا نہ صرف یہ کہ ذکر آیا ہے، بلکہ عشر میں ادا کی جانے والی مقدار کا بھی ذکر آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، جس سے زمین کی پیداوار میں عشر کا ثبوت ہوتا ہے۔

اور عشر کے حکم پر امت کا اجماع بھی ہے۔

عشر واجب ہے، لیکن اس کے واجب ہونے کی کچھ شرائط ہیں، جن میں فقہائے کرام کا کچھ اختلاف بھی ہے۔

آگے عشر واجب ہونے کی شرائط اور ان کے متعلقہ احکام کی فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں الگ الگ فصلوں کے تحت تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

---

[1] عن جابر رضی الله عنه، قال " :أمر النبی صلى الله عليه وسلم بزكاة الفطر، بصاع من تمر، فجاء رجل بتمر ردیء ، فقال النبی صلى الله عليه وسلم لعبد الله بن رواحة :لا تخرص هذا التمر فنزل القرآن :(يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون)(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۱۲۲)

قال الحاكم:هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه .

وقال الذهبي في التلخيص:على شرط مسلم.

(فصل نمبر۲)

عشر کے نصاب کے احکام

(عشر واجب ہونے کا نصاب اور اس کے احکام)

اس فصل کے تحت عشر کے نصاب کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

عشر کے نصاب کے متعلق فقہی اختلاف اور اس کے دلائل

زمین کی پیداوار یا فصل میں عشر واجب ہونے کا کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ یعنی سونے، چاندی وغیرہ کی زکاۃ کی طرح زمین کی پیداوار یا فصل کی بھی کوئی ایسی مخصوص مقدار مقرر ہے یا نہیں کہ جس سے کم پر عشر واجب نہ ہو، بلکہ اتنی یا اس سے زیادہ مقدار پر ہی واجب ہو؟ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی پیداوار میں عشر واجب ہونے کے لئے اس پیداوار یا فصل کی کوئی مخصوص مقدار یا نصاب مقرر نہیں، اور پیداوار یا فصل تھوڑی ہو یا زیادہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سب کا عُشر ادا کرنا واجب ہے۔

اور حضرت مجاہد وحضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے۔

جبکہ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر تمام فقہائے کرام، مثلاً صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردانِ رشید امام ابویوسف اور امام محمد اور دیگر جمہور فقہائے کرام (یعنی امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک) اور محدثین کے نزدیک زمین کی پیداوار یا فصل میں عشر واجب ہونے کے لئے پانچ وسق (تقریباً پچیس من) کی مقدار مقرر ہے، اس

سے کم مقدار میں ان حضراتِ گرامی کے نزدیک عشر واجب نہیں۔ [1]

صاحبین و جمہور کا قول اور اس کے دلائل

اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردانِ رشید امام ابو یوسف اور امام محمد سمیت جمہور فقہائے کرام (یعنی امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک) اور محدثینِ عظام کے نزدیک زمین کی پیداوار یا فصل میں عشر واجب ہونے کے لئے پانچ وسق کی مقدار مقرر ہے، اس سے کم مقدار میں عشر واجب نہیں۔ [2]

جمہور فقہائے کرام نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، آگے وہ ذکر کیے جاتے ہیں۔

---

[1] أجمع الفقهاء على أن التمر مما تجب فيه الزكاة، واختلفوا فی نصابه، فذهب المالكية والشافعية، والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد من الحنفية وسائر أهل العلم إلى أن النصاب معتبر فی التمر كغيره من الثمار، وهو خمسة أوسق، وقال مجاهد وأبو حنيفة ومن تابعه :تجب الزكاة فی قليل ذلک وكثيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۷، مادة "تمر")

اختلف الفقهاء فی اعتبار النصاب فی زكاة الثمار:

فذهب المالكية والشافعية والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد بن الحسن صاحبا أبی حنيفة إلى اعتبار النصاب في وجوب الزكاة فی الثمار،وهو عندهم خمسة أوسق، فلا تجب الزكاة فيما دونها .ومما استدلوا به قول النبی صلى الله عليه وسلم :ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة .

وذهب أبو حنيفة إلى عدم اعتبار النصاب فی وجوب الزكاة فتجب الزكاة عنده فی كثير الخارج وقليله .

ومما استدل به عموم قوله تعالى :(أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۲، مادة "ثمار")

عن خصيف ، عن مجاهد ، قال :فيما أخرجت الأرض فيما قل منه ، أو كثر العشر ، أو نصف العشر (مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۲۳، كتاب الزكاة، باب فی كل شیئ اخرجت الارض زكاة)

عبد الرزاق عن معمر عن سماک بن الفضل قال كتب عمر بن عبد العزيز أن يؤخذ مما أنبتت الأرض من قليل أو كثير العشر (مصنف عبد الرزاق،رقم الحديث ۷۱۹۶،باب الخضر)

[2] قلت والحنطة والشعير والزبيب والذرة والسمسم والأرز وجميع الحبوب ففيه العشر قال نعم وهذا قول أبی حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا يكون فی شیء من هذا عشر حتى يبلغ خمسة أوسق والوسق ستون صاعا مما يكون له ثمرة باقية وأما الخضر فلا عشر فيها(الأصل المعروف بالمبسوط ، ج۲، ص۱۴۲، كتاب الزكاة، باب الذهب و الفضة و الركاز و المعدن الرصاص و النحاس و الحديد و الجواهر و غير ذلک)

(۱)......صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور کی پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) سے کم مقدار میں صدقہ نہیں ہے، اور نہ ہی پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ) چاندی سے کم میں صدقہ ہے، اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے (بخاری)

اس حدیث میں جس طرح چاندی کی زکاۃ کے نصاب کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح سے اونٹوں کی زکاۃ کے نصاب کی مقدار کو بھی بیان کیا گیا ہے، اور اسی طرح کھجور کے نصاب کی مقدار کو بھی بیان کیا گیا ہے، جس سے مراد ان حضرات کے نزدیک عشر ہی ہے، جس کو زمین کی پیداوار کی زکاۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں الگ الگ اجناس کی زکاۃ کا بیان ہے، اور ان سب کی زکاۃ کو صدقہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا راجح معلوم نہیں ہوتا کہ پانچ وسق میں صدقہ واجب نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ مالِ تجارت والی اس کھجور وغیرہ میں زکاۃ واجب نہیں کہ جس کی مالیت دوسو درہم سے کم ہو۔

اور مدینہ منورہ میں اس وقت چونکہ کھجوروں کی پیداوار زیادہ اور عام تھی، اس لئے مذکورہ حدیث میں کھجوروں کا ذکر کر دیا گیا ہے، ورنہ کھجوروں کے علاوہ دوسرے غلہ جات کا بھی یہی حکم ہے، جس کی وضاحت دوسری احادیث وروایات میں آئی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ١٤٥٩، كتاب الزكاة، باب: ليس فيما دون خمس ذود صدقة.

[۲] (ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة وليس فيما دون خمس أواق) كجوار (من الورق) بكسر الراء الفضة (صدقة وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة) وهذا موضع الترجمة والحديث دليل على سقوط الزكاة فيما دون هذه المقادير من هذه الأعيان المذكورة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... صحیح بخاری میں ہی ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ مِّنَ الْإِبِلِ الذَّوْدِ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ (بخاری) ؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) کی مقدار سے کم (زراعت) میں صدقہ واجب نہیں، اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ واجب ہے، اور نہ ہی پانچ اوقیہ (یعنی ساڑھے باون تولہ) سے کم چاندی میں صدقہ واجب ہے (بخاری)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

خلافا لأبی حنیفة فی زکاة الحرث، وتعلق الزکاة فی کل قلیل وکثیر منه واستدل له بقوله -صلی الله علیه وسلم -فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بنضح أو دالیة نصف العشر وهذا عام فی القلیل والکثیر .وأجیب :بأن المقصود من الحدیث بیان قدر المخرج لا بیان المخرج منه قاله ابن دقیق العید(ارشاد الساری للقسطلانی، ج۳ص۴۸،۴۹، کتاب الزکاة، باب :لیس فیما دون خمس ذود صدقة)

وهو قول مالک، والثوری، والأوزاعی، واللیث، وأبی یوسف، ومحمد، والشافعی، وأحمد، وإسحاق، وأبی ثور.

قال ابن بطال :وقول أبی حنیفة خلاف السنة والعلماء، قال :وقد تناقض فیها؛ لأنه استعمل المجمل والمفسر فی قوله -صلی الله علیه وسلم " :-فی الرقة ربع العشر "مع قوله" :لیس فیما دون خمس أواق صدقة "ولم یستعمله فی الباب مع ما بعده .وکان یلزمه القول به.

قلت :وفی حدیث جابر " :لا زکاة فی شیء من الحرث حتی یبلغ خمسة أوسق، فإذا بلغها ففیه الزکاة "ذکره ابن التین، وقال :هی زیادة من ثقة فقبلت .وفی مسلم من حدیث جابر " :ولیس فیما دون خمسة أوساق من التمر صدقة"

وفی روایة له من حدیث أبی سعید" :لیس فیما دون خمسة أوساق من تمر، ولا حب صدقة."

وفی روایة" :لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة أوسق"وأیضا حدیث الباب بیان للقدر المأخوذ دون المأخوذ منه(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن، ج۱۰ ص۵۵۷،۵۵۸، کتاب الزکاة، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء وبالماء الجاری)

؎ رقم الحدیث ۱۴۸۴، کتاب الزکاة.باب :لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة.

اس روایت میں کھجور کی قید نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی جس پیداوار پر عشر واجب ہے، اس میں نصاب کی یہی مقدار مقرر ہے، خواہ وہ کھجور ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور عشر واجب ہونے والی فصل ہو۔ [1]

(۳)...... اور ابنِ حبان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ فِي الْبُرِّ وَالتَّمْرِ زَكَاةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَلَا يَحِلُّ فِي الْوَرِقِ زَكَاةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَ أَوَاقٍ، وَلَا يَحِلُّ فِي الْإِبِلِ زَكَاةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَ ذَوْدٍ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣٢٧٦، كتاب الزكاة، باب العشر) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گندم اور کھجور میں زکاۃ (یعنی عشر) اس وقت تک واجب نہیں، جب تک کہ اس کی مقدار پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) کو نہ پہنچ جائے، اور چاندی میں زکاۃ اس وقت تک واجب نہیں، جب تک کہ اس کی مقدار پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ چاندی) کو نہ پہنچ جائے، اور (سائمہ) اونٹوں میں زکاۃ اس وقت تک واجب نہیں، جب تک کہ ان کی مقدار پانچ کی تعداد کو نہ پہنچ جائے (ابنِ حبان)

اس روایت میں کھجور کے ساتھ گندم کا بھی ذکر ہے، اور اس روایت میں صدقہ کے بجائے زکاۃ کے الفاظ ہیں، کیونکہ عشر، دراصل کھجور اور گندم وغیرہ کی زکاۃ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ پانچ وسق کی مقدار سے مقصود غلہ کے عشر کے نصاب کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] الفصل الثالث: فيه بيان زكاة الزروع والثمار، واستدل الشافعي، وأبو يوسف، ومحمد بهذا الحديث "إن ما أخرجته الأرض إذا بلغ خمسة أوسق يجب فيها الصدقة، وهي العشر" (شرح سنن أبي داود للعيني، ج٦ ص ٢١٤، كتاب الزكاة، باب: ما يجب فيه الزكاة)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرطهما (حاشية ابنِ حبان)

(۴)...... صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسَاقٍ مِّنْ تَمْرٍ، وَلَا حَبٍّ صَدَقَةٌ (مسلم، رقم الحديث ۹۷۹ "۴" كتاب الزكاة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) سے کم کھجور میں اور پانچ وسق سے کم دانہ (یعنی گندم، یا مکئی وغیرہ) میں صدقہ (یعنی عشر واجب) نہیں (مسلم)

اس روایت میں کھجور کے ساتھ دانے کا ذکر ہے، جس میں گندم اور مکئی وغیرہ جیسی اجناس داخل ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی پیداوار اور فصل کے عشر کا نصاب پانچ وسق ہے، خواہ وہ کھجور ہو، یا گندم وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

(۵)...... اور سنن دار قطنی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُؤْخَذُ الصَّدَقَةُ مِنَ الْحَرْثِ حَتّٰى يَبْلُغَ حِصَادُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھیتی سے صدقہ (یعنی عشر) اس وقت تک نہیں لیا جائے گا، جب تک پیداوار (غلہ) پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) کی مقدار کو نہ پہنچ جائے (دار قطنی)

اس روایت میں ''حرث'' یعنی کھیتی کی صراحت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں کھیتی اور فصل کے عشر کے نصاب کو بیان کرنا مقصود ہے۔

اور اس روایت میں صدقہ یعنی عشر نہ لئے جانے کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے عشر اور زکاۃ وغیرہ کی وصولی کے لئے جو عامل و نمائندہ مقرر ہوتا ہے،

---

[1] رقم الحديث ۱۹۲۳، كتاب الزكاة، باب: ليس في الخضراوات صدقة.

وہ پانچ وسق سے کم میں عشر وصول نہیں کرے گا، کیونکہ پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہیں، جیسا کہ گزشتہ دیگر روایات میں صراحت اور وضاحت گزری۔

(۶)...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اپنی سنن ترمذی میں روایت کیا ہے، اور انہوں نے اس باب میں پانچ وسق سے کم میں صدقہ وعشر واجب نہ ہونے پر حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابنِ عمر، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی احادیث مروی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ [1]

(۷)...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی ''مؤطا'' میں بھی روایت کیا ہے، جس کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم اسی حدیث کو لیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پانچ وسق سے کم مقدار کھجور وغیرہ میں عشر واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمانا یہ ہے کہ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں عشر واجب ہے۔ [2]

(۸)...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَدَقَةَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوَاقٍ، وَلَا فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، وَلَا فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ ذَوْدٍ

---

[1] حدثنا قتيبة قال :حدثنا عبد العزيز بن محمد، عن عمرو بن يحيى المازنى، عن أبيه، عن أبى سعيد الخدرى، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ليس فيما دون خمس ذود صدقة، وليس فيما دون خمس أواق صدقة، وليس فيما دون خمسة أوسق صدقة. وفى الباب عن أبى هريرة، وابن عمر، وجابر، وعبد الله بن عمرو(سنن الترمذى، رقم الحديث ٦٢٦)

[2] أخبرنا مالک، أخبرنا محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن بن أبى صعصعة، عن أبيه، عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، وليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة ،قال محمد :وبهذا نأخذ، وكان أبو حنيفة يأخذ بذلک إلا فى خصلة واحدة، فإنه، كان يقول :فيما أخرجت الأرض العشر من قليل أو كثير إن كانت تشرب سيحا أو تسقيها السماء ، وإن كانت تشرب بغرب أو دالية فنصف عشر(مؤطا امام محمد، رقم الحديث ٣٢٥)

(مسند أحمد، رقم الحديث ١٤١٦٢)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولے) چاندی سے کم میں صدقہ (یعنی زکاۃ) واجب نہیں، اور پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) سے کم (فصل میں) صدقہ (یعنی عشر) واجب نہیں، اور (سائمہ) اونٹوں میں پانچ سے کم تعداد میں صدقہ (یعنی زکاۃ) واجب نہیں (مسند احمد)

اس حدیث میں بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی گزشتہ احادیث وروایات کی طرح زمین کی پیداوار کی زکاۃ یعنی عشر کے نصاب کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے، جس طریقہ سے چاندی اور سائمہ اونٹوں کی زکاۃ کے نصاب کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے، پس جس طرح سے چاندی اور سائمہ اونٹوں کے مخصوص ومتعین نصاب سے کم ہونے کی صورت میں ان کی زکاۃ واجب نہیں، اسی طرح سے پیداوار کے نصاب سے کم ہونے کی صورت میں عشر بھی واجب نہیں۔[2]

(۹)...... مستدرک حاکم، سنن بیہقی اور صحیح ابنِ خزیمہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لانقطاعه (حاشية مسند احمد)

[2] حديث الأوساق حديث صحيح ورد لبيان القدر الذى تجب فيه الزكاة كما ورد حديث مائتى الدرهم لبيان ذلك مع ورود فى الرقة ربع العشر ولم يقل أحد: إنه يجب فى قليل الفضة وكثيرها الزكاة، وإنما الخلاف هل يجب فى القليل منها إذا كانت قد بلغت النصاب كما عرفت وذلك؛ لأنه لم يرد حديث فى الرقة ربع العشر إلا لبيان أن هذا الجنس تجب فيه الزكاة وأما قدر ما يجب فيه فموكول إلى حديث التبين له بمائتى درهم فكذا هنا قوله فيما سقت السماء العشر أى فى هذا الجنس يجب العشر وأما بيان ما يجب فيه فموكول إلى حديث الأوساق وزاده إيضاحا قوله فى الحديث: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة كأنه ما ورد إلا لدفع ما يتوهم من عموم فيما سقت السماء ربع العشر كما ورد ذلك فى قوله: وليس فيما دون خمسة أواقى من الورق صدقة ثم إذا تعارض العام والخاص كان العمل بالخاص عند جهل التاريخ كما هنا فإنه أظهر الأقوال فى الأصول (سبل السلام، لمحمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسنى، الكحلانى ثم الصنعانى، ج ١، ص ٥٢٩، كتاب الزكاة، تعجيل الزكاة قبل مجىء وقتها)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ زَكَاةٌ فِيْ كَرْمِهٖ، وَلَا فِيْ زَرْعِهٖ إِذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی پر اس کے انگور (یعنی کشمش) میں اور اس کی فصل میں زکاۃ (یعنی عشر) واجب نہیں، جب کہ اس کی مقدار پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) سے کم ہو (حاکم)

اس حدیث میں انگور اور فصل میں زکاۃ یعنی عشر کو پانچ وسق سے کم میں واجب قرار نہیں دیا گیا، انگور کا تعلق، پھل سے ہے، جس سے معلوم ہوا کہ فصل کی طرح جس پھل میں عشر واجب ہے، اس کے نصاب کی مقدار بھی پانچ وسق ہے۔

(۱۰)...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے، جس میں ایک وسق کے ساٹھ صاع ہونے کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا زَكَاةَ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْحَرْثِ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسَاقٍ فَإِذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسَاقٍ فَفِيْهِ الزَّكَاةُ وَالْوَسَقُ سِتُّوْنَ صَاعًا (سنن الدارقطنی) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ کسی بھی کھیتی میں زکاۃ نہیں ہے، جب تک کہ اس کی مقدار پانچ وسق (یعنی تقریباً پچیس من) نہ ہو جائے، پس جب پانچ وسق مقدار ہو جائے، تو اس میں زکاۃ ہے، اور ایک

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۶۰، کتاب الزکاۃ، سنن البیہقی، رقم الحدیث ۷۴۷۲، صحیح ابنِ خزیمۃ، رقم الحدیث ۲۳۰۴.

قال الحاکم: ہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم، ولم یخرجاہ.

[2] رقم الحدیث ۱۹۲۲، کتاب الزکاۃ، باب: لیس فی الخضراوات صدقۃ.

وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے (دارقطنی)

اس روایت میں کسی بھی کھیتی میں پانچ وسق سے کم مقدار میں زکاۃ یعنی عشر واجب نہ ہونے کی صراحت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کھیتی میں عشر کا نصاب پانچ وسق ہے۔

(۱۱)......حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا صَدَقَۃَ فِی الزَّرْعِ وَلَا فِی الْکَرْمِ وَلَا فِی النَّخْلِ إِلَّا إِذَا بَلَغَ خَمْسَۃَ أَوْسُقٍ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھیتی میں اور انگور (وکشمش) میں اور کھجور میں صدقہ نہیں ہے، مگر جب کہ پانچ وسق (یعنی تقریباً پچیس من) کو پہنچ جائے (دارقطنی، ابوعوانہ، بیہقی)

اس حدیث میں کھیتی، انگور اور کھجور، ان سب چیزوں کی قید لگا کر پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہ ہونے کا ذکر ہے، جبکہ دیگر کئی احادیث وروایات میں زکاۃ نہ ہونے کا ذکر ہے، اور صدقہ کا لفظ ہو یا زکاۃ کا، مراد عشر ہی ہے۔

(۱۲)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ أَوْسُقٍ صَدَقَۃٌ، وَلَا فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَۃٌ، وَلَا فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَۃٌ (مسند احمد، رقم الحدیث ٩٢٢١) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٩٠٦، كتاب الزكاة، باب ما يجب فيه الزكاة من الحب، مستخرج ابى عوانة، رقم الحديث ٢٦٦١، سنن البيهقى، رقم الحديث ٧٤٧١.
قال البوصيرى: وعن جابر وأبى سعيد الخدرى -رضى الله عنهما -قالا :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-لا صدقة فى الزرع،، ولا فى الكرم، ولا فى النخل إلا ما بلغ خمسة أوسق، وذلك مائة فرق ."رواه أبويعلى، ورجاله ثقات(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للبوصيرى، رقم الحديث ٢٠٦٣)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، على بن إسحاق روى له الترمذى وهو ثقة، ومن فوقه من رجال الصحيح(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) سے کم (فصل میں) صدقہ (یعنی عشر) واجب نہیں، اور پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ) چاندی سے کم میں صدقہ (یعنی زکاۃ) واجب نہیں، اور (سائمہ) اونٹوں میں پانچ سے کم تعداد میں صدقہ (یعنی زکاۃ) واجب نہیں (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث بھی، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی احادیث کے مطابق ہے، جن میں عشر کا نصاب پانچ وسق مقرر کیا گیا ہے۔

(۱۳)...... حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسٍ مِّنَ الْإِبِلِ، وَلَا خَمْسِ أَوَاقٍ، وَلَا خَمْسَةِ أَوْسَاقٍ صَدَقَةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ٥٦٧٠) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (سائمہ) اونٹوں میں پانچ سے کم

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف ليث -وهو ابن أبي سليم-، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين.
وأخرجه البزار (٨٨٨) من طريق عبيد الله بن موسى، والطحاوي ٣٥/٢ من طريق الحسن بن موسى، كلاهما عن شيبان النحوي، بهذا الإسناد.
وأخرجه الطحاوي ٣٥/٢، والطبراني في "الأوسط" (٦٩٧) من طريق عبد الوارث بن سعيد، عن ليث بن أبي سليم، به.
وأخرجه يحيى بن آدم في "الخلا" (٤٤٤) ومن طريقه البيهقي ١٢١/٤ عن عبد السلام بن حرب، عن ليث بن أبي سليم، به .ولم يذكر فيه الإبل ولا الأواقي.
وأخرجه البزار (٨٨٧) (زوائد) من طريق المحاربي عبد الرحمن بن محمد، عن نافع، به .لم يذكر فيه الإبل، والمحاربي حسن الحديث.
وأخرجه موقوفاً الطحاوي ٣٥/٢ من طريق محمد بن كثير -وهو الصنعاني نزيل المصيصة-، عن الأوزاعي، عن أيوب بن موسى، عن نافع، عن ابن عمر .ولم يسق لفظه، وهذا إسناد ضعيف لضعف محمد بن كثير الصنعاني.وأنظر ما سلف برقم (٤٦٣٢).
وله شاهد عن أبي سعيد الخدري، سيرد ٦/٣، وهو متفق عليه.
وعن أبي هريرة، سيرد ٤٠٢/٢ وعن جابر، سيرد ٢٩٦/٣.

تعداد میں اور پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ) چاندی سے کم مقدار میں، اور پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) سے کم (فصل میں) صدقہ (یعنی زکاۃ وعشر) واجب نہیں (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث بھی گزشتہ احادیث کی طرح عشر کا نصاب، پانچ وسق (یعنی تقریباً پچیس من) مقرر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۴)......حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ بِكِتَابٍ، فِيْهِ الْفَرَائِضُ وَالسُّنَنُ،فَكَتَبَ فِيْهِ مَا سَقَتِ السَّمَآءُ أَوْ كَانَ سَحًّا،أَوْ بَعْلًا فِيْهِ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ،وَمَا سُقِيَ بِالرِّشَاءِ أَوْ بِالدَّالِيَةِ، فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ إِذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ(شرح معانی الآثار) [1]

---

[1] رقم الحديث ٣٠٨٤، كتاب الزكاة،باب زكاة ما يخرج من الأرض،صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٦٥٥٩، كتاب التاريخ، باب كتب النبى صلى الله عليه وسلم ، ذكر كتبة المصطفى صلى الله عليه وسلم كتابه إلى أهل اليمن، مستدرک حاكم، رقم الحديث ١٤٤٧ .

قال الحاكم:هذا حديث صحيح كبير مفسر فى هذا الباب يشهد له أمير المؤمنين عمر بن عبد العزيز، وأقام العلماء فى عصره محمد بن مسلم الزهرى بالصحة كما تقدم ذكرى له، وسليمان بن داود الدمشقى الخولانى معروف بالزهرى، وإن كان يحيى بن معين غمزه فقد عدله غيره "كما أخبرنيه أبو أحمد الحسين بن على، ثنا عبد الرحمن بن أبى حاتم، قال :سمعت أبى وسئل عن حديث عمرو بن حزم فى كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى كتبه له فى الصدقات، فقال : سليمان بن داود الخولانى عندنا ممن لا بأس به، قال أبو محمد بن أبى حاتم :وسمعت أبا زرعة يقول ذلك قال الحاكم :قد بذلت ما أدى إليه الاجتهاد فى إخراج هذه الأحاديث المفسرة الملخصة فى الزكاة، ولا يستغنى هذا الكتاب عن شرحها، واستدللت على صحتها بالأسانيد الصحيحة عن الخلفاء والتابعين بقبولها واستعمالها بما فيه غنية لمن أناطها، وقد كان إمامنا شعبة يقول فى حديث عقبة بن عامر الجهنى فى الوضوء لأن يصح لى مثل هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أحب إلى من نفسى ومالى وأهلى، وذاک حديث فى صلاة التطوع فكيف بهذه السنن التى هى قواعد الإسلام، والله الموفق وهو حسبى ونعم الوكيل (حاكم)

وقال الالبانى: صحيح لغيره (حاشية ابن حبان)

وقال شعيب الارنؤوط: يشهد له حديث ابن عمر عند البخارى (١٤٨٣)والترمذى (٦٤٠)وأبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کی طرف ایک مکتوب لکھا، جس میں فرائض اور سنتوں کا ذکر تھا، پھر اس میں یہ تحریر فرمایا کہ جس فصل کو بارش سیراب کرے، یا وہ چشمہ یا نہر کے کنارے واقع ہو (جس کی وجہ سے اس کو خود سے پانی نہ لگانا پڑتا ہو) تو اس میں عشر (یعنی دسواں حصہ) واجب ہے، جبکہ وہ پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) کو پہنچ جائے، اور جس فصل کو رسی سے (پانی) کھینچ کر یا ڈول سے (پانی ڈال کر) سیراب کیا جائے، تو اس میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) واجب ہے، جبکہ وہ پانچ وسق (یعنی تقریباً 25 من) کو پہنچ جائے

(شرح معانی الآثار، ابنِ حبان، حاکم)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث، عشر کے نصاب کے پانچ وسق مقرر و متعین ہونے میں صریح ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ گرامی کے حوالہ سے یہ صراحت بھی ہے کہ خواہ کسی فصل میں عشر واجب ہو یا نصف عشر واجب ہو، بہرحال اس کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

داود (۱۵۹۶) والنسائی ۵/۴۱، ولفظه " :فیما سقت السماء والعيون أو كان عَثَرِيّاً العُشُرُ، وما سُقِيَ بالنَّضْح نصف العشر ."وقد تقدم عند المؤلف برقم(۳۲۸۵)و(۳۲۸۶)و(۳۲۸۷)

وحديث جابر بن عبد الله عند مسلم (۹۸۱) وأبی داود(۱۵۹۷)والنسائی ۵/۴۲ وحديث معاذ بن جبل عند النسائی۵/۴۲، وحديث أبی هريرة عند الترمذی (۶۳۹)

وحديث أبی سعيد الخدری " :ليس فی حب ولا تمر دون خمسة أوسق صدقة ."وقد تقدم عند المؤلف برقم(۳۲۷۵) و(۳۲۷۶) و(۳۲۷۷) و(۳۲۸۱) و(۳۲۸۲)(حاشية ابن حبان)

وقال الالبانی ایضاً : وأما حديث عمرو بن حزم ,فيرويه أبو بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن , وكتب فيه " :ما سقت السماء أو كان سيحا أو بعلا فيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق ,وما سقی بالرشاء أو بالدالية ففيه نصف العشر إذا بلغ خمسة أوسق ."

أخرجه الطحاوی (۱/۳۱۵)والحاكم (۱/۳۹۵-۳۹۷)وصححه و وافقه الذهبی وفی "فيض البارى "للشيخ الكشميرى الحنفی(۳/۴۶) " وإسناده قوی "وفی ذلك نظر بينه الحافظ فی " التهذيب "وفيه زيادة عزيزة ليست فی شیء من الطرق الأخرى ,ولكن لها شواهد تقويه ,ويأتی بعضها قريبا (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۷۹۹، باب زكاة الخارج من الأرض)

نصاب پانچ وسق ہی مقرر ہے۔

ملحوظ رہے کہ عشر کے نصاب کے پانچ وسق مقرر ہونے کی احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمرو بن شعیب، حضرت ابو رافع، حضرت انس رضی اللہ عنہم اور بعض دیگر حضرات کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [۱]

---

[۱] (۱)...... حدثنا محمد بن هشام المستملي قال :نا عبد الله بن عمر بن أبان قال : نا صالح بن موسى الطلحى، عن منصور بن المعتمر، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة، قالت :جرت السنة من نبى الله صلى الله عليه وسلم بصداق النساء اثنتى عشرة أوقية، والأوقية أربعون درهما، وذلك ثمانون وأربع مئة، وجرت السنة من نبى الله صلى الله عليه وسلم فى غسل الجنابة صاع، والصاع ثمانية أرطال، والوضوء بمد، والمد رطلان، وجرت السنة منه فى العشر أنه ليس فى دون خمس أوسق زكاة، والوسق ستون صاعا بهذا الصاع، فذلك ثلاث مئة صاع .لم يرو هذا الحديث عن منصور بن موسى (المعجم الأوسط للطبرانى، رقم الحديث ۵۱۲۳)

(۲)...... حدثنا عثمان بن أحمد الدقاق ,ثنا محمد بن الفضل بن سلمة ,ثنا عبد الله بن محمد بن أبى شيبة ,حدثنا على بن هاشم ,عن ابن أبى ليلى ,عن عبد الكريم ,عن عمرو بن شعيب ,عن أبيه ,عن جده ,عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ليس فى أقل من خمس ذود شىء ,ولا فى أقل من أربعين من الغنم شىء ,ولا فى أقل من ثلاثين من البقر شىء ,ولا فى أقل من عشرين مثقالا من الذهب شىء ,ولا فى أقل من مائتى درهم شىء ,ولا فى أقل من خمسة أوسق شىء ,والعشر فى التمر والزبيب والحنطة والشعير وما سقى سيحا ففيه العشر ,وما سقى بالغرب ففيه نصف العشر(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۱۹۰۲)

(۳)...... حدثنا على بن هاشم ، عن ابن أبى ليلى ، عن عبد الكريم ، عن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده ، عن النبى صلى الله عليه وسلم ، قال :ليس فى أقل من خمسة أوسق شىء (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۰۱۰۴ ، باب فى الطعام ، كم تجب فيه الصدقة)

(۴)...... أخبرنا حميد أنا أبو نعيم النخعى، أنا العزرمى، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إنما الزكاة فى أربع :فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب ,وليس فيما دون خمسة أوساق شىء ,والوسق ستون صاعا (الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۹۱۶)

(۵)...... حدثنا الحسين بن إسحاق التسترى، وزكريا بن يحيى الساجى، قالا :ثنا موسى بن عبد الرحمن المسروقى، ثنا أبو أسامة، ثنا شعبة، عن الحكم، عن ابن أبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ متعدد صحابہ وتابعین اور محدثین سے بھی فصل کے عشر کا پانچ وسق (یعنی تقریباً پچیس من) نصاب ہونا منقول ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رافع، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث رجلا من بني مخزوم على الصدقة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس فيما دون خمسة أوساق صدقة، ولا فيما دون خمس ذود صدقة، وليس فيما دون خمس أواق صدقة (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۳۳،ج ۱ ص ۳۱۶)

(۶)...... حدثنا أبان بن أبي عياش عن الحسن البصري عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قَالَ " :ليس فيما دون خمسة أوسق من البر والشعير والذرة والتمر والذبيب صدقة ,ولا فيما دون خمس أواق صدقة ,ولا فيما دون خمس من الإبل صدقة "

قَالَ :وحَدَّثَنَا يحيى بن أبي أنيسة عن أبي الزبير عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قَالَ ":ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة . "

قَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ :والقول عندنا على هذا .والوسق ستون صاعا بصاع النبي صلى الله عليه وسلم ,فالخمسة أوسق ثلاثمائة صاع .

والصاع خمسة أرطال وثلث ,وهو مثل قفيز الحجاج ومثل الربع الهاشمي والمختوم الهاشمي ,الأول اثنان وثلاثون رطلا (الخراج،لأبي يوسف يعقوب بن إبراهيم، ج ۱ ،ص ۵۳)

(۷)...... وحدثنا عبد الله بن على عن إسحاق بن عبد الله بن أبي بكر عن عباد بن تميم عن رجال من أصحاب رسول الله عليه الصلاة والسلام -فيهم أبو أيوب -عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قَالَ " :الصدقة فِي خمسة أوسق من الحنطة والتمر والزبيب فصاعدا (الخراج،لأبي يوسف يعقوب بن إبراهيم، ج ۱ ،ص ۵۵)

(۸)...... حَدَّثَنَا حَفْصٌ ، عَنْ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :إِذَا بَلَغَ الطَّعَامُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ فَفِيهِ الصَّدَقَةُ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۰۱۰۱ ، باب في الطعام ، كم تجب فيه الصدقة)

ل قال :حدثنا حجاج، عن ابن جريج، وحماد بن سلمة، عن عمرو بن يحيى بن عمارة المازني، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس فيما دون خمس أواقي صدقة.

قال :حدثنا محمد بن كثير، عن الأوزاعي، عن أيوب بن موسى بن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر، أنه قال مثل ذلك غير مرفوع .قال أبو عبيد :وهذا الحديث يحدثونه عن ليث بن أبي سليم، عن نافع، عن ابن عمر مرفوعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت سفیان ثوری اور حضرت عطاء اور حسن بن صالح اور حضرت شریک رحمہم اللہ وغیرہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر کسی کی ملکیت میں مختلف اجناس کی فصل پیدا ہو، تو ان کو پانچ وَسق کا نصاب بنانے کے لئے جمع نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر ایک کی مقدار کو الگ الگ دیکھا جائے گا، اور اگر کسی چیز کی مقدار بھی پانچ وسق کے برابر نہ ہو، خواہ ایک سے زیادہ اجناس کی چیزوں کو ملا کر مقدار پانچ وسق کے برابر بن جاتی ہو، تو بھی عشر واجب نہیں ہوگا۔

ان روایات سے بھی عشر کے پانچ وسق نصاب ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وعن معمر، عن سهيل بن أبي صالح، عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم بمثل ذلک(الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۱۴۲۲ الیٰ۱۴۲۴)

حدثنا أبو خالد ، عن أشعث ، عن أيوب ، عن أبي قلابة (ح) وعن أبي الزبير ، عن جابر ، قال :ليس فيما دون خمسة أوساق صدقة(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۱۰۱۰۰ ، باب فی الطعام ، کم تجب فيه الصدقة)

حدثنا عبد الرحيم ، عن محمد بن سالم ، عن الشعبي ، قال :ليس فيما دون خمسة أوساق صدقة(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۱۰۱۰۲ ، باب فی الطعام ، کم تجب فيه الصدقة)

حدثنا هشيم ، عن مغيرة ، عن إبراهيم (ح) وعن يونس ، عن الحسن ، قالا :لا تجب الصدقة حتى تبلغ ثلاث مئة صاع (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۱۰۱۰۳ ، باب فی الطعام ، کم تجب فيه الصدقة)

عن الزهري، قال :سمعت أبا أمامة بن سهل بن حنيف، يحدث في مجلس سعيد بن المسيب " :أن السنة مضت لا تؤخذ صدقة من نخل حتى يبلغ خرصها خمسة أوساق (الخراج ليحيیٰ بن آدم الكوفی الاحول، رقم الحديث ۴۵۳)

[1] عن ابن المبارک، عن سفيان قال :لا تجمع الحنطة إلى الشعير ,ولا التمر إلى الزبيب يزكى كل نوع على حدة ,فما نقص من خمسة أوساق فليس فيه شيء ,لا يضمه إلى غيره(الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۹۲ ،ورقم الحديث ۱۵۱۴)

عن ابن جريج، عن عطاء ، قال " :لا يجمع بين الحنطة والشعير ولا بين التمر والزبيب في الصدقة إذا لم يبلغ كل واحد خمسة أوساق (السنن الكبرى للبيهقی، رقم الحديث ۷۴۷۳،الخراج ليحيیٰ بن آدم الكوفی الاحول، رقم الحديث ۵۷۲)

حدثنا يحيى، قال :سمعت حسن بن صالح، وشريكا يقولان " :لا تجمع الحنطة إلى الشعير، ولا التمر إلى الزبيب، ولا صنف من هذه الأصناف إلى غيره، وليس في صنف منها شيء حتى تبلغ خمسة أوساق (الخراج ليحيیٰ بن آدم الكوفی الاحول، رقم الحديث ۵۷۲)

بعض اہلِ علم حضرات نے پانچ وسق کی حدیث کو کثیر سندوں کے پیشِ نظر معروف ومشہور احادیث کی فہرست میں شمار کیا ہے، اوراس پر صحابۂ کرام کے اجماع ہونے اورصحابۂ کرام میں سے کسی کی مخالفت ظاہر نہ ہونے اورمزید براں اس حدیث کے تلقی بالقبول حاصل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ل

ل داود بن رشيد قال سمعت محمد بن الحسن رحمه الله يقول قال أبو حنيفة رحمه الله فى أرض العشر ما أخرجت الأرض من قليل او كثير مما له ثمر باق أو لا ثمر من الخضر وغيرها إن كانت الأرض تسقى سيحا أو سقته السماء ففيما أخرجت فى ذلک كله العشر وما كان من ذلک يسقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر إلا الحطب والحشيش والتبن فإنه لم يكن يرى فيه شيئا وكان يأخذ فى ذلک بما روى عن إبراهيم النخعى أنه كان يقول فيما أخرجت الارض نصف العشر على ما وصفت لک وروى ذلک عن مجاهد أنه كان يقول ولسنا نأخذ بهذا الحديث المعروف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال ليس فيما دون خمس ذود صدقة وليس فيما دون خمس أواقى صدقة والحديث الآخر معروف ايضا أن النبى صلى الله عليه وسلم بعث معاذ بن جبل الى الجبل فأمره أن لا يأخذ من الخضر صدقة(السير الصغيرلمحمد بن الحسن الشيبانى،ج ١ ،ص ٢٧٩، كتاب العشر)

أن حديث الأوساق حديث مشهور، روى عن غير واحد من الصحابة منهم أبوسعيد عند الجماعة، ومنهم أبوهريرة عند أحمد والدارقطنى والطحاوى، ومنهم ابن عمر عند أحمد والدارقطنى ويحيى بن آدم والبيهقى، ومنهم جابر عند أحمد ومسلم والبيهقى والطحاوى والحاكم وابن ماجه، ومنهم عائشة عند الطبرانى فى الأوسط، ومنهم أبورافع عند الطبرانى فى الكبير، ومنهم عمرو بن حزم عند الحاكم والطحاوى والطبرانى والبيهقى، ومنهم أبوأمامة بن سهل ابن حنيف عند البيهقى، ومنهم عبد الله بن عمر، وعند يحيى بن آدم (ص١٣٧) والدارقطنى (ص١٩٩) وبه قال الصحابة :منهم عمر وأبوسعيد وابن عمر وجابر وأبوأمامة بن سهيل بن حنيف .ولم يعرف لهم مخالف من الصحابة فهو إجماع منهم، وقد جرى به التعامل وتلقاه الأمة بقبولها .قال أبوعبيد فى الأموال: (ص٤٠٨) حدثنا يزيد عن حبيب بن أبى حبيب عن عمرو بن هرم عن محمد بن عبد الرحمن أن فى كتاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وفى كتاب عمر فى الصدقة أن لا تؤخذ من شىء حتى يبلغ خمسة أوسق .وروى الطحاوى والحاكم والبيهقى والطبرانى عن عمرو بن حزم عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كتب إلى أهل اليمن بكتاب فذكر فيه ما سقت السماء أو كان سيحاً أو كان بعلاً ففيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق وما سقى بالرشاد والدالية ففيه نصف العشر إذا بلغ خمسة أوسق (مرعاة المفاتيح، ج٧ص ٧٠، كتاب الزكاة، باب مايجب فيه الزكاة)

پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہ ہونے کی احادیث میں توجیہات

مذکورہ احادیث وروایات میں پانچ وسق سے کم مقدار کی پیداوار پر صدقہ اور زکاۃ نہ ہونے کے الفاظ کے ساتھ عشر واجب نہ ہونے کا صراحتاً ذکر ہے، اس لئے ہمارے نزدیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ان احادیث وروایات میں ایسی تاویل یا توجیہ کرنا کہ جس کے نتیجہ میں پانچ وسق سے کم میں عشر واجب ہونے کا حکم لگایا جائے، غیر معتدل اور غیر راجح طریقہ ہے۔

اس طرح کی چند تاویلات وتوجیہات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)......بعض حضرات نے پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کی احادیث وروایات میں یہ توجیہ کی ہے کہ ان احادیث میں صدقہ سے مراد زکاۃ ہے، اور یہ اس زرعی پیداوار کا بیان ہے، جو تجارت کے لئے حاصل کی گئی ہو، ایسی پیداوار پر اس وقت تک زکاۃ واجب نہیں، جب تک اس کی مقدار دوسو درہم کو نہ پہنچ جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ پانچ وسق، دوسو درہم کے مساوی ہوتے تھے، اس لئے پانچ وسق کو نصاب بنادیا گیا۔ [۱]

مگر یہ توجیہ بہت بعید وکمزور قرار دی گئی ہے، کیونکہ زرعی پیداوار میں اجناس مختلف ہوتی ہیں، اور یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ تمام اجناس میں پیداوار کی قیمت دوسو درہم ہوا کرتی تھی، کیونکہ یہ اسی وقت ممکن ہے، جبکہ گندم اور چارہ کی قیمت میں کوئی فرق نہ ہو، اور بعض روایات کے صریح الفاظ سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے، جن میں پانچ وسق سے کم مقدار کھیتی میں صدقہ واجب نہ ہونے کی صراحت آئی ہے، نیز یہ بات ناممکن ہے کہ جمہور فقہائے کرام نے پانچ وسق کی

---

[۱] والحديث الأول محمول على الزكاة، فإن الصدقة عند الإطلاق تنصرف إليها ، وكانوا يتعاملون بالأوساق ، وكان قيمة الوسق أربعين درهما ، فيكون قيمة الخمسة مائتى درهم (الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۱۳ ، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

وتأويل ما رويا زكاة التجارة لأنهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة الوسق كانت يومئذ أربعين درهما ولفظ الصدقة فيه ينبىء عنها(تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۹۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

احادیث کو جو مالِ تجارت کی زکاۃ سے متعلق ہوں، انہیں عشر میں منتقل کردیا ہو، اور اس طرح جمہورامت اس صریح غلطی کے مرتکب رہے ہوں (درسِ ترمذی بتغییر واضافہ، جلد۲، صفحہ۴۴۰، ۴۴۱، باب ماجاء فی صدقة الزرع والثمر والحبوب، طبع نہم، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی) [1]

(۲)...... بعض حضرات نے پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کی احادیث وروایات کی یہ توجیہ کی ہے کہ ان احادیث میں حکومت کی طرف سے زکاۃ وصدقہ حاصل کرنے والے نمائندہ وعامل کا دائرۂ اختیار بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ پانچ وسق سے کم پیداوار کی زکاۃ وصول نہیں کرے گا، بلکہ اس سے کم مقدار کی زکاۃ مالک پر خود سے واجب ہوگی۔ [2]

مگر یہ توجیہ بھی راجح اور مضبوط معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ متعدد احادیث وروایات کے الفاظ میں بغیر کسی عامل ونمائندہ کی قید کے صراحتاً پانچ وسق سے کم مقدار میں کھیتی وفصل وغیرہ میں صدقہ وزکاۃ واجب نہ ہونے کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ گزرا۔

اور مذکورہ احادیث وروایات سے متبادر اور ظاہر بھی یہی ہوتا ہے، اسی وجہ سے محدثین اور جمہور فقہائے کرام نے ان احادیث وروایات سے پانچ وسق سے کم میں زکاۃ وعشر واجب نہ ہونے کا حکم سمجھا اور مراد لیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی پانچ وسق سے کم مقدار میں صدقہ واجب نہ ہونے کی حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابٌ: لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ (بخاری، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: یہ باب ہے اس کا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہیں (بخاری)

---

[1] ولكن الأنصاف خلاف ذلك فإن تفاوت أسعار الثمار والشعير والحنطة غير قليل فكيف يعلم ماذا أراد النبي -صلى الله عليه وسلم- بذلك حتى يعلم حكمه (الكوكب الدرى، ج ا، ص ۲۳۶، ابواب الزكاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، مطبوعة: ايچ ايم سعيد، كمپنى، كراچى، پاكستان)

[2] والمراد بالحديث الثاني صدقة تؤخذ :أي يأخذها العاشر وهو مذهب أبي حنيفة ، بل يدفعها المالك إلى الفقراء ؛ وقولهما يشترط النصاب للغنى (الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۱۳، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن نسائی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

اَلْقَدْرُ الَّذِیْ تَجِبُ فِیْہِ الصَّدَقَۃُ (سنن النسائی، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: جس مقدار میں صدقہ واجب ہوتا ہے (نسائی)

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن ترمذی میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صَدَقَۃِ الزَّرْعِ وَالتَّمْرِ وَالْحُبُوْبِ (سنن الترمذی، ابواب الزکاۃ)

ترجمہ: یہ باب ہے کھیتی اور کھجور اور غلہ کے صدقہ کے بارے میں (واردشدہ) روایات کے بیان میں (ترمذی)

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ مَا تَجِبُ فِیْہِ الزَّکَاۃُ (ابوداؤد، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: یہ باب ہے جن چیزوں میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، اس کے بیان میں (ابوداؤد)

اور امام ابنِ حبان نے اپنی کتاب صحیح ابنِ حبان میں پانچ وسق کی حدیث پر درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

ذِکْرُ الْخَبَرِ الْمُدْحِضِ قَوْلَ مَنْ زَعَمَ أَنَّ فِیْ قَلِیْلِ مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ الْعُشْرَ کَمَا فِیْ کَثِیْرِھَا (صحیح ابنِ حبان، تحت رقم الحدیث ۳۲۷۶، کتاب الزکاۃ، باب العشر)

ترجمہ: اس حدیث کا ذکر، جو ان صاحب کے قول کو رَد کرتی ہے، جن کا گمان یہ ہے کہ زمین کی قلیل پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، جس طرح کہ زمین کی کثیر مقدار میں عشر واجب ہے (ابنِ حبان)

اور امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن دارمی میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ مَا لَا يَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ مِنَ الْحُبُوْبِ وَالْوَرِقِ وَالذَّهَبِ (سنن الدارمي، كتاب الزكاة)

ترجمہ: یہ باب ہے اس کے بیان میں کہ کون سے غلہ، چاندی اور سونے میں صدقہ واجب نہیں ہوتا (دارمی)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن بیہقی میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ لَا شَيْءَ فِي الثِّمَارِ وَالْحُبُوْبِ حَتّٰى يَبْلُغَ كُلُّ صِنْفٍ مِنْهَا خَمْسَةَ أَوْسُقٍ فَيَكُوْنُ فِيمَا بَلَغَ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ (سنن البيهقي، كتاب الزكاة)

ترجمہ: یہ باب ہے اس بارے میں کہ پھلوں اور غلوں میں کچھ واجب نہیں، یہاں تک کہ ان میں سے ہر صنف پانچ وسق کی مقدار کو نہ پہنچ جائے، پس جو چیز پانچ وسق کی مقدار کو پہنچ جائے گی، تو اس میں صدقہ (یعنی عشر) ہوگا (بیہقی)

اور امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح ابنِ خزیمہ میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ ذِكْرِ إِسْقَاطِ الصَّدَقَةِ عَمَّا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ (صحيح ابنِ خزيمة، أبواب صدقة الحبوب والثمار)

ترجمہ: یہ باب ہے صدقہ (یعنی عشر) کے ساقط کرنے کے ذکر کا پانچ وسق سے کم مقدار میں (ابنِ خزیمہ)

اور امام ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مصنف ابنِ ابی شیبہ میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

هَلْ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ؟ (مصنف ابنِ ابی شيبة، كتاب الزكاة)

ترجمہ: کیا پانچ وسق سے کم میں صدقہ (یعنی عشر) ہے (ابنِ ابی شیبہ)

اور امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مصنف عبدالرزاق میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ(مصنف عبدالرزاق، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: یہ باب ہے اس بات کا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ (یعنی عشر) نہیں (عبدالرزاق)

اور ابنِ زنجویہ رحمہ اللہ نے اپنی کتابُ الاموال میں درجِ ذیل باب قائم کیا ہے کہ:

اَلسُّنَّةُ فِيْ أَنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَجِبُ إِلَّا فِيْ خَمْسَةِ أَوْسَاقٍ فَصَاعِدًا(الاموال لابنِ زنجویه، کتاب الصدقة واحکامها وسننها)

ترجمہ: اس بارے میں سنت کا بیان کہ صدقہ صرف پانچ وسق یا اس سے زیادہ میں ہی واجب ہے (الاموال)

مذکورہ اور اس جیسی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اور جمہور فقہائے کرام، سب نے پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے سے یہی سمجھا ہے کہ اس مقدار سے کم میں سرے سے عشر واجب ہی نہیں، اور اسی وجہ سے اس سے کم مقدار میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عامل ونمائندہ کو بھی عشر حاصل کرنے کا حق نہیں۔

(۳)......بعض حضرات نے پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کی احادیث وروایات میں یہ تاویل وتوجیہ کی ہے کہ ان احادیث وروایات سے مقصود ''عرایا'' کا بیان ہے، یعنی کسی شخص نے اگر کھجور کا درخت کسی فقیر کو دے دیا، اور بعد میں اس درخت کے پھل کے عوض پانچ وسق کھجوریں علیٰحدہ سے دے دیں، تو اب درخت کے پھل میں سے پانچ وسق کی مقدار تک صدقہ وعشر واجب نہ ہوگا (ملاحظہ ہو: درسِ ترمذی، جلد۲، صفحہ۴۴۱، باب ماجاء فی صدقۃ الزرع والثمر والحبوب، طبع نہم، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''عرایا'' کا قضیہ ''عشر'' کے مسئلہ سے بالکل الگ چیز ہے، جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے، اور بعض احادیث میں پانچ وسق یا اس سے کم مقدار میں ''عرایا'' کا جواز مذکور ہے۔ [1]

اور ''عرایا'' کس کو کہا جاتا ہے، اس میں فقہائے کرام کے درمیان غیر معمولی اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ [2]

پھر حنفیہ کے علاوہ متعدد فقہائے کرام اس کو بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔ [3]

---

[1] عن نافع، عن ابن عمر، عن زيد بن ثابت، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أرخص فى بيع العرايا بخرصها :هذا حديث حسن صحيح، وحديث أبى هريرة حديث حسن صحيح والعمل عليه عند بعض أهل العلم منهم :الشافعى، وأحمد، وإسحاق، وقالوا :إن العرايا مستثناة من جملة نهى النبى صلى الله عليه وسلم إذ نهى عن المحاقلة، والمزابنة، واحتجوا بحديث زيد بن ثابت، وحديث أبى هريرة، وقالوا :له أن يشترى ما دون خمسة أوسق ومعنى هذا عند بعض أهل العلم :أن النبى صلى الله عليه وسلم أراد التوسعة عليهم فى هذا لأنهم شكوا إليه، وقالوا :لا نجد ما نشترى من الثمر إلا بالتمر، فرخص لهم فيما دون خمسة أوسق أن يشتروها فيأكلوها رطبا(سنن الترمذى، رقم الحديث ١٣٠٢)

عن أبى هريرة رضى الله عنه :أن النبى صلى الله عليه وسلم رخص فى بيع العرايا فى خمسة أوسق، أو دون خمسة أوسق؟ قال :نعم(بخارى، رقم الحديث ٢١٩٠)

[2] العرايا :جمع عرية، وهى :النخلة يعريها صاحبها رجلا محتاجا، فيجعل له ثمرها عامها، فيعروها، أى يأتيها، فعيلة بمعنى مفعولة، ودخلت الهاء عليها، لأنه ذهب بها مذهب الأسماء، مثل النطيحة والأكيلة، فإذا جىء بها مع النخلة حذفت الهاء ، وقيل :نخلة عرى، كما يقال :امرأة قتيل، والجمع :العرايا.

قال فى الفتح :هى فى الأصل عطية ثمر النخل دون الرقبة :كانت العرب فى الجدب تتطوع بذلك على من لا ثمر له .

وعرفها الشافعية اصطلاحا :بأنها بيع الرطب على النخل بتمر فى الأرض، أو العنب فى الشجر بزبيب، فيما دون خمسة أوسق.

وعرفها الحنابلة بأنها :بيع الرطب فى رء وس النخل خرصا، بماله يابسا، بمثله من التمر، كيلا معلوما لا جزافا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٩ص ١٩١، مادة " بيع")

[3] حكمها:بيع العرايا جائز فى الجملة، عند جمهور الفقهاء :مالك، والشافعى، وأحمد، وإسحاق، وابن المنذر ، لكن التحقيق أن مالكا ليس معهم.

واستدل الجمهور المجيزون بما يلى: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک ''عرایا'' کی بیع جائز نہیں۔ ؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أ -بحديث سهل بن أبى حثمة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع التمر بالتمر، ورخص فى العرية، أن تباع بخرصها، يأكلها أهلها رطبا.

قال ابن قدامة :والرخصة :استباحة المحظور مع وجود السبب الحاظر، فلو منع مع وجود السبب من الاستباحة، لم يبق لنا رخصة بحال.

ب -وبحديث أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم رخص فى بيع العرايا، فى خمسة أوسق، أو دون خمسة أوسق.

قال المحلى -من الشافعية :-شك داود بن الحصين أحد رواته، فأخذ الشافعى بالأقل، فى أظهر قوليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹ ص ۹۱،۹۲، مادة " بيع")

؎ والحنفية -وكذا مالك فى التحقيق -لم يستجيزوا، بيع العرايا، وذلك :للنهى عن المزابنة، وهى :بيع التمر على رأس النخل بتمر مجدود مثل كيله خرصا.

وللحديث الصحيح المعروف عن عبادة بن الصامت -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء ، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدا بيد .

وفى بعض رواياته :فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء.

فهذه النصوص، وأمثالها لا تحصى، كلها مشهورة، وتلقتها الأمة بالقبول، فلا يجوز تركها ولا العمل بما يخالفها، وهذا لأن المساواة واجبة بالنص، والتفاضل محرم به، وكذا التفرق قبل قبض البدلين، فلا يجوز أن يباع جزافا، ولا إذا كان أحدهما متأخرا، كما لو كان أكثر من خمسة أوسق.

وهذا لأن احتمال التفاضل ثابت، فصار كما لو تفاضلا بيقين، أو كانا موضوعين فى الأرض .

ومعنى العرايا، وتأويلها عند المانعين فيما ذكر من الأحاديث:

أ -أن يكون للرجل النخلة أو النخلتان، فى وسط النخل الكثير لرجل، وكان أهل المدينة إذا كان وقت الثمار، خرجوا بأهليهم إلى حوائطهم، فيجىء صاحب النخلة أو النخلتين، فيضر ذلك بصاحب النخل الكثير، فرخص صلى الله عليه وسلم لصاحب الكثير أن يعطيه خرص ما له من ذلك تمرا، لينصرف هو وأهله عنه، روى هذا عن مالك .

ب -وما روى عن أبى حنيفة، أنه قال :معنى ذلك عندنا :أن يعرى الرجل الرجل نخلة من نخله، فلا يسلم ذلك إليه حتى يبدو له،فرخص له أن يحبس ذلك، ويعطيه مكانه بخرصه تمرا مجذوذا بالخرص بدله.

وهو جائز عند الحنفية -كما قالوا -لأن الموهوب له، لم يملك الثمرة لعدم القبض، فصار بائعا ملكه بملكه، وهو جائز لا بطريق المعاوضة، وإنما هو هبة مبتدأة، وسمى ذلك بيعا مجازا، لأنه لم يملكه، فيكون برا مبتدأ .كما يقول المرغينانى.

وقد شرط الحنابلة شروطا جمة لجواز بيع العرايا، ووافقهم الشافعية على بعضها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹ ص ۹۲،۹۳، مادة " بيع")

اور پانچ وسق سے کم فصل میں عشر واجب نہ ہونے کی احادیث وروایات میں صراحت پائی جاتی ہے، اوران میں عریہ یا عرایا کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، اور جن احادیث وروایات میں پانچ وسق سے کم میں عشر کے واجب ہونے کی نفی کی گئی ہے، ان میں سے کئی احادیث وروایات میں چاندی اور سائمہ اونٹ کی زکاۃ کے نصاب کو بھی بیان کیا گیا ہے، پس جس طرح چاندی اور سائمہ اونٹ کے نصاب کا مسئلہ ہے، اسی طرح عشر کے نصاب کا بھی مسئلہ ہے، اور اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں سرے سے عشر واجب نہیں، اور ان میں سے ایک چیز کو کسی اور چیز پر اور دوسری چیزوں کو نصاب پر محمول کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

بالخصوص جبکہ بعض اسناد میں پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کے بعد الگ الفاظ میں عرایا میں صدقہ نہ ہونے کی بھی صراحت آئی ہے۔ [1]

---

[1] جیسا کہ درج ذیل روایات وعبارات سے معلوم ہوتا ہے۔

عن على أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ليس فى الخضراوات صدقة ولا فى العرايا صدقة ولا فى أقل من خمسة أوسق صدقة ولا فى العوامل صدقة ولا فى الجبهة صدقة .قال الصقر :الجبهة الخيل والبغال والعبيد .رواه الدارقطنى.

عن على أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال " :ليس فى الخضراوات صدقة، ولا فى العرايا صدقة، ولا فى أقل من خمسة أوسق صدقة، ولا فى العوامل صدقة، ولا فى الجبهة صدقة "، قال الصقر :الجبهة الخيل والبغال والعبيد، رواه الدارقطنى (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب ما يجب فيه الزكاة، الفصل الثالث)

(عن على -رضى الله عنه -أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :ليس فى الخضروات) بفتح الخاء قال ابن الهمام :كالرياحين والأوراد والبقول والخيار والقثاء والبطيخ والباذنجان وأشباه ذلك (صدقة) لأنها لا تقتات، والزكاة تختص بالقوت كما مر، وحكمته أن القوت ما يقوم به بدن الإنسان لأن الاقتيات من الضروريات التى لا حياة بدونها، فوجب فيه حق لأرباب الضرورات (ولا فى العرايا) جمع عرية فعيلة بمعنى فاعلة، أو مفعولة، وهى النخلة التى يعطيها مالكها لغيره ليأكل ثمرها عاما أو أكثر، وفى القاموس وأعراه النخلة وهب ثمرتها عاما، والعرية النخلة المعراة، والتى أكل ما عليها، وما عزل عن المساومة عند بيع النحل، اهـ (صدقة) لأنها فى الغالب تكون دون النصاب أو لأنها خرجت عن ملك مالكها قبل الوجوب بطريق صحيح (ولا فى أقل من خمسة أوسق صدقة) لما مر أنه قليل فلا تتشوف الفقراء إلى المواساة منه (ولا فى) الإبل أو البقر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کا الگ سے ذکر پایا جاتا ہے، اور عرایا میں صدقہ واجب نہ ہونے کا الگ سے ذکر پایا جاتا ہے، تو پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کو عرایا پر محمول کرنا درست نہ ہونا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور اہلِ علم حضرات نے پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہ ہونے کو عرایا کے بغیر مستقل حکم سمجھا ہے۔

اور بعض دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں کئی احادیث وروایات میں غلہ، دانہ اور کھیتی وغیرہ میں صدقہ نہ ہونے کا ذکر ہے، جبکہ عریہ یا عرایا کھجور وغیرہ میں معروف ومشروع ہے، نہ کہ کھیتی وغلہ وغیرہ میں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(العوامل) للمالک أو غيره (صدقة) لأنها بالعمل صارت غير مقتناة للنماء كما مر (ولا فى الجبهة صدقة، قال) أبو سعيد (الصقر :الجبهة الخيل والبغال والعبيد) والذى فى القاموس وغيره أنها الخيل، قال فى الفائق :سميت بذلك لأنها خيار البهائم كما يقال وجه السلعة بخيارها، ووجه القول وجبهتهم لسيدهم، وقال بعضهم :هى خيار الخيل، ثم رأيت صاحب النهاية أشار إلى أن ما قاله الصقر فيه بعد وتكلف (رواه الدارقطنى) (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۹۶، كتاب الزكاة، باب ما يجب فيه الزكاة)

[1] عن مكحول، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خففوا على الناس فى الخرص فإن فى المال العرية ، قال غيره :والوطية(المراسيل،أبو داود، رقم الحديث ۱۱۸)

عن مكحول ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خفف على الناس فى الخرص ، فإن فى المال العرية والوطية(مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۱۰۶۲۵ ،باب ما ذكر فى خرص النخل)

عن مكحول قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا بعث الخارص قال :خففوا فإن فى المال العرية والواطئة(الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۲۰۰۸، كتاب الأموال.لأبى عُبيد القاسم بن سلاّم بن عبد الله، رقم الحديث ۱۴۵۳)

عن الأوزاعى، قال :بلغنا أن عمر بن الخطاب، قال :خففوا على الناس فى الخرص، فإن فى المال العرية والأكلة قال أبو عبيد :وفى بعض الحديث :الوطأة، وبعضهم يقول :الوطئة .فأما الوطئة فليس بشىء ، وأما الواطئة والوطأة، فهما جميعا السابلة، سموا بذلك لوطئهم بلاد الثمار مجتازين(كتاب الأموال.لأبى عُبيد القاسم بن سلاّم بن عبد الله، رقم الحديث ۱۴۵۴)

عن جابر بن عبد الله، رضى الله عنهما، "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص فى العرايا الوسق، والوسقين والثلاثة، والأربعة وقال :فى جاذ كل عشرة أوسق قنو يوضع للمساكين فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابوحنیفہ کا قول اور اس کے دلائل

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ چونکہ عشر کے متعلق پانچ وسق یا کسی دوسری مخصوص مقدار کے نصاب کے قائل نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اس لئے اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)......قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یآ أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۶۷)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المسجد (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۵۲۳)

قال أبو داود :حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحرانى حدثنا محمد بن مسلمة عن محمد بن إسحاق عن محمد بن يحيى بن حبان عن عمه واسع بن حبان عن جابر بن عبد الله أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر من كل جاد عشرة أوسق من التمر بقنو يعلق فى المسجد للمساكين.

قوله جاد عشرة أوسق .قال إبراهيم الحربى يريد قدرا من النخل يجذ منه عشرة أوسق وتقديره تقدير مجذوذ فاعل بمعنى مفعول وأراد بالقنو العذق بما عليه من الرطب والبسر يعلق للمساكين يأكلونه وهذا من صدقة المعروف دون الصدقة التى هى فرض واجب (معالم السنن، ج۲، ص۷۵، ومن باب حقوق المال)

قوله :(بخرصه) بفتح الخاء المعجمة، وأشار ابن التين إلى جواز كسرها وجزم ابن العربى بالكسر، وأنكر الفتح وجوزهما النووى وقال :الفتح أشهر قال :ومعناه بقدر ما فيه إذا صار تمرا، فمن فتح قال :هو اسم الفعل ومن كسر قال :هو اسم للشىء المخروص قال فى الفتح :والخرص هو التخمين والحدس .قوله :(يقول الوسق والوسقين . . .إلخ) استدل بهذا من قال :إنه لا يجوز فى بيع العرايا إلا دون خمسة أوسق، وهم الشافعية والحنابلة وأهل الظاهر قالوا :لأن الأصل التحريم، وبيع العرايا رخصة، فيؤخذ بما يتحقق فيه الجواز ويلقى ما وقع فيه الشك، ولكن مقتضى الاستدلال بهذا الحديث أن لا يجوز مجاوزة الأربعة الأوسق، مع أنهم يجوزونها إلى دون الخمسة بمقدار يسير، والذى يدل على ما ذهبوا إليه حديث أبى هريرة الذى ذكرناه لقوله فيه فيما دون خمسة أوسق أو فى خمسة أوسق فيلقى الشك وهو الخمسة ويعمل بالمتيقن وهو ما دونها وقد حكى هذا القول صاحب البحر عن أبى حنيفة ومالك والقاسم وأبى العباس وقد عرفت ما سلف من تحقيق مذهب أبى حنيفة فى العرايا (نيل الاوطار، ج۵، ص ۲۳۹، وص ۲۴۰، باب الرخصة فى بيع العرايا)

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے نکالا ہے (سورہ بقرہ)

مذکورہ آیت میں زمین کی پیداوار سے جو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد، عُشر ہے، اور اس میں پیداوار کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی۔

جس کا تقاضا یہ ہے کہ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں عشر واجب ہونا چاہئے۔ [1]

جبکہ دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اولاً تو اس آیت میں صراحتاً عشر کا بیان نہیں ہے، اور اسی وجہ سے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس آیت کو عشر کی احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

دوسرے اگر اس آیت میں زمین کی پیداوار سے عشر ہی مراد لیا جائے، تو تب بھی یہ آیت مجمل ہوگی، جیسا کہ زکاۃ وغیرہ کی آیت بھی مجمل ہے، اور اس کی مقدار احادیث میں بیان کی گئی ہے۔

اور اسی وجہ سے اس آیت میں اس سے پہلے جملہ " مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ " سے بعض حضرات نے مالِ تجارت کی زکاۃ مراد لی ہے، اور اس کا بھی احادیث کے پیشِ نظر نصاب مقرر ہے، لہٰذا اس کے بعد جو " وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ " فرمایا، اس سے عشر مراد لینے کی صورت میں بھی احادیث کے پیشِ نظر پانچ وسق کا نصاب مقرر کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] لقوله تعالى (يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض) ولما روى عن النبى عليه السلام أنه قال فيما سقته السماء العشر وفيما سقى بغرب أو دالية نصف العشر (تحفة الفقهاء ،للسمرقندى، ج ا ،ص ٣٢٢،باب العشر والخراج)

ولأبى حنيفة قوله تعالى (أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)وهو بعمومه يتناول جميع ما يخرج من الأرض(تبيين الحقائق، ج ا ص ٢٩٢، كتاب الزكاة، باب العشر)

[2] الأصل فى وجوب العشر قول الله تعالى :(أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)قال أهل التفسير :المراد من قوله :(من طيبات ما كسبتم) زكاة مال التجارة، والمراد من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَآتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (سورة الانعام رقم الآية ۱۴۱)

ترجمہ: اور اس (کھیتی) میں جو حق ہے اس کو کاٹنے کے دن ادا کیا کرو (سورہ انعام)

مذکورہ آیت میں کھیتی کا حق ادا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد، عُشر ہے، اور اس میں پیداوار کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی۔

جس کا تقاضا یہ ہے کہ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں عشر واجب ہونا چاہئے۔ [۱]

جبکہ دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ آیت ہر قلیل وکثیر مقدار میں عشر واجب ہونے کے متعلق صریح نہیں، اور اس آیت میں پیداوار کے جس حق کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد عشر کے علاوہ نفلی صدقہ ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله :(ومما أخرجنا لكم من الأرض) العشر(المحيط البرهاني، ج۲ص ۳۲۵، كتاب العشر،الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر وما لا يجب)

قال :(الأصل في وجوب العشر قوله تعالى (أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)قيل المراد بالمكسوب مال التجارة ففيه بيان زكاة التجارة، والمراد بقوله، ومما أخرجنا لكم من الأرض العشر(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۲، كتاب الزكاة،باب عشر الأرضين)

ولا زكاة في أقل من خمسة أوسق، كذا جاء مبينا عن النبي صلى الله عليه وسلم .وهو في الكتاب مجمل، قال الله تعالى ":يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ."وقال تعالى ":وآتوا حقه ."ثم وقع البيان بالعشر ونصف العشر .ثم لما كان المقدار الذي إذا بلغه المال أخذ منه الحق مجملا بينه أيضا فقال :(ليس فيما دون خمسة أوسق من تمر أو حب صدقة)(تفسير القرطبي، ج۷ص۱۰۷ ،سورة الانعام)

[۱] يفترض لقوله تعالى (وآتوا حقه يوم حصاده)فإن عامة المفسرين على أنه العشر أو نصفه وهو مجمل بينه قوله -صلى الله عليه وسلم -ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر(ردالمحتار، ج۲ص ۳۲۵، كتاب الزكاة، باب العشر)

[۲] جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت زکاۃ والی آیت سے منسوخ ہے، کیونکہ مذکورہ آیت مکی ہے، اور زکاۃ کے حکم والی آیت مدنی ہے، اور سُدّی وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ یہ آیت عشر اور نصف عشر کے حکم سے منسوخ ہے۔

قوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده) اختلف الناس في تفسير هذا الحق، ما هو، فقال أنس بن مالك وابن عباس وطاوس والحسن وابن زيد وابن الحنفية والضحاك وسعيد بن المسيب :هي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر اس آیت میں عشر ہی مراد لیا جائے، تو یہ آیت بھی مجمل ہوگی، جس میں نہ تو عشر کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾الزكاة المفروضة، العشر ونصف العشر .ورواه ابن وهب وابن القاسم عن مالك في تفسير الآية، وبه قال بعض أصحاب الشافعي .وحكى الزجاج أن هذه الآية قيل فيها إنها نزلت بالمدينة .وقال علي بن الحسين وعطاء والحكم وحماد وسعيد بن جبير ومجاهد :هو حق في المال سوى الزكاة، الله به ندبا .وروى عن ابن عمر ومحمد ابن الحنفية أيضا، ورواه أبو سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم .قال مجاهد :إذا حصدت فحضرك المساكين فاطرح لهم من السنبل، وإذا جذذت فألق لهم من الشماريخ، وإذا درسته ودسته وذريته فاطرح لهم منه، وإذا عرفت كيله فأخرج منه زكاته .وقول ثالث هو منسوخ بالزكاة، لأن هذه السورة مكية وآية الزكاة لم تنزل إلا بالمدينة ":خذ من أموالهم صدقة "، "وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة ."روى عن ابن عباس وابن الحنفية والحسن وعطية العوفي والنخعي وسعيد بن جبير .وقال سفيان :سألت السدى عن هذه الآية فقال .نسخها العشر ونصف العشر .فقلت عمن؟ فقال عن العلماء(تفسير القرطبي، ج۷ص ۹۹، ۱۰۰، سورة الانعام)

فأما الجواب عن قوله تعالى :أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض، فهي عامة ولا بد من دعوى الإضمار فيها ، فأما أبو حنيفة يقول :إلا الفضة ونحن نقول إلا ما يقتات ، وليس أحد الإضمارين أولى من الآخر فتعارضا ، على أن قوله ليس في الخضروات شيء يخصه ، وبهذا الجواب ينفصل عن قوله تعالى :وآتوا حقه يوم حصاده، وينفصل عنه أيضا بجوابين آخرين : أحدهما :أنه محمول على غير الزكاة من صدقة يتطوع بها يوم الحصاد لأمرين :أحدهما :أنه أمر بإيتاء حقه ، ولم يقل حق الله منه ، وليس لشيء مما ذكر حق ، وإنما الحق لله تعالى علينا .والثاني : أنه أمرنا بإخراجه يوم حصاده ، والزكاة لا يجب إخراجها يوم الحصاد إلا بعد الجز والدياس ، فبهذين الأمرين سقط الاستدلال بظاهر الآية ، فهذا أحد الجوابين .والجواب الثاني :أنه محمول على الزكاة إلا أنه علق الزكاة بما كان منه محصودا ، والحصاد غير مستعمل في الأشجار والقثاء والخيار ، فإن قيل الحصاد هو الاستعمال قال الله تعالى :جعلناهم حصيدا خامدين ، وقال ﷺ:احصدهم حصيدا حتى تلقني على الصفا .وإذا كان الحصد هو الاستئصال صار تقدير الآية وآتو حقه يوم استئصاله ، وهذا لا يختص بزرع من غيره ، قيل :عن هذا جوابان :أحدهما :أن حقيقة الحصاد في الزروع ، وقد يستعمل مجازا في غيره ، يقال :حصد الزرع وجد التمر ، وقطف العنب وجد البقل وجنى الفاكهة قال علي عليه السلام :هذا جناى وخياره فيه إذ كل جان يده إلى فيه وقال الشاعر :إذا لم يكن فيكن ظل ولا جنا فأبعدكن الله من شجرات والجواب الثاني :أننا وإن سلمنا أن الحصاد هو الاستئصال فلا دلالة في الآية :لأن الثمار لا تستأصل بل تترك أصولها وتجنى ثمارها ، وإذا لم يكن ظاهر الآية مستعملا تكافأ النزاع فيها وسقط الاحتجاج بها ، فأما قوله :فيما سقت السماء العشر فجوابه كجواب الآية الأولى فنقول قد رواه معاذ تاما فقال :وأما البطيخ والقثاء والخضراوات فعفو عفا الله عنها ، فكان هذا مخصصا لعموم ما تقدم .وأما قياسه على الحنطة والشعير فالمعنى فيه :أنه مقتات فلذلك وجبت فيه الزكاة ، والخضراوات لما كانت غير مقتاتة شابهت الحشيش والحطب فلم تجب فيها الزكاة (الحاوى في فقه الشافعي، ج۳ص ۲۴۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الزرع)

مقدار کا بیان مقصود ہے، اور نہ ہی عشر کے نصاب کا بیان مقصود ہے، لہٰذا جس طرح سے عشر کی مقدار کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اسی طرح عشر کے پانچ وسق، نصاب کو بھی احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ [1]

(۳)......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے وہ احادیث پیش کی ہیں، جن میں بارش سے سیراب ہونے والی کھیتی میں پیداوار کا عشر (یعنی دسواں حصہ) اور ڈول وغیرہ سے سیراب کئے جانے والی کھیتی میں پیداوار کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) واجب ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

اس طرح کی احادیث میں عشر یا نصف عشر بیان کرتے وقت پیداوار کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی۔

جس کا تقاضا یہ ہے کہ پیداوار خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں عشر واجب ہوگا۔ [2]

جبکہ دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ ان احادیث میں عشر واجب ہونے کی مقدار کو بیان کرنا مقصود ہے، عشر کے نصاب کی مقدار کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے، اور عشر کے نصاب کی مقدار کو دیگر احادیث میں بیان کیا گیا ہے، لہٰذا یہ دونوں قسم کی حدیثیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اور

---

[1] وقد يكون اللفظ مبينا من وجه مجملا من وجه كقوله تعالى (وآتوا حقه يوم حصاده) فإنه مبين في الحق مجمل في مقداره(الذخيرة للقرافي، ج ا ص ۱۰۲، الباب الثاني عشر في المجمل والمبين وفيه ستة فصول،الفصل الأول في معنى ألفاظه)

وقد أجمعت الأمة على وجوب الزكاة في النبات على الجملة، وإن اختلفت في التفاصيل .وقد قال تعالى :(وهو الذى أنشأ جنات معروشات وغير معروشات)الآية، لكن قوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده)ظاهر في تعلق الحق، ومجمل في جنسه ومقداره......وأيضا فإن الرسول -صلى الله عليه وسلم -قد روى عنه أنه استثنى البقول والفواكه فأسقط منها الزكاة (التنبيه على مباديء التوجيه - قسم العبادات للتنوخي المهدوي،المتوفىٰ ۵۳۶ھ، ج۲ص ۹۱۵،۹۱۶، كتاب الزكاة الثاني، باب في زكاة الحبوب والثمار)

[2] وقوله -صلى الله عليه وسلم -فيما سقت السماء والغيم العشر وفيما سقى بالسانية نصف العشر رواه مسلم وغيره وقوله -عليه الصلاة والسلام -فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر رواه الجماعة غير مسلم كل ذلك بلا فصل بين القليل والكثير(تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۹۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

دونوں الگ الگ حکم کو بیان کرتی ہیں۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ وغیرہ کی معتبر حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے کہ پیداوار میں عشر یا نصف عشر اس وقت واجب ہوتا ہے، جبکہ وہ پانچ وسق کی مقدار کو پہنچ

---

[1] رد السنة الصحيحة الصريحة المحكمة فى تقدير نصاب المعشرات بخمسة أوسق بالمتشابه من قوله" :فيما سقت السماء العشر وما سقى بنضح أو غرب فنصف العشر "قالوا :وهذا يعم القليل والكثير وقد عارضه الخاص ودلالة العام قطعية كالخاص وإذا تعارضا قدم الأحوط وهو الوجوب فيقال :يجب العمل بكلا الحديثين و لا يجوز معارضة أحدهما بالآخر وإلغاء أحدهما بالكلية فإن طاعة الرسول فرض فى هذا وفى هذا ولا تعارض بينهما بحمد الله بوجه من الوجوه فإن قوله " :فيما سقت السماء العشر "إنما أريد به التمييز بين ما يجب فيه العشر وما يجب فيه نصفه فذكر النوعين مفرقا بينهما فى مقدار الواجب وأما مقدار النصاب فسكت عنه فى هذا الحديث وبينه نصا فى الحديث الآخر فكيف يجوز العدول عن النص الصحيح الصريح المحكم الذى لا يحتمل غير ما دل عليه البتة إلى المجمل المتشابه الذى غايته أن يتعلق فيه بعموم لم يقصد وبيانه بالخاص المحكم المبين كبيان سائر العمومات بما يخصها من النصوص.

ويالله العجب كيف يخصون عموم القرآن والسنة بالقياس الذى أحسن أحواله أن يكون مختلفا فى الاحتجاج به وهو محل اشتباه واضطراب؟!

إذ ما من قياس إلا وتمكن معارضته بقياس مثله أو دونه أو أقوى منه بخلاف السنة الصحيحة الصريحة فإنها لا يعارضها إلا سنة ناسخة معلومة التأخر والمخالفة ثم يقال: إذا خصصتم عموم قوله" :فيما سقت السماء العشر "بالقصب والحشيش ولا ذكر لهما فى النص فهلا خصصتموه بقوله" :لا زكاة فى حب ولا ثمر حتى يبلغ خمسة أوسق "وإذا كنتم تخصون العموم بالقياس فهلا خصصتم هذا العام بالقياس الجلى الذى هو من أجلى القياس وأصحه على سائر أنواع المال الذى تجب فيه الزكاة فإن الزكاة الخاصة لم يشرعها الله ورسوله فى مال إلا وجعل له نصابا كالمواشى والذهب والفضة ويقال أيضا :فهلا أوجبتم الزكاة فى قليل كل مال وكثيره عملا بقوله تعالى (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً) وبقوله صلى الله عليه وسلم" :ما من صاحب إبل ولا بقر لا يؤدى زكاتها إلا بطح لها يوم القيامة بقاع قرقر "وبقوله" :ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدى زكاتها إلا صفحت له يوم القيامة صفائح من نار "وهلا كان هذا العموم عندكم مقدما على أحاديث النصب الخاصة وهلا قلتم :هناک تعارض مسقط وموجب فقدمنا الموجب احتياطا وهذا فى غاية الوضوح وبالله التوفيق(إعلام الموقعين عن رب العالمين،لابن قيم، ج٣ص ٢٥١ ،زيادة السنة على القرآن،رد السنة الصحيحة فى تقدير نصاب المعشرات،نصاب المعشرات)

جائے، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۴ کے ذیل میں تفصیلاً گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

(۴)...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث پیش کی ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ عشر قلیل اور کثیر ہر قسم کی پیداوار میں واجب ہے۔

جبکہ دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف یا شدید ضعیف اور بعض حضرات کے بقول غیر محفوظ و موضوع وغیرہ ہے، جس میں اُن صحیح احادیث کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں، جن میں عشر کے نصاب کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے، اور دراصل یہ حدیث عشر یا نصف عشر کو بیان کرنے سے متعلق ہے، جو کہ دوسری صحیح سند سے مروی ہے، اور اس میں قلیل و کثیر کے الفاظ کا اضافہ نا قابلِ اعتبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن بكتاب ,فيه الفرائض والسنن , فكتب فيه ما سقت السماء أو كان سحا ,أو بعلا فيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق ,وما سقى بالرشاء أو بالدالية ,ففيه نصف العشر إذا بلغ خمسة أوسق "(شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۳۰۸۴،باب زكاة ما يخرج من الأرض،صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۶۵۵۹،كتاب التاريخ، باب كتب النبى صلى الله عليه وسلم ، ذكر كتبة المصطفى صلى الله عليه وسلم كتابه إلى أهل اليمن، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۱۴۴۷)

[2] وحديث أبان بن أبى عياش، عن أنس أنه -عليه السلام -قال" :فيما سقت السماء العشر فى قليله وكثيره "غير محفوظ، وفيه رجل مجهول، وليس هو عن أنس، رواه أبو مطيع البلخى - وهو مجهول -عن أبى حنيفة، عن أبان، وهو متروك، عن رجل عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم (التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن، ج۱۰ ص۵۵۸، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء وبالماء الجارى)

مسألة:ولا عشر فيما دون خمسة أوسق، خلافا للحنفية.

فعن أبى سعيد مرفوعا " :ليس فيما دون خمس ذود صدقة، وليس فى ما دون خمس أواق صدقة، ولا فى ما دون خمسة أوسق صدقة "(خ م).

ولسهيل، عن أبيه، عن أبى هريرة، عن النبى (صلى الله عليه وسلم) مثله.صحيح، رواه أحمد.

فذكروا :أبو مطيع البلخى -أحد المتروكين -عن أبى حنيفة، عن أبان بن أبى عياش -واه -عن رجل، عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) " : فيما سقت السماء العشر، وفى ما سقى بنضح أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غرب نصف العشر، فی قلیله وكثیره "(تنقیح التحقیق فی أحادیث التعلیق للذهبی، تحت رقم الحدیث ۲۹۹)

وقال ابن الجوزی فی "التحقیق : "واحتجت الحنفیة بما روی أبو مطیع البلخی عن أبی حنیفة رضی الله عنه عن أبان بن أبی عیاش عن رجل عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال (فیما سقت السماء العشر ، وفیما سقی بنضح ، أو غرب نصف العشر ، فی قلیله وكثیره).

قال :وهذا الإسناد لا یساوی شیئا ، أما أبو مطیع فقال ابن معین :لیس بشیء ، وقال أحمد رضی الله عنه :لا ینبغی أن یروی عنه ، وقال أبو داود :تركوا حدیثه ، وأما أبان فضعیف جدا ، ضعفه شعبة(نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة، ج۲ص۳۸۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

وبه قال أحمد و حدثنا علی بن إسحاق أنبأنا ابن المبارک قال أنبأنا معمر قال حدثنی سهیل بن أبی صالح عن أبیه عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه و سلم قال لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة ولا فیما دون خمس أواق صدقة و لا فیما دون خمس ذود صدقة احتجوا بما روی أبو مطیع البلخی عن أبی حنیفة عن أبان بن أبی عیاش عن رجل عن رسول الله صلی الله علیه و سلم قال فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بنضح أو غرب نصف العشر فی قلیله و كثیره وهذا إسناد لا یساوی شیئا أما أبو مطیع فقال یحیی بن معین لیس بشیء وقال أحمد لا ینبغی أن یروی عنه شیء وقال أبو داود تركوا حدیثه أما أبان فكان شعبة یقول لأن أزنی أحب إلی من أن أحدث عنه (التحقیق فی احادیث الخلاف لابن الجوزی، تحت رقم الحدیث ۹۶۲)

فیما سقت السماء العشر، وفیما سقی بنضح أو غرب نصف العشر فی قلیله وكثیره ."

موضوع بهذه الزیادة " :فی قلیله وكثیره ."

رواه أبو مطیع البلخی عن أبی حنیفة عن أبان بن أبی عیاش عن رجل عن رسول الله صلی الله علیه وسلم.

قلت :وهذا موضوع، أبو مطیع البلخی واسمه الحكم بن عبد الله صاحب أبی حنیفة قال أبو حاتم : كان كذابا، وقال الجوزجانی :كان من رؤساء المرجئة ممن یضع الحدیث، وضعفه سائر الأئمة، وقد اتهمه الذهبی بوضع حدیث یأتی عقب هذا، وأبان بن أبی عیاش متهم أیضا وقد مضی له أحادیث.

والحدیث أورده الزیلعی فی "نصب الرایة "(۲/۳۸۵) وقال :قال ابن الجوزی فی "التحقیق ": واحتجت الحنفیة بما روی أبو مطیع البلخی عن أبی حنیفة ...قال :وهذا الإسناد لا یساوی شیئا، أما أبو مطیع فقال ابن معین :لیس بشیء ، وقال أحمد لا ینبغی أن یروی عنه، وقال أبو داود :تركوا حدیثه، وأما أبان فضعیف جدا، ضعفه شعبة.

قلت :بل كذبه شعبة كما فی المیزان وقد تقدم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فرمایا کہ عشر کا سبب زمین کا نامی یعنی زمین سے پیداوار کا ہونا ہے، لہٰذا زمین کی پیداوار کی بنیاد پر عشر واجب ہوگا، خواہ وہ پیداوار زیادہ ہو یا تھوڑی۔ [1]

جبکہ دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ دلیل سے پیداوار کے نصاب کی نفی لازم نہیں آتی، جیسا کہ (سونے، چاندی، مالِ تجارت وغیرہ) کی عام زکاۃ واجب ہونے کا سبب مال کا نامی ہونا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا احادیث میں نصاب مقرر کردیا گیا ہے، اسی طرح سے زمین کی پیداوار کا نصاب بھی احادیث میں مقرر کردیا گیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومما يدل على كذب هذا الحديث أن البخارى أخرجه فى "صحيحه" من حديث ابن عمر دون قوله ": فى قليله وكثيره "وكذلك رواه مسلم من حديث جابر والترمذى من حديث أبى هريرة وهو مخرج فى "الإرواء" (۷۹۹) فهذه الزيادة باطلة ويزيدها بطلانا ما فى "الصحيحين" وغيرهما عنه صلى الله عليه وسلم "ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة "وهو مخرج فى " الإرواء "أيضا (۸۰۰) وبهذا الحديث الصحيح أخذ الإمام محمد خلافا لشيخه أبى حنيفة كما صرح به فى "كتاب الآثار "(ص ۵۲)

فهذا أيضا من آثار الأحاديث الضعيفة إيجاب ما لم يوجبه الله على عباده وعلى الرغم من هذا فإننا لا نزال نسمع بعضهم يجهر بمثل هذا الإيجاب أخذا بما تقتضيه المصلحة كما زعموا (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۴۶۳)

[1] ولأن السبب هى الأرض النامية مؤنة لها فوجب اعتباره قل أو كثر كالخراج (تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۹۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

[2] وقال أبو حنيفة: العشر واجب فى قليله وكثيره من غير اعتبار نصاب استدلالا بقوله تعالى: (وآتوا حقه يوم حصاده) فكان على عمومه فى قليله وكثيره وبعموم قوله - صلى الله عليه وسلم " :- فيما سقت السماء العشر ."

وروايته عن أبان بن أبى عياش عن رجل أن النبى -صلى الله عليه وسلم - قال "ما سقت السماء ففيه العشر، وما سقى بنضح أو غرب فنصف العشر "فى قليله وكثيره، ولأنه حق فى مال ليس من شرط وجوبه الحول فلم يكن من شرط وجوبه النصاب، كخمس الغنائم والركاز، ولأن للزكاة شرطين الحول، والنصاب فلما لم يكن الحول فى الثمار معتبرا لم يكن النصاب فيها معتبرا.

وتحريره قياسا: أن أحد شرطى الزكاة فوجب أن لا يعتبر فى الثمار كالحول ولأنه لو كان فى ابتدائه وقص يعفى عنه لكان فى انتهائه وقص يعفى عنه كالماشية، فلما لم يكن فى أثنائه عفو اقتضى أن لا يكون فى ابتدائه عفو.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ عشر ایک مالی حق اور مالی عبادت ہے، جس کے واجب ہونے کے لئے دوسری مالی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ودليلنا :رواية أبي سعيد الخدري أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - قال " :ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة "فتعلق الخبر بنفي الصدقة فيما دون خمسة أوسق وهو موضع الخلاف ودليله بينها في خمسة أوسق فما زاد، وهو موضع وفاق، وروى أبو سعيد وجابر أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - قال " :لا زكاة في زرع ولا نخل ولا كرم حتى يبلغ خمسة أوسق ."

وروى أبو الزبير عن جابر أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - قال " :لا زكاة في شيء من الحرث حتى يبلغ خمسة أوسق فذا بلغ خمسة أوسق ففيه الزكاة "والوسق ستون صاعا وهذه نصوص لا احتمال فيها، فإن قيل :ما دون الخمسة لا تجب فيه الزكاة، وإنما يجب فيه العشر ألا ترى أنا نأخذه من المكاتب والذمي وإن لم تؤخذ منهما الزكاة، قيل هذا فاسد من وجهين:

أحدهما :أن الشرع قد ورد بتسمية العشر زكاة، وهو قوله في حديث جابر لا زكاة في شيء من الحرث إلى قوله :فإذا بلغ خمسة أوسق ففيه الزكاة.

والثاني :أنه نفى عما دون الخمسة، ما أثبته في الخمسة، فلم يصح تأويلهم ولأنه جنس مال تجب فيه الزكاة فوجب أن يعتبر فيه النصاب كالفضة والذهب، ولأنه حق مال يجب صرفه في الأصناف الثمانية فوجب أن يعتبر فيه النصاب كالمواشي، ولأن كل حق تعلق بمال مخصوص اعتبر فيه قدر مخصوص كالذهب والفضة وعكسه حقوق الآدميين، ولأن النصاب إنما اعتبر في المواشي ليبلغ المال حدا يتسع للمواساة وهذا موجود في الثمار، فأما احتجاجهم فعام وما ذكرناه أخص، وأما الخبر وهو قوله (فيما سقت السماء العشر) فعنه جوابان :ترجيح واستعمال، فأما الترجيح فمن وجهين:

أحدهما :أن قوله "فيما سقت السماء العشر "بيان في الإخراج مجمل في المقدار، وقوله " :ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة "بيان في المقدار مجمل في الإخراج، فكان بيان المقدار من خبرنا قاضيا على إجمال المقدار من خبرهم، كما أن بيان الإخراج من خبرهم قاض على إجمال الإخراج من خبرنا.

والثاني :إن خبرهم متفق على تخصيص بعضه لأن أبا حنيفة لا يوجب في الحشيش والقصب والحطب ولا في أرض الخراج شيئا، وخبرنا خبر متفق على تخصيص بعضه، فكان أولى من خبرهم.

وأما الاستعمال ففي الخمسة الأوسق، لأنه أعم وخبرنا أخص فيستعملان معا وأما قياسهم على خمس الغنيمة والركاز، فالمعنى في الغنيمة :إنه لما لم يعتبر النصاب في شيء من جنسها بحال لم يكن معتبرا فيها بكل حال، ولما كان النصاب معتبرا في بعض أجناس الزكاة كان معتبرا في جميع أجناسها(الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني، ج۳ص ۲۱۰، ۲۱۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الثمار)

عبادات (زکاۃ، قربانی، فطرانہ وغیرہ) کی طرح غنی ومالدار ہونا شرط ہے، اور وہ نصاب احادیث میں پانچ وَسق بیان کردیا گیا ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عشر کے نصاب میں پانچ وسق کی مقدار اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ تقریباً اتنی مقدار ایک گھرانہ کے کمتر افراد مثلاً میاں، بیوی، خادم یا بیٹے اور اس کے مثل دیگر افراد کے لئے کافی ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] والحكمة فى اشتراط النصاب واضحة بيّنة، وهى أن الزكاة إنما هى ضريبة تؤخذ من الغنى مواساة للفقير، ومشاركة فى مصلحة الإسلام والمسلمين، فلا بد أن تؤخذ من مال يحتمل المواساة، ولا معنى لأن نأخذ من الفقير ضريبة، وهو فى حاجة إلى أن يُعان، لا أن يُعين، ومن ثَمَّ قال -صلى الله عليه وسلم " :-لا صدقة إلا عن ظهر غنى "رواه البخارى معلقًا .والإمام أحمد موصولاً كما سيأتى فى الشرط الرابع(فقه الزكاة،ليوسف القرضاوى، ج ا ،ص ١٥١ ،الباب الثالث ،الفصل الاول،بلوغ النصاب)

الحكم الثانى، أن الزكاة لا تجب فى شىء من الزروع والثمار حتى تبلغ خمسة أوسق .هذا قول أكثر أهل العلم؛ منهم ابن عمر، وجابر، وأبو أمامة بن سهل، وعمر بن عبد العزيز، وجابر بن زيد، والحسن، وعطاء ، ومكحول، والحكم، والنخعى، ومالك، وأهل المدينة، والثورى، والأوزاعى، وابن أبى ليلى، والشافعى، وأبو يوسف، ومحمد، وسائر أهل العلم.

لا نعلم أحدا خالفهم، إلا مجاهدا، وأبا حنيفة، ومن تابعه، قالوا :تجب الزكاة فى قليل ذلك وكثيره؛ لعموم قوله -عليه السلام :-فيما سقت السماء العشر .ولأنه لا يعتبر له حول فلا يعتبر له نصاب .ولنا، قول النبى -صلى الله عليه وسلم :-ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة .متفق عليه.

وهذا خاص يجب تقديمه، وتخصيص عموم ما رووه به، كما خصصنا قوله :فى سائمة الإبل الزكاة بقوله :ليس فيما دون خمس ذود صدقة .وقوله :فى الرقة ربع العشر بقوله :ليس فيما دون خمس أواق صدقة .ولأنه مال تجب فيه الصدقة، فلم تجب فى يسيره كسائر الأموال الزكائية، وإنما لم يعتبر الحول؛ لأنه يكمل نماؤه باستحصاده لا ببقائه، واعتبر الحول فى غيره؛ لأنه مظنة لكمال النماء فى سائر الأموال، والنصاب اعتبر ليبلغ حدا يحتمل المواساة منه، فلهذا اعتبر فيه، يحققه أن الصدقة إنما تجب على الأغنياء ، بما قد ذكرنا فيما تقدم، ولا يحصل الغنى بدون النصاب، كسائر الأموال الزكائية .اهـ.(المغنى لابن قدامة، ج٣، ص٧، فصل الحكم الثانى لا زكاة فى شىء من الزروع والثمار حتى تبلغ خمسة أوسق)

[2] أقول :إنما قدر من الحب والتمر خمسة أوسق لأنها تكفى أقل أهل بيت إلى سنة، وذلك لأن أقل البيت الزوج والزوجة وثالث خادم أو ولد بينهما، وما يضاهى ذلك من أقل البيوت، وغالب قوت الإنسان رطل أو مد من الطعام، فإذا أكل كل واحد من هؤلاء ذلك المقدار كفاهم لسنة، وبقيت بقية لنوائبهم أو إدامهم (حجة الله البالغة، ج٢، ص٦٢، مقادير الزكاة)

(۶)...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہ ہونے کی احادیث خاص اور منسوخ ہیں۔

اور ان احادیث کے مقابلہ میں وہ احادیث جن میں نصاب کی مقدار بیان کیے بغیر بعض صورتوں میں عشر اور بعض صورتوں میں نصف عشر واجب ہونے کا عام حکم بیان کیا گیا ہے، وہ ان احادیث کے لئے ناسخ (یعنی منسوخ کرنے والی) ہیں۔

مگر دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہ ہونے والی احادیث خاص ہیں، جن سے یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہیں، جبکہ عام احادیث سے یہ بات یقینی طور پر حاصل نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ اجتہاد وظن کے درجے میں حاصل ہوتی ہے، اور یقین کو اس طرح کے اجتہاد وظن پر ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے، اور اس کی دلالت عام کی دلالت کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتی ہے۔

اور یہ حکم اس صورت کو بھی شامل ہے، جبکہ عام اور خاص کی تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تقدیم وتاخیر متعین نہ ہو۔ [۱]

---

[۱] الرابع النص الخاص يخصص اللفظ العام فقول النبي صلى الله عليه وسلم لا قطع إلا في ربع دينار خصص عموم قوله تعالى (والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما) وقوله عليه السلام لا زكاة فيما دون خمسة أوسق خصص عموم قوله فيما سقت السماء العشر ولا فرق بين أن يكون العام كتابا أو سنة أو متقدما أو متأخرا وبهذا قال أصحاب الشافعي (روضة الناظر لابن قدامة حنبلي، ج۲، ص۶۳، ۶۴، باب العموم،فصل العام يجب اعتقاد عمومه في الحال)

جواز تخصيص الكتاب بخبر الواحد:

واختلفوا في جواز تخصيص الكتاب العزيز بخبر الواحد.

فذهب الجمهور إلى جوازه مطلقا، وذهب بعض الحنابلة إلى المنع مطلقا، وحكاه الغزالي في "المنخول "عن المعتزلة، ونقله ابن برهان عن طائفة من المتكلمين والفقهاء ، ونقله أبو الحسين بن القطان عن طائفة من أهل العراق.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کی کئی کتب میں اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، لیکن مذکورہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب عيسى بن أبان إلى الجواز إذا كان العام قد خص من قبل بدليل قطعي، متصلًا كان أو منفصلًا كذا حكاه صاحب "المحصول "وابن الحاجب في مختصر "المنتهى "عنه.

وقد سبق إلى حكاية ذلك عنه إمام الحرمين الجويني في "التلخيص"، وحكى غير هؤلاء عنه أنه يجوز تخصيص العام بالخبر الأحادي إذا كان قد دخله التخصيص من غير تقييد لذلك يكون المخصص الأول قطعيا.

وذهب الكرخي إلى الجواز إذا كان العام قد خص من قبل بدليل منفصل، سواء كان قطعيًا أو ظنيًا، وإن خص بدليل متصل أو لم يخص أصلًا لم يجز وذهب القاضي أبو بكر إلى الوقف

وحكى عنه أنه قال :يجوز التعبد بوروده، ويجوز أن يرد لكنه لم يقع.

وحكى عنه أيضًا أنه لم يرد، بل ورد المنع، ولكن الذي اختاره لنفسه هو الوقف، كما حكى ذلك عنه الرازي في "المحصول."

واستدل في "المحصول "على ما ذهب إليه الجمهور :بأن العموم وخبر الواحد دليلان متعارضان، وخبر الواحد أخص من العموم، فوجب تقديمه على العموم.

واحتج ابن السمعاني على الجواز بإجماع الصحابة، فإنهم خصوا قوله تعالى :(يوصيكم الله في اولادكم)بقوله صلى الله عليه وسلم" :إنا معشر الأنبياء لا نورث "، وخصوا التوارث بالمسلمين عملًا بقوله صلى الله عليه وسلم" :لا يرث المسلم الكافر "وخصوا قوله :(اقتلوا المشركين)بخبر عبد الرحمن بن عوف في المجوس وغير ذلك كثير.

وأيضًا يدل على جواز التخصيص، دلالة بينة واضحة ما وقع من أوامر الله عز وجل باتباع نبيه صلى الله عليه وسلم، من غير تقييد، فإذا جاء عنه الدليل كان اتباعه واجبًا، وإذا عارضه عموم قرآني كان سلوك طريقة الجمع ببناء العام على الخاص متحتمًا، ودلالة العام على أفراده ظنية لا قطعية فلا وجه لمنع تخصيصه بالأخبار الصحيحة الآحادية.

وقد استدل المانعون مطلقًا بما ثبت عن عمر رضي الله عنه في قصة فاطمة بنت قيس حيث لم يجعل لها سكنى ولا نفقة كما في حديثها الصحيح فقال عمر" :كيف نترك كتاب ربنا لقول امرأة "يعني قوله :(أسكنوهن)

وأجيب عن ذلك :بأنه إنما قال هذه المقالة لتردده في صحة الحديث، لا لرده تخصيص عموم الكتاب بالسنة الآحادية، فإنه لم يقل كيف نخصص عموم كتاب ربنا بخبر آحادي بل قال " :كيف نترك كتاب ربنا لقول امرأة."

ويؤيد ذلك ما في صحيح مسلم وغيره بلفظ " :قال عمر :لا نترك كتاب الله وسنة نبينا قول امرأة لعلها حفظت أو نسيت"

فأفاد هذا أن عمر رضي الله عنه إنما تردد في كونها حفظت أو نسيت، ولو علم بأنها حفظت ذلك وأدته كما سمعته لم يتردد في العمل بما روته.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دلائل کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک عشر کے نصاب کا پانچ وسق ہونا راجح ہے، پھر چونکہ ایک تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال ابن السمعانی :إن محل الخلاف فی أخبار الآحاد التی لم تجمع الأمة علی العمل بها.
أما ما أجمعوا علیه کقوله" :لا میراث لقاتل "و"لا وصیة لوارث "فیجوز تخصیص العموم به قطعًا، ویصیر ذلک کالتخصیص بالمتواتر، لانعقاد الإجماع علی حکمها ولا یضر عدم انعقاده علی روایتها.
وکما یجوز تخصیص عموم القرآن بخبر الآحاد، کذلک یجوز "تخصیص العموم المتواتر من السنة بأخبار الآحاد، ویجری فیه الخلاف السابق فی تخصیص عموم القرآن السابق کما صرح القاضی أبو بکر الباقلانی وإمام الحرمین الجوینی وغیرهما(إرشاد الفحول،للشوکانی،ج ا،ص۳۸۷ الیٰ ۳۸۹،الفصل الرابع :فی الخاص والتخصیص والخصوص،المسألة الثانیة والعشرون)
وأجاب بعض الحنفیة بأن محل ذلک إذا کان البیان وفق المبین لا زائدا علیه ولا ناقصا عنه، أما إذا بقی شیء من أفراد العام مثلا فیمکن التمسک به کحدیث أبی سعید هذا، فإنه دل علی النصاب فیما یقبل التوسیق وسکت عما لا یقبله، فیمکن التمسک بعموم قوله :فیما سقت السماء العشر .
أی فیما لا یمکن التوسیق فیه عملا بالدلیلین کذا قال، ولا یصح له هذا الجواب ;لأنه یقتضی أن ما نقص عن الخمسة مما یوسق لا زکاة فیه مع أنه یقول بزکاته ولو وسقا فأقل(شرح الزرقانی علی المؤطا، ج۲ص۱۸۸، باب زکاة ما یخرص من ثمار النخیل والأعناب)
فحدیث أنس عام یوجب الصدقة فی قلیل ما تنبت الأرض من الزرع والثمر وفی کثیره ، وحدیث أبی سعید خاص فی أن الصدقة إنما تجب فیما بلغ خمسة أوسق فصاعدا ، وأما ما قصر عن ذلک فلا صدقة فیه والواجب فی مثل هذا أن یقضی بالخاص علی العام لقوته ، فإن الخاص یتناول الحکم بلفظ لا احتمال فیه ، والعام یتناوله بلفظ محتمل ، فوجب أن یقضی بالخاص علیه وأما إذا کان کل واحد من اللفظین عاما من وجه وخاصا من وجه فیمکن أن یخص بکل واحد منها عموم الآخر (الفقیه والمتفقه للخطیب البغدادی، ج ا ص۲۹۸، باب من العام والخاص إذا تعارض لفظان عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ,وکان أحدهما عاما والآخر خاصا)
وقال أبو حنیفة :لیس فی الحبوب والثمار نصاب.
وسبب اختلافهم :معارضة العموم للخصوص.
أما العموم، فقوله علیه الصلاة والسلام :فیما سقت السماء العشر، وفیما سقی بالنضح نصف العشر
أما الخصوص، فقوله علیه الصلاة والسلام لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة.
والحدیثان ثابتان، فمن رأی أن الخصوص یبنی علی العموم قال :لا بد من النصاب وهو المشهور ومن رأی أن العموم، والخصوص متعارضان، إذا جهل المتقدم فیهما والمتأخر، إذ کان قد ینسخ الخصوص بالعموم عنده، وینسخ العموم بالخصوص، إذ کل ما وجب العمل به جاز نسخه، والنسخ قد یکون للبعض وقد یکون للکل، ومن رجح العموم، قال :لا نصاب، ولکن حمل الجمهور عندی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ قول جمہور فقہاء وعلماء کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو اہم شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا بھی ہے، اس لئے حنفیہ کے ایک قول کے مطابق اس کو اختیار کر لینے کی گنجائش ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخصوص على العموم، هو من باب ترجيح الخصوص على العموم فى الجزء الذى تعارضا فيه، فإن العموم فيه ظاهر، والخصوص فيه نص، فتأمل هذا فإنه السبب الذى صير الجمهور إلى أن يقولوا بنى العام على الخاص وعلى الحقيقة ليس بنيانا فإن التعارض بينهما موجود إلا أن يكون الخصوص متصلا بالعموم فيكون استثناء .

واحتجاج أبى حنيفة فى النصاب بهذا العموم فيه ضعف فإن الحديث إنما خرج مخرج تبيين القدر الواجب منه(بداية المجتهد لابن رشد، ج ۲ ص ۲۷، كتاب الزكاة، الفصل الخامس فى نصاب الحبوب والثمار والقدر الواجب فى ذلك)

[1] مطلب مهم إذا حكم الحنفى بما ذهب إليه أبو يوسف أو محمد لم يكن حاكما بخلاف مذهبه (قوله :فللحنفى المقلد إلخ) أفاد أن المراد بقوله قضى بجوازه ما يشمل قضاء الحنفى وإنما خصه بالتفريع لئلا يتوهم أن المراد به من مذهب آخر لأن إمام مذهبنا غير قائل به، لكن لما كان قول أصحابه غير خارج عن مذهبه صح حكم مقلده به ولذا قال فى الدرر من كتاب القضاء عند الكلام على قضاء القاضى، بخلاف مذهبه أن المراد به خلاف أصل المذهب كالحنفى إذا حكم على مذهب الشافعي، وأما إذا حكم الحنفى بما ذهب إليه أبو يوسف أو محمد أو نحوهما من أصحاب الإمام فليس حكما بخلاف رأيه .اهـ .فقد أفاد أن أقوال أصحاب الإمام غير خارجة عن مذهبه، فقد نقلوا عنهم أنهم ما قالوا قولا إلا هو مروى عن الإمام كما أوضحت ذلك فى شرح منظومتى فى رسم المفتى (رد المحتار، ج۴، ص ۳۶۲، كتاب الوقف،مطلب التحديد فى وقف العقار)

إذا حكم الحنفى بمذهب أبى يوسف أو محمد أو نحوهما من أصحاب الإمام فليس حكما بخلاف رأيه، درر أى لأن أصحاب الإمام ما قالوا بقول إلا قد قال به الإمام كما أوضحت ذلك فى شرح منظومى فى رسم المفتى (رد المحتار، ج۴، ص۴۰۷، كتاب القضاء)

أقوال أبى يوسف ومحمد وغيرهما مبنية على قواعد أبى حنيفة أو هى أقوال مروية عنه وإنما نسبت إليهم لا إليه لاستنباطهم لها من قواعده أو لاختيارهم إياها كما أوضحت ذلك فى صدر حاشيتى على الدر المختار بما لا مزيد عليه فارجع إليه .ويؤيد ما مر عن الشلبى من حكم القضاة الماضين بذلك وكذا ما فى الدرر من كتاب القضاء عند قوله القضاء فى مجتهد فيه بخلاف رأيه ناسيا مذهبه ، نافذ عند أبى حنيفة ولو عامدا ففيه روايتان حيث قال ما نصه والمراد بخلاف الرأى خلاف أصل المذهب كالحنفى إذا حكم على مذهب الشافعي أو نحوه أو بالعكس .

وأما إذا حكم الحنفى بما ذهب إليه أبو يوسف أو محمد أو نحوهما من أصحاب الإمام فليس حكما بخلاف رأيه اهـ فتأمل ثم رأيت فى فتاوى العلامة أمين الدين بن عبد العال ما نصه ومتى أخذ المفتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اس قول کے دلائل بھی انتہائی قوی ہیں۔ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقول واحد من أصحاب أبی حنیفة یعلم قطعا أن القول الذی أخذ به هو قول أبی حنیفة فإنه روی عن جمیع أصحاب أبی حنیفة من الکبار کأبی یوسف ومحمد وزفر والحسن أنهم قالوا ما قلنا فی مسألة قولا إلا وهی روایة عن أبی حنیفة وأقسموا علیه أیماناغلاظا فإن کان الأمر کذلک والحالة هذه لم یتحقق بحمد الله تعالی فی الفقه جواب ولا مذهب إلا له کیفما کان وما نسب إلی غیره إلا مجازا وهو کقول القائل قولی قوله ومذهبی مذهبه ۔اھـ(تنقیح الفتاوی الحامدیة، ج۲، ص۲۰۸، کتاب الوقف،الباب الأول)

لے وذکر ابن المنذر أن علماء الأمصار زعموا أن الزکاة لیست واجبة فیما دون خمسة أوسق، إلا أبا حنیفة وحده قال :تجب فی کل ما أخرجته الأرض من قلیل أو کثیر إلا الحطب والقضب والحشیش والشجر الذی لیس له ثمر.

والحدیث دال علی عدم وجوب الزکاة فیما کان دون هذا المقدار، ووجوبها فی هذا المقدار فما فوقه.

والمراد بالصدقة :الزکاة .وقد سمی الله تعالی الزکاة صدقة فقال :(خذ من أموالهم صدقة)وقام الإجماع علی أن ما دون خمس ذود من الإبل لا صدقة فیه کما ستعلمه فی بابه (التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن، ج۱۰ ص۲۵۶، باب ما ادی زکاته فلیس بکنز)

وهذا الذی قاله البخاری علیه أئمة الفتوی بالأمصار .وإن الخمسة الأوسق هو بیان المقدار المأخوذ فیه کما أسلفناه فی الباب قبله .وشذ أبو حنیفة، وزفر فی ذلک.

قال ابن بطال :وقیل :إنهما خالفا الإجماع فأوجبا فی قلیل ما تخرج الأرض وکثیره، وخالفه صاحباه فی ذلک، قال ابن القصار :والحجة علیه أن ما طریقه المواساة فی الصدقة یقتضی أوله حدا ونصابا، کالذهب، والماشیة، والنصاب إنما وضع فی المال لمبلغ الجزء الذی یحمل المواساة بغیر إجحاف برب المال، ولا یعذر علیه(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن، ج۱۰ ص۵۶۱،۵۶۲،باب لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة)

وفی هذا الحدیث فائدتان إحداهما وجوب الزکاة فی هذه المحدودات الثانیة أنه لا زکاة فیما دون ذلک ولا خلاف بین المسلمین فی هاتین إلا ما قال أبو حنیفة وبعض السلف إنه تجب الزکاة فی قلیل الحب وکثیره وهذا مذهب باطل منابذ لصریح الأحادیث الصحیحة(شرح النووی علی مسلم، ج۷ص۴۹، کتاب الزکاة)

قال المؤلف :هذا الذی رواه البخاری علیه أئمة الفتوی بالأمصار، وأن الخمسة الأوسق هو بیان المقدار المأخوذ منه العشر، أو نصف العشر، وشذ أبو حنیفة وزفر فی ذلک، وقیل :أنهما خالفا الإجماع، فأوجبا العشر أو نصف العشر فی قلیل ما تخرجه الأرض وکثیره، وخالفه صاحباه فی ذلک .وقال ابن القصار :الحجة علیه أن ما طریقه المواساة فی الصدقات یقتضی أوله حدا ونصابا کالذهب والفضة والماشیة، والنصاب إنما وضع فی المال لمبلغ الحد الذی یحمل المواساة من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غير إجحاف لرب المال، ولا تعذر عليه(شرح صحيح البخارى لابنِ بطال، ج۳ص ۵۳۱،باب ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة)

وحديث ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة مخصص لعموم حديث جابر المتقدم فى أول الباب ولحديث ابن عمر المذكور بعده لأنهما يشملان الخمسة الأوسق وما دونها، وحديث أبى سعيد هذا خاص بقدر الخمسة الأوسق فلا تجب الزكاة فيما دونها.

وإلى هذا ذهب الجمهور وذهب ابن عباس وزيد بن على والنخعى وأبو حنيفة إلى العمل بالعام، فقالوا :تجب الزكاة فى القليل والكثير ولا يعتبر النصاب وأجابوا عن حديث الأوساق بأنه لا ينتهض لتخصيص حديث العموم لأنه مشهور وله حكم المعلوم، وهذا إنما يتم على مذهب الحنفية القائلين بأن دلالة العموم قطعية، وأن العمومات القطعية لا تخصص بالظنيات، ولكن ذلك لا يجزى فيما نحن بصدده، فإن العام والخاص ظنيان كلاهما، والخاص أرجح دلالة وإسنادا فيقدم على العام تقدم أو تأخر أو قارن على ما هو الحق من أنه يبنى العام على الخاص مطلقا وهكذا يجب البناء إذا جهل التاريخ، وقد قيل :إن ذلك إجماع، والظاهر أن مقام النزاع من هذا القبيل وقد حكى ابن المنذر الإجماع على أن الزكاة لا تجب فيما دون خمسة أوسق مما أخرجت الأرض، إلا أن أبا حنيفة قال :تجب فى جميع ما يقصد بزراعته نماء الأرض إلا الحطب والقضب والحشيش والشجر الذى ليس له ثمر انتهى(نيل الاوطار للشوكانى، ج۴ص۱۶۸، ۱۶۹، باب زكاة الزرع والثمار)

وإذا كنا رجحنا قول أبى حنيفة فى إيجاب الزكاة فى كل ما أخرجت الأرض، فإننا نخالفه فى عدم اعتبار النصاب، وإيجاب العُشر فى القليل والكثير من الزرع والثمر، فإن هذا مخالف للحديث الصحيح الذى نفى وجوب الزكاة عما دون خمسة أوسق، ومخالف لنظرية الشريعة -بصفة عامة- فى إيجاب الزكاة على الأغنياء وحدهم، والنصاب هو الحد الأدنى للغنى، ولهذا اعتبر النصاب فى سائر الأموال الزكوية.

ولا يجوز معارضة حديث " :ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة "بحديث" :فيما سقت السماء العُشر "بدعوى أن هذا عام، وقد عارضه ذلك الخاص، ودلالة العام قطعية كالخاص، وإذا تعارضا قُدِّم الأحوط، وهو الوجوب.

نعم ..لا يقال ذلك، بل يقال ما قاله ابن القيم فى هذا الموضع:

يجب العمل بكلا الحديثين، ولا يجوز معارضة أحدهما بالآخر، ولا إلغاء أحدهما بالكلية، فإن طاعة الرسول -صلى الله عليه وسلم -فرض فى هذا وفى هذا، ولا تعارض بينهما -بحمد الله تعالى- بوجه من الوجوه، فإن قوله " :فيما سقت السماء العُشر "إنما أريد به التمييز بين ما يجب فيه العُشر، وما يجب فيه نصفه، فذكر النوعين مفرقًا بينهما فى مقدار الواجب، وأما مقدار النصاب فسكت عنه فى هذا الحديث، وبينه نصًا فى الحديث الآخر، فكيف يجوز العدول عن النص

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دلائل کے قوی ہونے کی صورت میں بطورِ خاص صاحبین کے قول پر فتوے وعمل کی صراحت حنفیہ کی کتب میں بھی موجود ہے۔ ل

ملحوظ رہے کہ متعدد صحابہ وتابعین وغیرہ سے وسق کی مقدار ساٹھ (60) صاع منقول ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصحيح الصريح المحكم، الذى لا يحتمل غير ما أول عليه البتة، إلى المجمل المتشابه الذى غايته أن يتعلق فيه بعموم لم يقصدوا بيانه بالخاص المحكم المبين كبيان سائر العمومات بما يخصصها من النصوص "؟(اعلام الموقعين، ج۳ص ۲۲۹، ۲۳۰)

وقال ابن قدامة:لنا قول النبى -صلى الله عليه وسلم" :-ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة "(متفق عليه)، وهذا خاص يجب تقديمه وتخصيص عموم ما رووه به، كما خصصنا قوله" :فى كل سائمة من الإبل الزكاة "بقوله" :ليس فيما دون خمس ذود صدقة "، وقوله " :فى الرقة ربع العُشر " بقوله ":ليس فيما دون خمس أواق صدقة "ولأنه مال تجب فيه الصدقة، فلم تجب فى يسيره، كسائر الأموال الزكوية.

"وإنما لم يعتبر الحَوْل، لأنه يكمل نماؤه باستحصاده لا ببقائه، واعتبر الحَوْل فى غيره، لأنه مظنة لكمال النماء فى سائر الأموال، والنصاب اعتبر ليبلغ حدًا يحتمل المواساة منه، فلهذا اعتبر فيه.

"يحققه :أن الصدقة إنما تجب على الأغنياء ، ولا يحصل الغنى بدن النصاب كسائر الأموال الزكوية(المغنى ج۲ص ۲۹۵، ۲۹۶) (فقه الزكاة ليوسف القرضاوى، ج ا، ص ۳۶۲ الىٰ ص ۳۶۴، الباب الثالث، الفصل الرابع، المبحث الثالث، النصاب فى زكاة الزروع والثمار)

ل مطلب صح عن الإمام أنه قال :إذا صح الحديث فهو مذهبى.قلت :قد يجاب بأن الإمام لما أمر أصحابه بأن يأخذوا من أقواله بما يتجه لهم منها عليه الدليل صار ما قالوه قولا له لابتنائه على قواعده التى أسسها لهم، فلم يكن مرجوعا عنه من كل وجه، فيكون من مذهبه أيضا، ونظير هذا ما نقله العلامة بيرى فى أول شرحه على الأشباه عن شرح الهداية لابن الشحنة، ونصه :إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث، ويكون ذلك مذهبه ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به، فقد صح عنه أنه قال :إذا صح الحديث فهو مذهبى .وقد حكى ذلك ابن عبد البر عن أبى حنيفة وغيره من الأئمة .اهـ .ونقله أيضا الإمام الشعرانى عن الأئمة الأربعة.

ولا يخفى أن ذلك لمن كان أهلا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها،فإذا نظر أهل المذهب فى الدليل وعملوا به صح نسبته إلى المذهب لكونه صادرا بإذن صاحب المذهب، إذ لا شك أنه لو علم ضعف دليله رجع عنه واتبع الدليل الأقوى؛ ولذا رد المحقق ابن الهمام على بعض المشايخ حيث أفتوا بقول الإمامين بأنه لا يعدل عن قول الإمام إلا لضعف دليله (ردالمحتار، ج ا ص۶۷، مقدمة)

۲ عن أبى البخترى ، عن أبى سعيد ، قال :الوسق ستون صاعا (مصنف ابنِ شيبة، رقم الحديث ۱۰۱۰۵ ، باب فى الوسق ، كم هو؟)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور فقہائے کرام کے نزدیک بھی پانچ وسق کی مقدار ساٹھ صاع ہی معتبر ہے۔ [1]

اور موجودہ اوزان کے لحاظ سے بہت سے اہلِ علم حضرات نے پانچ وسق کی مقدار تقریباً پچیس من (یا ایک ہزار کلو) بیان کی ہے (ملاحظہ ہو: حاشیہ درسِ ترمذی، ج۲ص ۴۳۸، باب ماجاء فی صدقۃ الزرع والثمر والحبوب)

تاہم پھر بھی اگر کوئی احتیاطاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کر کے تھوڑی اور زیادہ ہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :الوسق ستون صاعا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۰۷)

عن أبی قلابة (ح) وعن أبی الزبير ، عن جابر ، قالا :الوسق ستون صاعا (ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۱۱)

عن الحسن (ح) ومغيرة ، عن إبراهيم ، قالا :الوسق ستون صاعا (ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۰۶)

حدثنا هشيم ، عن مغيرة ، عن الحسن (ح) ومغيرة ، عن إبراهيم ، قال :الوسق ستون صاعا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۰۹)

عن خالد ، عن أبی قلابة ، قال :الوسق ستون صاعا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۰۸)

عن أشعث ، عن أيوب ، عن أبی قلابة (ح) وعن أبی الزبير ، عن جابر ، قالا :الوسق ستون صاعا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۱۰)

عن محمد بن سالم ، عن الشعبی ، قال :الوسق ستون صاعا (ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۱۲)

عن هشام ، عن الحسن ، قال :الوسق ستون صاعا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۱۳)

عن الأوزاعی ، عن الزهری ، قال :الوسق ستون صاعا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۱۴)

عن عطاء ، وعن قتادة ، عن سعيد بن المسيب ، قال :الوسق ستون صاعا (ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۱۱۵)

[1] جاء ت الأحاديث الصحيحة بتقدير النصاب فی الحبوب والثمار بخمسة أوسق، وأجمع العلماء أن الوسق ستون صاعًا، فالأوسق الخمسة ثلاثمائة صاع، وقد روی فی ذلک حديث مرفوع" :الوسق ستون صاعًا"، ولكن الحديث ضعيف .(رواه ابن ماجة عن جابر وإسناده ضعيف، ورواه أبو داود والنسائی وابن ماجة من طريق أبی البختری عن أبی سعيد مرفوعًا، وهو منقطع، لأن أبا البختری لم يسمع من أبی سعيد كما قال البخاری، بل لم يدركه كما قال أبو حاتم، ورواه الدارقطنی عن عائشة، وهو ضعيف أيضًا، وقد بين الحافظ ضعفه من كل طرقه فی التلخيص ص۱۸۰ -طبع الهند) والاعتماد فی هذا التقدير علی الإجماع الذی نقله ابن المنذر وغيره .(انظر المجموع: ج۵ص۴۴۷(فقه الزكاة ليوسف القرضاوی، ج ۱، ص ۳۶۴، الباب الثالث، الفصل الرابع، المبحث الثالث، نصاب الحبوب والثمار)

پیداوار کا عشر ادا کرے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، بلکہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اسی کے ساتھ پانچ وسق کا قول صحیح احادیث سے ثابت ہونے اور مالی عبادت کے وجوب میں غنا کے تحقق کے قاعدہ اور بعض دوسری وجوہات کی بناء پر ہمارے نزدیک زیادہ راجح اور قوی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

عشر کے نصاب سے متعلق مسائل

مذکورہ تفصیل کے بعد اب عشر کے نصاب سے متعلق فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں متعلقہ مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لیے پیداوار کی مقدار مقرر نہیں، بلکہ جتنی پیداوار بھی حاصل ہو، اس کا عشر ادا کیا جائے گا۔ [۱]

اور اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر پھل یا فصل یا سبزی تھوڑی تھوڑی توڑی اور کاٹی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ جتنی مقدار توڑتے اور کاٹتے جائیں، اس کا عشر ادا کرتے جائیں (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۴۵)

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ امام ابو یوسف، امام محمد اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک

---

[۱] البتہ بعض حنفیہ کے بقول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر حاصل ہونے والی پیداوار کی مقدار صاع (یعنی ساڑھے تین سیر) اور بعض کے بقول نصف صاع (یعنی پونے دو سیر) سے بھی کم ہو تو اس صورت میں عشر واجب نہیں، مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس مقدار کے نصاب ہونے کی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی تصریح ہماری نظر سے نہیں گزری، اور اس مقدار کو عشر کے نصاب سے تعبیر کرنا بھی مناسب نہیں، اور اصل یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر کا نصاب مقرر نہیں، عام فقہائے کرام نے بھی اسی اطلاق کے ساتھ اس مسئلہ کو ذکر فرمایا ہے، البتہ بعض مشائخ نے صاع یا نصف صاع کا قول کیا ہے۔

فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً وقیل نصفہ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۲۶، باب العشر)

(قال أبو حنیفة فی قلیل ما أخرجته الأرض وکثیرہ العشر) حد القلیل الصاع وما دونہ لا شیء فیہ وقیل حدہ نصف صاع (الجوہرة النیرة، ج ۱ ص ۱۲۵، کتاب الزکاة، باب زکاة الزروع والثمار)

عشر واجب ہونے کے لئے پیداوار کا نصاب پانچ وسق (تقریباً پچیس من یا ایک ہزار کلو) مقرر ہے، اوران حضرات کے نزدیک اگر پیداوار کی مقدار اس سے کم ہو، تو عشر واجب نہیں ہوتا، اور ہمارے نزدیک یہی راجح بھی ہے، جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... اگر پیداوار کا تعلق ایسی زمین سے ہو، جو ایک سے زیادہ افراد کے درمیان مشترک ہو، اوران افراد میں سے ہر ایک کے حصہ میں الگ الگ پانچ وسق کی مقدار نہ آئے، تو جو حضرات عشر کے واجب ہونے میں نصاب کے قائل ہیں، ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں کسی فرد پر بھی عشر واجب نہیں ہوگا، البتہ اگر کسی شریک کے حصہ میں نصاب کے بقدر پیداوار آئے، تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ [2]

---

[1] وشرط أبو يوسف ومحمد فى وجوب زكاته أن يبلغ خمسة أوسق وأوجبها أبو حنيفة فى قليله وكثيره قال ابن المنذر لبس فى زكاته حديث صحيح ولا إجماع فلا زكاة فيه والله تعالى أعلم(المجموع شرح المهذب، ج۵ص ۴۵۶، ۴۵۷، باب زكاة الثمار)

ولا يجب العشر فى الثمرة حتى تبلغ نصابا وهو خمسة أوسق .

وقال أبو حنيفة من الفقهاء وحده يجب العشر فى قليل ذلك وكثيره وخالفه صاحباه أبو يوسف ومحمد(حلية العلماء فى معرفة مذاهب الفقهاء ، ج۳ص ۶۴ ، باب زكاة الثمار)

[2] مگر شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق جو مال مشترک اور مختلط ہو، اور اس کا مجموعہ پانچ وسق نصاب کو پہنچ جاتا ہو، تو اس کا عشر واجب ہوتا ہے۔

والمعتبر فى قدر النصاب اتحاد المالك، فإن كان الزرع والثمر مشتركا، أو مختلطا فلا زكاة فيه ما لم يبلغ ما يملكه المزكى منه وحده نصابا، وذهب الشافعية إلى أن المال المشترك والمختلط يزكى زكاة مال واحد فإن بلغ مجموعه نصابا زكى، وإلا فلا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۸۳ ،مادة "زكاة")

ومما يتفرع على قولهما الأرض المشتركة إذا أخرجت خمسة أوسق أنه لا عشر فيها حتى تبلغ حصة كل واحد منهما خمسة أوسق.

وروى الحسن عن أبى يوسف أن فيها العشر.

وجه هذه الرواية أن المالك ليس بشرط لوجوب العشر بدليل أنه يجب فى الأرض الموقوفة وأرض المكاتب وأرض المأذون وإنما الشرط كمال النصاب وهو خمسة أوسق وقد وجد والصحيح هو الأول؛ لأن النصاب عندهما شرط الوجوب فيعتبر كماله فى حق كل واحد منهما كما فى مال الزكاة على ما بينا(بدائع الصنائع، ج۲، ص ۶۱ ، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع والثمار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... زمین سے پیدا ہونے والی جس چیز کی عام طور پر ناپ تول نہیں کی جاتی، جیسا کہ روئی، زعفران اور شہد، ایسی چیز میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق قابلِ عشر ادنیٰ چیز کی قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی جب اس طرح کی پیداوار اتنی مقدار میں ہو کہ اس کی مالیت قابلِ عشر ناپ تول کی جانے والی ادنیٰ چیز کی پانچ وسق کی مالیت یا قیمت کو پہنچ جائے، تو عشر واجب ہوگا، ورنہ عشر واجب نہیں ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسألة :قال :(وإن اختلطوا في غير هذا، أخذ من كل واحد منهم على انفراده، إذا كان ما يخصه تجب فيه الزكاة) ومعناه أنهم إذا اختلطوا في غير السائمة، كالذهب والفضة وعروض التجارة والزروع والثمار، لم تؤثر خلطتهم شيئا، وكان حكمهم حكم المنفردين .وهذا قول أكثر أهل العلم .وعن أحمد رواية أخرى، أن شركة الأعيان تؤثر في غير الماشية، فإذا كان بينهم نصاب يشتركون فيه، فعليهم الزكاة.

وهذا قول إسحاق والأوزاعي في الحب والثمر .والمذهب الأول .قال أبو عبد الله :الأوزاعي يقول في الزرع، إذا كانوا شركاء فخرج لهم خمسة أوسق، يقول :فيه الزكاة .قاسه على الغنم، ولا يعجبني قول الأوزاعي وأما خلطة الأوصاف، فلا مدخل لها في غير الماشية بحال، لأن الاختلاط لا يحصل .وخرج القاضي وجها آخر، أنها تؤثر؛ لأن المئونة تخف إذا كان الملقح واحدا، والصعاد، والناطور، والجرين، وكذلك أموال التجارة؛ الدكان واحد، والمخزن والميزان والبائع، فأشبه الماشية .ومذهب الشافعي على نحو مما حكينا في مذهبنا .والصحيح أن الخلطة لا تؤثر في غير الماشية، لقول النبي -صلى الله عليه وسلم :-والخليطان ما اشتركا في الحوض والفحل والراعي . فدل على أن ما لم يوجد فيه ذلك لا يكون خلطة مؤثرة، وقول النبي -صلى الله عليه وسلم :-لا يجمع بين متفرق، خشية الصدقة (المغني لابنِ قدامة، ج ۲ص ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الغنم)

[1] اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق قابلِ عشر ادنیٰ چیز کے بجائے پانچ قابلِ عشر اشیاء یعنی گندم، جو، مکئی، کھجور اور کشمش میں سے کسی بھی ایک چیز کے پانچ وسق کی مالیت کو پہنچ جانے سے عشر واجب ہوتا ہے۔

هذا الذي ذكرنا من اعتبار الأوسق عندهما فيما يدخل تحت الكيل وأما ما لا يدخل تحت الكيل كالقطن والزعفران فقد اختلفا فيما بينهما.

قال أبو يوسف :يعتبر فيه القيمة وهو أن يبلغ قيمة الخارج قيمة خمسة أوسق من أدنى ما يدخل تحت الوسق من الحبوب، وقال محمد :يعتبر خمسة أمثال أعلى ما يقدر به ذلك الشيء فالقطن يعتبر بالأحمال فإذا بلغ خمسة أحمال يجب وإلا فلا ويعتبر كل حمل ثلثمائة من فتكون جملته ألفا وخمسمائة من، والزعفران يعتبر بالأمنان فإذا بلغ خمسة أمنان يجب وإلا فلا، وكذلك في السكر يعتبر خمسة أمنان.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ وسق کا تعلق ناپ تول والی چیز سے ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجه قول محمد أن التقدير بالوسق فی الموسوقات لكون الوسق أقصى ما يقدر به فی بابه وأقصى ما يقدر به فی غير الموسوق ما ذكرنا فوجب التقدير به ولأبی يوسف أن الأصل هو اعتبار الوسق؛ لأن النص ورد به غير أنه إن أمكن اعتباره صورة ومعنى يعتبر وإن لم يمكن يجب اعتباره معنى وهو قيمة الموسوق (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۶۱، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع والثمار)

وقال أبو يوسف فيما لا يوسق كالزعفران والقطن يجب فيه العشر إذا بلغت قيمته خمسة أوسق من أدنى ما يدخل تحت الوسق كالذرة والدخن؛ لأنه لا نص فيهما، ولا سبيل إلى نصب النصاب بالرأی، فيعتبر قيمة المنصوص عليه كما فی عروض التجارة، واعتبرنا بالأدنى نظرا للفقراء .

وقال محمد :إذا بلغ الخارج خمسة أمثال أعلى ما يقدر به نوعه وجب العشر، ففی القطن خمسة أحمال، كل حمل ثلاثمائة من، ويروى ثلاثمائة وعشرون منا، وفی الزعفران والسكر خمسة أمنان، كما اعتبر فی المنصوص أعلى ما يقدر به وهو الوسق، فكان معنى جامعا فصح القياس(الاختيار لتعليل المختار، ج۱، ص۱۱۴، باب زكاة الزروع والثمار)

ج -نصاب العسل:

يرى الحنابلة والزهری أن نصاب العسل عشرة أفراق، لما روی عن عمر رضی الله عنه أن أناسا سألوه، فقالوا :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قطع لنا واديا باليمن فيه خلايا من نحل، وإنا نجد ناسا يسرقونها، فقال عمر رضی الله عنه :إن أديتم صدقتها عن كل عشرة أفراق فرقا حميناها لكم وهذا تقدير من عمر رضی الله عنه فيتعين المصير إليه ورجح ابن قدامة أن الفرق ستة عشر رطلا بالعراقی فيكون نصاب العسل مائة وستين رطلا .

وأما أبو حنيفة فيرى وجوب العشر فی قليل العسل وكثيره:؛ لأنه لا يشترط النصاب فی العشر .

وقال أبو يوسف :ليس فيما دون خمسة أوسق من العسل العشر، قال السرخسی :مراد أبی يوسف من هذا اللفظ أن تبلغ قيمته قيمة خمسة أوسق من أدنى ما يدخل تحت الوسق، فالحاصل أن ما لا يدخل تحت الوسق كالقطن والزعفران، والسكر والعسل، عند أبی يوسف تعتبر القيمة فيه ؛ لأن نصب النصاب بالرأی لا يكون، ولكن فيما فيه نص يعتبر المنصوص، وما لا نص فيه المعتبر هو القيمة، كما فی عروض التجارة مع السوائم فی حكم الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص۹۸، مادة "عسل")

فأما ما لا يدخل تحت الوسق، ولا يكال به كالقطن، والزعفران، والفانيد، والسكر، والعسل وأشباهها، فعند أبی يوسف :تعتبر القيمة .

فبعد ذلك اختلفت الروايات عنه روى الفضل بن عاصم عنه :إذا بلغت قيمة الخارج فيه خمسة أوسق من أدنى الأشياء الخمسة الحنطة، والشعير، والذرة، والتمر، والزبيب يجب العشر، وما لا فلا، وروى ابن سماعة عنه :إذا بلغت قيمة الخارج فيه خمسة أوسق من أدنى ما يجب فيه العشر نحو الأرز، والعدس، والحمص، والمج يجب فيه العشر، وإلا فلا، وهو رواية ابن رستم عن محمد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورنصاب کی مقدار کا یہی حکم گنے کی فصل میں بھی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وروى ابن سماعة عن محمد :أنه يعتبر خمسة أعداد على ما يقدر به ذلك الشيء ، ففي القطن خمسة أحمال وفي العسل خمسة أفراق، والفرق ستون رطلا بالعراقي، وفي الزعفران، والسكر، والفانيد خمسة أمنان، وهذا هو المشهور من قوله.

فأبو يوسف يقول :نصب النصاب بالرأي لا يكون ويكن فيما ورد عليه النص يعتبر المنصوص عليه، وفيما لا نص فيه تعتبر القيمة، ولا نص في هذه الأشياء ، فتعتبر القيمة، بعد هذا قال :تعتبر قيمة الأدنى ولا تعتبر قيمة الأقصى نظرا للفقراء غير أن في إحدى الروايتين لم يعتبر الأدنى من جملة ما يوسق، وكأنه فعل ذلك نظرا لأرباب الأموال، لأنه كما يجب نظرا للفقراء ، يجب نظرا لأرباب الأموال، فقد اعتبرنا نظرا للفقراء حتى لم نعتبر الأقصى، فيجب اعتبار نظر أرباب المال، وذلك في أن لا يعتبر الأدنى من جميع ما يوسق.

ومحمد يقول :إن القيمة ساقطة الاعتبار في هذا الباب بالإجماع، فإن الغير يجب باعتبار العين بالإجماع، والشرع اعتبر الوسق في الموسقات أقصى ما يقدر به المغاير، فإنه يقدر أولا بالمد، ثم بالصاع، ثم بالوسق، فاعتبرنا في هذه الأشياء التي لا تدخل تحت الوسق أقصى ما يقدر به من المغاير، استدلالا بالموسقات، وأقصى ما يقدر به السكر، والفانيد، والزعفران المن، وأقصى ما يقدر به العسل الفرق، وأقصى ما يقدر به القطن الحمل، فقدرناه بذلك .هذا إذا كان الخارج جنسا واحدا (المحيط البرهاني، ج٢، ٣٢٨، كتاب العشر، الفصل الثاني في بيان اعتبار النصاب لوجوب العشر)

۱؎ (قوله وكذا في قصب السكر) أي الخلاف بين أبي يوسف ومحمد في قصب السكر كما هو في القطن والزعفران فيعتبر عند أبي يوسف بقيمة خمسة أوسق وعند محمد خمسة أمناء (العناية شرح الهداية، ج٢، ص ٢٤٩، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع و الثمار)

(قوله وكذا في قصب السكر) قال في شرح الكنز :في قصب السكر العشر قل أو كثر .وعلى قياس قول أبي يوسف يعتبر ما يخرج من السكر أن يبلغ قيمة خمسة أوسق، وعند محمد نصاب السكر خمسة أمناء .اهـ .وهذا تحكم بل إذا بلغ قيمة نفس الخارج من القصب قيمة خمسة أوسق من أدنى ما يوسق، كان ذلك نصاب القصب على قول أبي يوسف .وقوله وعند محمد نصاب السكر خمسة أمناء يريد فإذا بلغ القصب قدرا يخرج منه خمسة أمناء سكر وجب فيه العشر على قول محمد .وإلا فالسكر نفسه ليس مال الزكاة إلا إذا أعد للتجارة وحينئذ يعتبر أن تبلغ قيمته نصابا.

وإذا فالصواب أيضا على قول محمد أن يبلغ القصب الخارج خمسة مقادير من أعلى ما يقدر به القصب نفسه كخمسة أطنان في عرف ديارنا والله أعلم .والفرق بتحريك الراء عند أهل اللغة وأهل الحديث يسكنونها، وهو مكيال معروف هو ستة عشر رطلا .وقال المطرزي :إنه لم ير تقديره بستة وثلاثين فيما عنده من أصول اللغة (فتح القدير، ج ٢، ص ٢٤٩، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع و الثمار)

اور دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سے کچھ مختلف ہیں۔ ل

ل ما ذكرنا من النصاب "الأوسق الخمسة "إنما هو فى المكيلات من الحاصلات الزراعية، أما ما لا يقدر بالكيل كالقطن والزعفران فقد اختلفوا فى تقدير نصابه:

(أ) قال أبو يوسف :يعتبر فيه القيمة، وذلك أن تبلغ قيمة الخارج من قطن وغيره قيمة خمسة أوسق من أدنى ما يكال من الحبوب، كالشعير مثلاً، وإنما قال ذلك لأن الأصل اعتبار الوسق حيث ورد به النص، غير أنه إن أمكن اعتباره صورة ومعنى اعتبر، وإن لم يمكن يجب اعتباره معنى، وهو قيمة الموسوق(بدائع الصنائع ج۲ص ۶۱)واعتبار الأدنى لحظ الفقراء .

وعلى هذا تجب زكاة القطن إذا كان ثمن الخارج منه يساوى ثمن خمسين كيلة من الشعير، باعتباره أرخص الحبوب الآن على ما نعلم، وخاصة فى مصر.

(ب) وقال محمد :المعتبر إنما هو خمسة أمثال أعلى ما يقدر به ذلك الشىء ، لأن التقدير بالوسق فى المكيلات لم يكن إلا لأن الوسق أعلى ما يقدر به فى بابه المرجع السابق.

وعلى هذا إذا كان القطن يقدر بالقناطير فى عصرنا، فنصابه خمسة قناطير، وهكذا ولكن يؤخذ على هذا التقدير أن النصاب به لا ينضبط، لاختلاف الأقطار بل البلدان فى القطر الواحد فى اعتبار أعلى ما يقدر به نوع من الحاصلات مما يؤدى إلى الاضطراب والاختلاف الشديد .

(جـ) وذهب بعضهم إلى تقويم نصاب غير المكيل بمائتى درهم -أى بنصاب النقود -كمال التجارة، إذ هو مزكى لا نصاب له فى نفسه فاعتبر بغيره(البحر الزخار ج۲ص ۱۷۰)

(د) وقال داود :ما لا يكال تجب الزكاة فى قليله وكثيره(المغنى ج۲ص۶۹۷)

(هـ) وعند أحمد :أن ما لا يكال يقدر بالوزن، ولهذا قدر نصاب الزعفران والقطن وشبههما بألف وستمائة رطل بالعراقى، لأنه ليس بمكيل، فيقوم وزنه مقام كيله(المرجع السابق ج۲ص۶۹۷، ۶۹۸)لأن النصاب الذى جاء به الشرع قد عرف مقداره بالوزن، كما عرف بالكيل، فالأولى -فيما لا يكال أن يقدر بالوزن، وهو ۶۴۷ كيلو جرام كما بيناه.

قال ابن قدامة -معقبًا على الأقوال الأخرى :-ولا أعلم لهذه الأقوال دليلاً ولا أصلاً يعتمد عليه، ويردها قول النبى -صلى الله عليه وسلم" :-ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة."

وإيجاب الزكاة فى قليله وكثيره مخالف لجميع أموال الزكاة.

واعتباره بغيره مخالف لجميع ما يجب عُشره، واعتباره بأقل ما فيه الزكاة قيمة لا نظير له أصلاً، وقياسه على العروض لا يصح، لأن العروض لا تجب الزكاة فى عينها، وإنما تجب فى قيمتها، وتؤدى من القيمة التى اعتبرت بها.

ولأن هذا مال تخرج الزكاة من جنسه فاعتبر نصابه بنفسه كالحبوب.

ولأنه خارج من الأرض يجب فيه العُشر أو نصفه، فأشبه سائر ما يجب فيه ذلك.

ولأنه لا نص فيما ذكروه ولا إجماع، ولا هو فى معناهما، فوجب ألا يقال به لعدم دليله نفس المرجع السابق. الرأى الذى نختار:

والرأى الذى أختاره هو اعتبار القيمة فيما لا يوسق ولا يكال لأنه مال زكوى لم ينص الشرع على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی کی ملکیت میں ایک ہی جنس کی مختلف پیداوار ہو، مثلاً مختلف قسم کا گندم پیدا ہو، ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ، تو جو حضرات عشر کے متعلق پانچ وسق نصاب ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مختلف طرح کی پیداوار کو ایک ساتھ جمع کرکے پانچ وسق کی مقدار کا نصاب بنایا جائے گا، اور دو قسم کی اجناس کو ایک ساتھ جمع کرکے نصاب نہیں بنایا جائے گا۔

البتہ اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے کہ ایک جنس کون سی کہلاتی ہے؟ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نصابه فاعتبر بغيره وإذا كان لا بد من اعتبار النصاب بغيره، فليعتبر بقيمة ما يوسق للنص عليه، كما ذهب أبو يوسف ولكني أخالف الإمام أبا يوسف في اعتباره القيمة بأدنى ما يوسق كالشعير والأذرة ونحوها، فإنه -وإن كان فيه رعاية لحظ الفقراء -لا يخلو من إجحاف بأرباب الأموال.

ولهذا أرى أن يقدر بأوسط ما يوسق من المكيلات المعروفة، لا بالأدنى ولا بالأعلى، رعاية للطرفين :الفقراء والممولين معًا.

وأوسط ما يوسق يختلف باختلاف الأقطار والأزمنة والأحوال الاقتصادية ولذا يجب أن يترك تحديده إلى أهل الرأي في كل بلد فقد يكون في بلد هو القمح، ويكون في آخر هو الأرز مثلاً وعلى هذا يمكن تقدير النصاب في الزعفران والنرجس وغيرهما من الحاصلات الغالية الثمن - التي لا تنتج الأرض منها عادة مثل ما تنتج من الأذرة والشعير -بقيمة ٦٤٧ك ج من غلة متوسطة في بلادنا كالقمح أو الأرز.

ومثل ذلك القطن وقصب السكر ونحوهما(فقه الزكاة،ليوسف القرضاوي، ج ١،ص ٣٧٣ الىٰ ٣٧٥،الباب الثالث، الفصل الرابع، المبحث الثالث، نصاب غير المكيلات)

[۱] أ -ما يضم بعضه إلى بعض لتكميل النصاب :تضم أنواع الجنس الواحد لتكميل النصاب، كأنواع التمر وإن اختلفت أسماؤها لأنها كلها تمر، وصرح الشافعية بأنه يؤخذ من كل نوع بقسطه، فإن شق أخرج من الوسط . .ويضم الجيد من الجنس الواحد إلى الرديء منه ولا يكمل جنس من جنس آخر فلا يضم التمر إلى الزبيب ولا أي منهما إلى الحنطة أو الشعير

إلا أنهم اختلفوا في بعض الأشياء أنها أجناس أو أنواع، كالعلس وكان قوت صنعاء اليمن، فقد قيل: هو جنس مستقل، فلا بد أن يكمل نصابا وحده، وهو قول ابن القاسم وأصبغ وابن وهب من المالكية، وقيل :هو نوع من الحنطة، فيضم إليها، وهو مذهب الشافعية والحنابلة .وقول مالك وسائر أصحابه، والقمح والشعير والسلت أجناس ثلاثة لا يضم أحدها إلى الآخر عند الشافعية.

ومذهب الحنابلة أن القمح جنس وأن الشعير والسلت نوعان من جنس واحد.

ومذهب المالكية أن الثلاثة جنس واحد يكمل النصاب منها جميعا .بخلاف الأرز والذرة والدخن فهي أجناس مختلفة، وكذلك القطاني عند المالكية وهي سبعة أصناف كلها جنس واحد يضم بعضه إلى بعض، وكذلك تضم القطاني بعضها إلى بعض في رواية عند الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٢٨١، ٢٨٢،مادة "زكاة")

حنفیہ میں سے امام محمد اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق اگر وہ مختلف قسم کی پیداوار اس طرح کی ہو کہ جس کو ایک دوسرے کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا سود ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہو، وہ ایک جنس کہلاتی ہے، اس لئے اس کو تو ایک ساتھ ملا کر نصاب بنایا جائے گا، اور اگر اس کو ایک دوسرے کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہو، اس کو جمع کر کے نصاب نہیں بنایا جائے گا۔ [1]

---

[1] مبسوط سرخسی میں اس مندرجہ بالا قول کو امام محمد کا مذہب اور امام ابو یوسف کی روایت قرار دیا گیا ہے۔
اور امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک سے زیادہ جتنی بھی اجناس ایک ساتھ تیار ہوں، ان کو تو جمع کر کے نصاب بنایا جائے گا، اور جو الگ الگ تیار ہوں، ان کو جمع کر کے نصاب نہیں بنایا جائے گا۔

وإن أخرجت الأرض أجناسا مختلفة كالحنطة، والشعير، والذرة، ولم يبلغ كل نوع منها خمسة أوسق، فعن أبي يوسف روايات:

أحدها :أنه لا يجب شيء حتى يبلغ كل نوع نصابا؛ لأن العشر في ما يدخل تحت الوسق يجب باعتبار العين، والتكميل باعتبار العين متعذر لاختلاف العين كما في السوائم.

وفي رواية :كل نوعين لا يجوز بيع أحدهما بالآخر متفاضلا دليل المجانسة، قال القدوري :وهو قول محمد.

وفي رواية أخرى قال :كل ما أدرك في وقت واحد ضم بعضه إلى بعض، وما لا يدرك في وقت واحد لا يضم.

قال في المنتقى :وبهذه الرواية كان يقول محمد رحمه الله أولا، ثم رجع إلى الرواية الأولى.

وجه هذه الرواية أن الحق إنما يجب باعتبار المنفعة فما أدرك في وقت واحد فمنفعته واحدة، فلا يعتبر اختلافه كالعروض، ولو حصل خمسة أوسق مختلفة في وسائق مختلفة، فإن كان العامل واحد انضم البعض إلى البعض، وأخذ العشر، وإن اختلف العامل، فلا سبيل لأحد من العاملين على الخارج الذي في عمله حتى يبلغ خمسة أوسق، وهذا لأن حق الأخذ للعامل بالحماية، فإذا كان العامل مختلفا فإنما حمى كل واحد منهما أقل من خمسة أوسق، فلا يثبت له حق الأخذ، ولا كذلك ما إذا كان العامل واحدا، وهذا كله قول أبي يوسف، وقال محمد :لا يثبت لاختلاف العامل بعد اتحاد المالك.

ووجهه أن الأراضي كلها محمية بحماية الإمام الأكبر، فكان حق الأخذ باقيا للإمام الأكبر، والعاشر نائب عنه، فيثبت له حق الأخذ بحكم النيابة، وذكر الحاكم الشهيد في المنتقى :رجل له في كور من أرض يخرج من كل واحد منهما وسقان ونصف من بر يوجب فيه العشر.

ولو كان له نخل وكرم، فخرج من كل واحد منهما أربعة أوسق لم يوجد منه شيء وكذلك الحنطة، والشعير.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ گندم کو گندم کے ساتھ، مکئی کو مکئی کے ساتھ، چاول کو چاول کے ساتھ اور چھوارے کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی المنتقی أیضا :أبو سلیمان عن محمد عن أبی حنیفة فی التمور المختلفة جمع بعضها إلی بعض من غیر خلط، وقد بلغت خمسة أوسق أنه یؤخذ منها الصدقة من أوساطها، حتی إنه إذا اجتمع تمر دقل وتمر فارسی وتمر بری، أخذ العشر من الوسط، وهو قول محمد(المحیط البرهانی، ج۲، ۳۲۸ و ۳۲۹، کتاب العشر، الفصل الثانی فی بیان اعتبار النصاب لوجوب العشر)

ومما یتفرع علی أصلهما ما إذا أخرجت الأرض أجناسا مختلفة کالحنطة والشعیر والعدس کل صنف منها لا یبلغ النصاب وهو خمسة أوسق أنه یعطی کل صنف حکم نفسه، أو یضم البعض إلی البعض فی تکمیل النصاب وهو خمسة أوسق.

روی محمد عن أبی یوسف أنه لا یضم البعض إلی البعض بل یعتبر کل جنس بانفراده ولم یرو عنه ما إذا أخرجت نوعین من جنس وروی الحسن بن زیاد وابن أبی مالک عنه أن کل نوعین لا یجوز بیع أحدهما بالآخر متفاضلا کالحنطة البیضاء والحمراء ، ونحو ذلک یضم أحدهما إلی الآخر سواء خرجا من أرض واحدة، أو أراض مختلفة ویکمل به النصاب، وإن کانا مما یجوز بیع أحدهما بالآخر متفاضلا کالحنطة والشعیر لا یضم، وإن خرجا من أرض واحدة وتعین کل صنف منها بانفراده ما لم یبلغ خمسة أوسق لا شیء فیه وهو قول محمد .

وروی ابن سماعة عنه أن الغلتین إن کانتا تدرکان فی وقت واحد تضم إحداهما إلی الأخری وإن اختلفت أجناسهما، وإن کانتا لا تدرکان فی وقت واحد لا تضم وجه روایة اعتبار الإدراک أن الحق یجب فی المنفعة وإن کانتا تدرکان فی مکان واحد کانت منفعتهما واحدة فلا یعتبر فیه اختلاف جنس الخارج کعروض التجارة فی باب الزکاة.وإذا کان إدراکهما فی، أوقات مختلفة فقد اختلفت منفعتهما فکانا کالأجناس المختلفة.

وجه روایة اعتبار التفاضل وهو قول محمد أنه لا عبرة لاختلاف النوع فیما لا یجوز فیه التفاضل إذا کان الجنس متحدا کالدراهم السود والبیض فی باب الزکاة یضم أحدهما إلی الآخر فی تکمیل النصاب وإن کان النوع مختلفا.

فأما فیما لا یجری فیه التفاضل فاختلاف الجنس معتبر فی المنع من الضم کالإبل مع البقر فی باب الزکاة وهو روایة محمد عن أبی یوسف.

وقال أبو یوسف : إذا کان لرجل أراضی مختلفة فی رساتیق مختلفة والعامل واحد ضم الخارج من بعضها إلی بعض وکمل الأوسق به، وإن اختلف العامل لم یکن لأحد العاملین مطالبة حتی یبلغ ما خرج من الأرض التی فی عمله خمسة أوسق، وقال محمد :إذا اتفق المالک ضم الخارج بعضه إلی بعض وإن اختلفت الأرضون والعمال وهذا لا یحقق الخلاف؛ لأن کل واحد منهما أجاب فی غیر ما أجاب به الآخر؛ لأن جواب أبی یوسف فی سقوط المطالبة عن المالک ولم یتعرض لوجوب الحق علی المالک فیما بینه وبین الله تعالی وهو فیما بینه وبین الله تعالی مخاطب بالأداء لاجتماع النصاب فی ملکه وإنه سقطت المطالبة عنه وجواب محمد فی وجوب الحق ولم یتعرض لمطالبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چھوارے کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا، لیکن گندم کو مکئی کے ساتھ یا اسی طرح ایک جنس کی چیز کو کسی دوسری جنس کی چیز کے ساتھ ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی کی ملکیت میں مختلف مقامات پر زمینیں ہوں، تو ان زمینوں میں ایک زمانہ میں پیدا ہونے والی ایک جنس کی فصل کو بھی ایک ساتھ جمع کر کے نصاب بنایا جائے گا۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

العامل فلم يتحقق الخلاف بينهما (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۶۰، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع والثمار)

ثم المذهب عند محمد -رحمه الله تعالى -، وهو رواية عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى -إن ما يحرم التفاضل فيه بالبيع يضم بعضه إلى بعض وما لا يحرم التفاضل فيه كالحنطة والشعير لا يضم بعضه إلى بعض؛ لأنهما مختلفان فيعتبر كمال النصاب من كل واحد منهما كالسوائم .

وعن أبي يوسف -رحمه الله -أن الكل إذا أدرك في وقت واحد يضم بعضه إلى بعض؛ لأن العشر وجوبه باعتبار منفعة الأرض فإذا أدركت في وقت واحد فهي منفعة واحدة فيضم بعضها إلى بعض كأموال التجارة (المبسوط للسرخسي، ج۳، ص ۳ و ۴، كتاب الزكاة، باب عشر الأرضين)

[1] اتفق الفقهاء على أن الشيئين إذا كانا من جنس واحد وكانا ربويين، فإذا بيع أحدهما بالآخر فلا يجوز فيهما النساء ، أي تأخير التسليم

لكلا العوضين أو أحدهما؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والملح بالملح، والتمر بالتمر، مثلا بمثل، سواء بسواء ، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد .

وقد اختلف في بعض الأشياء المتشابهة هل هي جنس واحد فيحرم فيها التفاضل، أم جنسان فلا يحرم؟

فذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) إلى أن كل شيئين اتفقا في الاسم الخاص من أصل الخلقة كالتمر البرني والتمر المعقلي فهما جنس واحد، وكل شيئين اختلفا في الاسم من أصل الخلقة كالحنطة والتمر فهما جنسان بدلالة الحديث السابق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۶، ص۸۷،مادة "جنس")

[2] وإذا تفرقت الأراضي لرجل واحد فالمروي عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى -أن ما كان من عمل عامل واحد يجمع وما كان من عمل عاملين يعتبر فيه النصاب في كل واحد منهما على حدة فإنه ليس للعامل ولاية الأخذ مما ليس في عمله وما في عمله دون النصاب .والمروي عن محمد -رحمه الله تعالى -أنه يضم بعض ذلك إلى البعض لإيجاب العشر؛ لأن المالك واحد ووجوب العشر عليه فكان مراد محمد -رحمه الله تعالى -من هذا فيما بينه وبين الله تعالى فأما في حق الأخذ للعامل فعلى ما قاله أبو يوسف -رحمه الله تعالى (المبسوط للسرخسي، ج۳، ص ۴، كتاب الزكاة، باب عشر الأرضين)

مسئلہ نمبر ۶ ...... ایک ہی جنس کی فصل اگر الگ الگ زمانوں میں پیدا ہو، مثلاً کچھ گندم ایک سال پیدا ہو، اور کچھ دوسرے سال پیدا ہو، تو ان دونوں کو ملا کر نصاب نہیں بنایا جائے گا، بلکہ ان کی مقدار کو الگ الگ شمار کیا جائے گا۔ [1]

مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر کا نصاب مقرر نہیں، اس لئے ان کے نزدیک مذکورہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ ان کے نزدیک پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ، بہر حال اس کا عشر واجب ہوگا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ضم غلة العام الواحد بعضها إلى بعض:
لا تضم ثمرة عام إلى ثمرة عام آخر ولا الحاصل من الحب كذلك.
وأما فى العام الواحد، فقد فرق الشافعية فى الأظهر بين الزرع والثمر، فأما الزرع فيضم ما زرع فى العام الواحد بعضه إلى بعض، كالذرة تزرع فى الربيع وفى الخريف، وأما الثمر إذا اختلف إدراكه فلا يضم بعضه إلى بعض فى العام الواحد، وذلك كما لو اختلف إدراكه لاختلاف أنواعه واختلاف بلاده حرارة وبرودة، وكما لو أطلع النخل فى العام الواحد مرتين فلا يضم.
وفى قول عندهم :إن أطلع الثانى بعد جداد الأول فلا يضم وإلا فيضم .
وقال المالكية :يشترط للضم أن يزرع أحدها قبل استحقاق حصاد الآخر وهو وقت وجوب الزكاة فيه، ويشترط أيضا أن يبقى من حب الأول إلى استحقاق حصاد الثانى وإن لم يحصد ما يكمل به النصاب، أما لو أكل الأول قبل وقت وجوب الزكاة فى الثانى، فلا يضم الثانى للأول بل إن كان الثانى نصابا زكى، وإلا فلا .وكذا يضم زرع ثان إلى أول، وثان إلى ثالث، إن كان فيه مع كل منهما خمسة أوسق، وهذا إن لم يخرج زكاة الأولين حتى يحصد الثالث .وحيث ضم أصنافا بعضها إلى بعض فإنه يخرج من كل صنف بحسبه.
وأطلق الحنابلة القول أن زرع العام الواحد يضم بعضه إلى بعض إذا اتفق الجنس، وكذا ثمرة العام، سواء كان الأصل مما يحمل مرتين فى العام كالذرة، أو لا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۸۲، ۲۸۳، مادة "زكاة")

(فصل نمبر۳)

وجوبِ عشر کی جنس کے احکام

(عشر کس پیداوار میں واجب ہے اور کس میں نہیں؟)

وجوبِ عشر کی جنس سے متعلق تفصیل کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

وجوبِ عشر کی جنس سے متعلق فقہی اختلاف اور اس کے دلائل

حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ زمین سے پیداوار ہو، اگر زمین میں کاشت کاری نہ کی، یا کاشت کاری تو کی، لیکن پیداوار نہ ہوئی، تو عشر واجب نہیں۔ [1]

نیز حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو، جس کا اُگانا یا اسے ذریعۂ آمدنی بنانا مقصود ہو۔

---

[1] ومنها أى من شرائط المحلية وجود الخارج حتى أن الأرض لو لم تخرج شيئا لم يجب العشر؛ لأن الواجب جزء من الخارج وإيجاب جزء من الخارج ولا خارج محال (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۵۹، فصل زكاة الزروع والثمار، فصل الشرائط المحلية)

وأما سبب فرضية هذه الزكاة :فهو الأرض النامية بالخارج منها، حقيقة فى حق العشر، أو تقديرا فى حق الخراج، فلوأصاب الخارج آفة، فهلك لا يجب فيه العشر فى الأرض العشرية، ولا الخراج فى الأرض الخراجية، لفوات النماء حقيقة وتقديرا .ولو كانت الأرض عشرية فتمكن من زراعتها، فلم تزرع، لا يجب العشر، لعدم الخارج حقيقة .ولو كانت أرضا خراجية يجب الخراج، لوجود الخارج تقديرا.

ولا تجب زكاة الزروع إلا بعد انعقاد الحب واشتداده، ولو بعضه .ولا تثبت الزكاة فى الثمار إلا بعد بدو صلاحها، أى ظهور نضجها باحمرار أو اصفرار أو تموه أوتلون، بحسب المعهود فى كل ثمر، ويكفى ظهور الصلاح فى بعض الثمر من جنس واحد، كما سأبين(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

البتہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ہر پیداوار میں عشر واجب نہیں، بالخصوص عام پھلوں وسبزیوں میں عشر واجب نہیں، جس کے متعلقہ پہلوؤں کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں ذکر کی جائے گی، پہلے اس سلسلہ میں قرآنی آیات اور احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، جن سے فقہائے کرام نے اپنے اپنے طریقہ پر استدلال کیا ہے۔ [1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۶۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کیا ہے (سورہ بقرہ)

اس آیت میں جو زمین کی پیداوار سے خرچ کرنے کا حکم ہے، اس سے بہت سے حضرات نے عشر مراد لیا ہے، جیسا کہ پہلے اپنے مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے، اور اس میں کسی خاص فصل کی قید نہیں، جس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ ہر قسم کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

---

[1] ومنها أن يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعته نماء الأرض وتستغل الأرض به عادة فلا عشر فى الحطب والحشيش والقصب الفارسى؛ لأن هذه الأشياء لا تستنمى بها الأرض ولا تستغل بها عادة؛ لأن الأرض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الأرض حتى قالوا فى الأرض :إذا اتخذها مقصبة وفى شجره الخلاف، التى تقطع فى كل ثلاث سنين، أو أربع سنين أنه يجب فيها العشر؛ لأن ذلك غلة وافرة ويجب فى قصب السكر وقصب الذريرة؛ لأنه يطلب بهما نماء الأرض فوجد شرط الوجوب فيجب.

فأما كون الخارج مما له ثمرة باقية فليس بشرط لوجوب العشر بل يجب سواء كان الخارج له ثمرة باقية، أو ليس له ثمرة باقية وهى الخضراوات كالبقول والرطاب والخيار والقثاء والبصل والثوم ونحوها فى قول أبى حنيفة، وعند أبى يوسف ومحمد لا يجب إلا فى الحبوب وما له ثمرة باقية واحتجا بما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :ليس فى الخضراوات صدقة (بدائع الصنائع، ج۲، ص۵۸، ۵۹، فصل زكاة الزروع والثمار، فصل الشرائط المحلية)

اس کے علاوہ جن احادیث میں بعض صورتوں میں پیداوار میں عشر، اور بعض صورتوں میں نصف عشر بیان کیا گیا ہے، ان میں بھی کسی خاص پیداوار کی قید نہیں لگائی گئی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کی پیداوار میں عشر واجب ہو۔ ۱

جبکہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام نے متعدد احادیث وروایات اور صحابہ وتابعین کے اقوال کی روشنی میں مخصوص پھلوں کے علاوہ عام پھلوں اور سبزیوں وترکاریوں میں عشر واجب نہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اور مندرجہ بالا آیت اور عشر ونصف عشر والی احادیث کے متعلق ان فقہائے کرام کا فرمانا یہ ہے کہ اس آیت میں اولاً تو صراحتاً عشر کا بیان نہیں ہے، اور اسی وجہ سے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس آیت کو عشر کی احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

دوسرے اگر اس آیت میں زمین کی پیداوار سے عشر ہی مراد لیا جائے، تو تب بھی یہ آیت مجمل ہوگی، جیسا کہ زکاۃ وغیرہ کی آیت مجمل ہے، اور اس کی مقدار احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث کی روشنی میں عشر کی جنس کی تعیین کی جائے گی۔ ۲

---

۱ (ما سقته السماء أو سقى سيحا ففيه العشر قل أو كثر) ويستوى فيه ما يبقى وما لا يبقى.
وقالا :لا يجب العشر إلا فيما يبقى إذا بلغ خمسة أوسق، والوسق :ستون صاعا، فلا يجب فى البقول والرياحين، لهما قوله -عليه الصلاة والسلام :-ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة وقوله -عليه الصلاة والسلام :-ليس فى الخضراوات عشر ولأنه صدقة فيشترط له نصاب ليتحقق الغنى كسائر الصدقات.

وله قوله تعالى :(أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)ولا واجب فيه إلا العشر أو نصفه، فيكون المراد العشر، ولم يفصل بين القليل والكثير، وما يبقى وما لا يبقى فيتناول الكل. وقوله -عليه الصلاة والسلام :-ما سقته السماء ففيه العشر ولأن العشر مئونة الأرض كالخراج، والخراج يجب بمطلق الخارج فكذا العشر(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۱۳، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

۲ الأصل فى وجوب العشر قول الله تعالى :(أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)قال أهل التفسير :المراد من قوله :(من طيبات ما كسبتم) زكاة مال التجارة، والمراد من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے، جن میں کسی خاص جنس کی پیداوار کا ذکر کئے بغیر عشر یا نصف عشر کا ذکر کیا گیا ہے، تو دراصل ان احادیث میں عشر واجب ہونے کی مقدار کو بیان کرنا مقصود ہے، عشر کی جنس کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے، اور عشر کی جنس کو دیگر احادیث وروایات میں بیان کیا گیا ہے، اور اکثر وجمہور اہلِ علم حضرت نے بھی یہی سمجھا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، لہٰذا یہ دونوں قسم کی احادیث وروایات اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اور دونوں الگ الگ حکم کو بیان کرتی ہیں، جیسا کہ عشر کے نصاب کے بیان میں گزرا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قوله :(ومما أخرجنا لكم من الأرض) العشر(المحيط البرهاني، ج۲ص ۳۲۵،كتاب العشر،الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر وما لا يجب)

قال :(الأصل في وجوب العشر قوله تعالى (أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)قيل المراد بالمكسوب مال التجارة ففيه بيان زكاة التجارة، والمراد بقوله، ومما أخرجنا لكم من الأرض العشر(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۲،كتاب الزكاة،باب عشر الأرضين)

ولا زكاة في أقل من خمسة أوسق، كذا جاء مبينا عن النبي صلى الله عليه وسلم .وهو في الكتاب مجمل، قال الله تعالى ":يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ."وقال تعالى ":وآتوا حقه ."ثم وقع البيان بالعشر ونصف العشر .ثم لما كان المقدار الذى إذا بلغه المال أخذ منه الحق مجملا بينه أيضا فقال :(ليس فيما دون خمسة أوسق من تمر أو حب صدقة)(تفسير القرطبي، ج۷ص۱۰۷،سورة الانعام)

[1] رد السنة الصحيحة الصريحة المحكمة في تقدير نصاب المعشرات بخمسة أوسق بالمتشابه من قوله " :فيما سقت السماء العشر وما سقى بنضح أو غرب فنصف العشر "قالوا :وهذا يعم القليل والكثير وقد عارضه الخاص ودلالة العام قطعية كالخاص وإذا تعارضا قدم الأحوط وهو الوجوب فيقال :يجب العمل بكلا الحديثين و لا يجوز معارضة أحدهما بالآخر وإلغاء أحدهما بالكلية فإن طاعة الرسول فرض في هذا وفي هذا ولا تعارض بينهما بحمد الله بوجه من الوجوه فإن قوله" :فيما سقت السماء العشر "إنما أريد به التمييز بين ما يجب فيه العشر وما يجب فيه نصفه فذكر النوعين مفرقا بينهما في مقدار الواجب وأما مقدار النصاب فسكت عنه في هذا الحديث وبينه نصا في الحديث الآخر فكيف يجوز العدول عن النص الصحيح الصريح المحكم الذى لا يحتمل غير ما دل عليه البتة إلى المجمل المتشابه الذى غايته أن يتعلق فيه بعموم لم يقصد وبيانه بالخاص المحكم المبين كبيان سائر العمومات بما يخصها من النصوص.

ويالله العجب كيف يخصون عموم القرآن والسنة بالقياس الذى أحسن أحواله أن يكون مختلفا في الاحتجاج به وهو محل اشتباه واضطراب؟!

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَآتُوْا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (سورة الانعام رقم الآية ۱۴۱)

ترجمہ: اور اس (کھیتی) میں جو حق ہے اس کو کاٹنے کے دن ادا کیا کرو (سورہ انعام)

مذکورہ آیت میں کھیتی کا حق ادا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد، عُشر ہے، اور اس میں پیداوار کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی، جس سے امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس قسم کی بھی پیداوار ہو، اس میں عشر واجب ہونا چاہئے۔ [1]

جبکہ دیگر فقہائے کرام کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ آیت ہر پیداوار میں عشر واجب ہونے میں صریح نہیں، اور اس آیت میں پیداوار کے جس حق کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد عشر کے علاوہ نفلی صدقہ ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إذ ما من قياس إلا وتمكن معارضته بقياس مثله أو دونه أو أقوى منه بخلاف السنة الصحيحة الصريحة فإنها لا يعارضها إلا سنة ناسخة معلومة التأخر والمخالفة ثم يقال :إذا خصصتم عموم قوله" :فيما سقت السماء العشر "بالقصب والحشيش ولا ذكر لهما في النص فهلا خصصتموه بقوله" :لا زكاة في حب ولا ثمر حتى يبلغ خمسة أوسق "وإذا كنتم تخصون العموم بالقياس فهلا خصصتم هذا العام بالقياس الجلي الذي هو من أجلى القياس وأصحه على سائر أنواع المال الذي تجب فيه الزكاة فإن الزكاة الخاصة لم يشرعها الله ورسوله في مال إلا وجعل له نصابا كالمواشي والذهب والفضة ويقال أيضا :فهلا أوجبتم الزكاة في قليل كل مال وكثيره عملا بقوله تعالى (خذ من أموالهم صدقة) وبقوله صلى الله عليه وسلم" :ما من صاحب إبل ولا بقر لا يؤدي زكاتها إلا بطح لها يوم القيامة بقاع قرقر "وبقوله" :ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي زكاتها إلا صفحت له يوم القيامة صفائح من نار "وهلا كان هذا العموم عندكم مقدما على أحاديث النصب الخاصة وهلا قلتم :هناك تعارض مسقط وموجب فقدمنا الموجب احتياطا وهذا في غاية الوضوح وبالله التوفيق(إعلام الموقعين عن رب العالمين،لابن قيم،ج۲ص ۲۵۱، زيادة السنة على القرآن، رد السنة الصحيحة في تقدير نصاب المعشرات)

[1] يفترض لقوله تعالى (وآتوا حقه يوم حصاده)فإن عامة المفسرين على أنه العشر أو نصفه وهو مجمل بينه قوله -صلى الله عليه وسلم -ما سقت السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر(ردالمحتار، ج۲ص ۳۲۵، كتاب الزكاة، باب العشر)

[2] جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت زکاۃ والی آیت سے منسوخ ہے، کیونکہ مذکورہ آیت مکی ہے، اور زکاۃ کے حکم والی آیت مدنی ہے، اور سُدّی وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ یہ آیت عشر اور نصف عشر کے حکم سے منسوخ ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر اس آیت میں عشر ہی مراد لیا جائے، تو یہ آیت بھی مجمل ہوگی، جس میں نہ تو عشر کی مقدار کا بیان مقصود ہے، اور نہ ہی عشر کے نصاب یا عشر کی جنس کا بیان مقصود ہے، لہٰذا جس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده) اختلف الناس فى تفسير هذا الحق، ما هو، فقال أنس بن مالك وابن عباس وطاوس والحسن وابن زيد وابن الحنفية والضحاك وسعيد بن المسيب :هى الزكاة المفروضة، العشر ونصف العشر .ورواه ابن وهب وابن القاسم عن مالك فى تفسير الآية، وبه قال بعض أصحاب الشافعى .وحكى الزجاج أن هذه الآية قيل فيها إنها نزلت بالمدينة .وقال على بن الحسين وعطاء والحكم وحماد وسعيد بن جبير ومجاهد :هو حق فى المال سوى الزكاة، أمر الله به ندبا .وروى عن ابن عمر ومحمد بن الحنفية أيضا، ورواه أبو سعيد الخدرى عن النبى صلى الله عليه وسلم .قال مجاهد :إذا حصدت فحضرك المساكين فاطرح لهم من السنبل، وإذا جذذت فألق لهم من الشماريخ، وإذا درسته ودسته وذريته فاطرح لهم منه، وإذا عرفت كيله فأخرج منه زكاته .وقول ثالث هو منسوخ بالزكاة، لأن هذه السورة مكية وآية الزكاة لم تنزل إلا بالمدينة ":خذ من أموالهم صدقة "، "وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة ."روى عن ابن عباس وابن الحنفية والحسن وعطية العوفى والنخعى وسعيد بن جبير .وقال سفيان :سألت السدى عن هذه الآية فقال .نسخها العشر ونصف العشر .فقلت عمن؟ فقال عن العلماء(تفسير القرطبى، ج۷ص۹۹، ۱۰۰، سورة الانعام)

فأما الجواب عن قوله تعالى :أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض، فهى عامة ولا بد من دعوى الإضمار فيها ، فأما أبو حنيفة يقول :إلا الفضة ونحن نقول إلا ما يقتات ، وليس أحد الإضمارين أولى من الآخر فتعارضا ، على أن قوله ليس فى الخضروات شىء يخصه ، وبهذا الجواب ينفصل عن قوله تعالى :وآتوا حقه يوم حصاده (الأنعام :) ، وينفصل عنه أيضا بجوابين آخرين :أحدهما :أنه محمول على غير الزكاة من صدقة يتطوع بها يوم الحصاد لأمرين :أحدهما :أنه أمر بإيتاء حقه ، ولم يقل حق الله منه ، وليس لشىء مما ذكر حق ، وإنما الحق لله تعالى علينا . والثانى :أنه أمرنا بإخراجه يوم حصاده ، والزكاة لا يجب إخراجها يوم الحصاد إلا بعد الجز والدياس ، فبهذين الأمرين سقط الاستدلال بظاهر الآية ، فهذا أحد الجوابين .والجواب الثانى : أنه محمول على الزكاة إلا أنه علق الزكاة بما كان منه محصودا ، والحصاد غير مستعمل فى الأشجار والقثاء والخيار ، فإن قيل الحصاد هو الاستعمال قال الله تعالى :جعلناهم حصيدا خامدين (الأنبياء :) ، وقال صلى الله عليه وسلم :احصدهم حصيدا حتى تلقنى على الصفا .وإذا كان الحصد هو الاستئصال صار تقدير الآية وآتو حقه يوم استئصاله ، وهذا لا يختص بزرع من غيره ، قيل :عن هذا جوابان :أحدهما :أن حقيقة الحصاد فى الزروع ، وقد يستعمل مجازا فى غيره ، يقال :حصد الزرع وجذ التمر ، وقطف العنب وجد البقل وجنى الفاكهة قال على عليه السلام : هذا جناى وخياره فيه إذ كل جان يده إلى فيه وقال الشاعر :إذا لم يكن فيكن ظل ولا جنا فأبعدكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

طرح سے عشر کی مقدار ونصاب کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اسی طرح عشر کی جنس کو بھی احادیث وروایات اور صحابہ وتابعین کے آثار کی روشنی میں طے کیا جائے گا۔ [1]

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ إِنَّمَا أَخَذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ (مسنداحمد، رقم الحديث ۲۱۹۸۹) [2]

ترجمہ: ہمارے پاس حضرت معاذ کی کتاب ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله من شجرات والجواب الثاني :أننا وإن سلمنا أن الحصاد هو الاستئصال فلا دلالة في الآية : لأن الثمار لا تستأصل بل تترك أصولها وتجنى ثمارها ، وإذا لم يكن ظاهر الآية مستعملا تكافأ النزاع فيها وسقط الاحتجاج بها ، فأما قوله :فيما سقت السماء العشر فجوابه كجواب الآية الأولى فنقول قد رواه معاذ تاما فقال :وأما البطيخ والقثاء والخضراوات فعفو عفا الله عنها ، فكان هذا مخصصا لعموم ما تقدم .وأما قياسه على الحنطة والشعير فالمعنى فيه :أنه مقتات فلذلك وجبت فيه الزكاة ، والخضراوات لما كانت غير مقتاتة شابهت الحشيش والحطب فلم تجب فيها الزكاة (الحاوى فى فقه الشافعى، ج۳ص ۲۴۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الزرع)

[1] وقد يكون اللفظ مبينا من وجه مجملا من وجه كقوله تعالى (وآتوا حقه يوم حصاده) فإنه مبين في الحق مجمل في مقداره(الذخيرة للقرافى، ج ۱ ص ۱۰۲ ،الباب الثانى عشر فى المجمل والمبين وفيه ستة فصول،الفصل الأول فى معنى ألفاظه)

وقد أجمعت الأمة على وجوب الزكاة في النبات على الجملة، وإن اختلفت في التفاصيل .وقد قال تعالى :(وهو الذى أنشأ جنات معروشات وغير معروشات)الآية، لكن قوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده)ظاهر في تعلق الحق، ومجمل في جنسه ومقداره......وأيضا فإن الرسول -صلى الله عليه وسلم -قد روى عنه أنه استثنى البقول والفواكه فأسقط منها الزكاة (التنبيه على مبادء التوجيه - قسم العبادات للتنوخى المهدوى،المتوفىٰ ۵۳۶ھ ، ج۲ص ۹۱۵،۹۱۶، كتاب الزكاة الثانى، باب في زكاة الحبوب والثمار)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين، موسى بن طلحة وإن لم يلق معاذاً إلا أنه نقله عن كتابه، وهي وجادة صحيحة مقبولة عند أهل العلم.

وأخرجه الدارقطني ۲/۹۶، والحاكم ۱/۴۰۱، والبيهقي ۴/۱۲۸-۱۲۹ من طريق عبد الرحمن بن مهدي، بهذا الإسناد.وأخرجه البيهقي ۴/۱۲۹ من طريق عبد الله بن الوليد العدني، عن سفيان، به . وزاد فيه قصة(حاشية مسند احمد)

منقول ہے کہ انہوں نے صدقہ (یعنی عشر) صرف گندم سے، اور جو سے، اور کشمش سے، اور چھوارے سے لیا تھا (مسند احمد)

اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ مُعَاذًا لَمَّا قَدِمَ الْيَمَنَ لَمْ يَأْخُذِ الزَّكَاةَ إِلَّا مِنَ الْحِنْطَةِ ، وَالشَّعِيرِ ، وَالتَّمْرِ ، وَالزَّبِيبِ(مصنف ابن أبی شیبة) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۱۱۷، کتاب الزکاة،باب من قال لیس الزکاة الا فی الحنطة والشعیر والتمر والزبیب.

قال الالبانی: (روی موسی بن طلحة " :أن معاذا لم یأخذ من الخضروات صدقة .) صحیح.

رواه ابن أبی شیبة (۴/۱۹)عن وکیع عن عمرو بن عثمان عن موسی بن طلحة أن معاذا لما قدم الیمن لم یأخذ الزکاة إلا فی الحنطة والشعیر والتمر والزبیب. ورجاله ثقات لولا أنه منقطع بین موسی ومعاذ.

لکن أخرجه الدارقطنی(۲۰۱)والحاکم (۱/۴۰۱)وعنه البیهقی(۴/۱۲۸۔۱۲۹)عن عبد الرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن عمرو بن عثمان عن موسی بن طلحة قال " :عندنا کتاب معاذ عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه إنما أخذ الصدقة من الحنطة والشعیر والزبیب والتمر ."

وقال الحاکم " :هذا حدیث قد احتجا بجمیع رواته ,وموسی بن طلحة تابعی کبیر ,لا ینکر أن یدرک أیام معاذ ." ووافقه الذهبی فقال " :علی شرطهما ." وقد تعقبه صاحب التنقیح بالانقطاع الذی أشرنا إلیه فقال " :قال أبو زرعة :موسی بن طلحة بن عبید الله عن عمر مرسل ,ومعاذ توفی فی خلافة عمر ,فروایة موسی بن طلحة عنه أولی بالإرسال "ذکره فی "نصب الرایة (۲/۳۸۶)"

وأقول :لا وجه عندی لإعلال هذا السند بالإرسال ,لأن موسی إنما یرویه عن کتاب معاذ ,ویصرح بأنه کان عنده فهی روایة من طریق الوجادة وهی حجة علی الراجح من أقوال علماء أصول الحدیث ,ولا قائل باشتراط اللقاء مع صاحب الکتاب.

وإنما یشترط الثقة بالکتاب وأنه غیر مدخول .فإذا کان موسی ثقة ویقول " :عندنا کتاب معاذ " بذلک ,فهی وجادة من أقوی الوجادات لقرب العهد بصاحب الکتاب .والله أعلم.

ویشهد له ما روی أبو حذیفة حدثنا سفیان عن طلحة بن یحیی عن أبی بردة عن أبی موسی ومعاذ بن جبل حین بعثهما رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی الیمن یعلمان الناس أمر دینهم:

"لا تأخذوا الصدقة إلا من هذه الأربعة :الشعیر ,والحنطة ,والزبیب ,والتمر ."

أخرجه الدارقطنی والحاکم وقال " :إسناد صحیح ."ووافقه الذهبی .وأقره الزیلعی فی "نصب الرایة(۲/۳۸۹) "إلا أنه قال ":قال الشیخ فی "الإمام :"وهذا غیر صریح فی الرفع ."

قلت :لکنه ظاهر فی ذلک إن لم یکن صریحا ,فإن الحدیث لا یحتمل إلا أحد أمرین ,إما أن یکون من قوله صلی الله علیه وسلم ,أو من قول أبی موسی ومعاذ ,والثانی ممنوع ,لأنه لا یعقل أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب یمن میں تشریف لائے، تو انہوں نے زکاۃ (یعنی عشر) صرف گندم، اور جو، اور کھجور، اور کشمش سے ہی لیا (ابنِ ابی شیبہ)

بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ ان چار چیزوں میں عشر اس وجہ سے لیا کہ وہاں اس وقت عموماً یہی چار چیزیں تھیں۔

بہرحال مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ زمین کی ہر پیداوار میں اور بطورِ خاص سبزی میں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يخاطب الصحابيان به النبى صلى الله عليه وسلم ,والقول بأنهما خاطبا به أصحابهما يبطله أن ذلک إنما قيل فى زمن بعث النبى صلى الله عليه وسلم إياهما إلى اليمن ,فتعين أنه هو الذى خاطبهما بذلک ,وثبت أنه مرفوع قطعا.

ومما يؤيد أن أصل الحديث مرفوع أن أبا عبيد أخرجه فى "الأموال(۱۱۷۴) "و(۱۱۷۵)من طرق عن عمرو بن عثمان بن عبد الله بن موهب ـ مولى آل طلحة ـ قال :سمعت موسى بن طلحة يقول " :أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير والنخل ,والعنب ."

وهذا سند صحيح مرسل ,وهو صريح فى الرفع ,ولا يضر إرساله لأمرين:

الأول :أنه صح موصولا عن معاذ كما تقدم من رواية ابن مهدى عن سفيان عن عمرو ابن عثمان.

الثانى :أن عبد الله بن الوليد العدنى ـ وهو ثقة ـ رواه عن سفيان به وزاد فيه " :قال :بعث الحجاج بموسى بن المغيرة على الخضر والسواد ,فأراد أن يأخذ من الخضر الرطاب والبقول ,فقال موسى بن طلحة عندنا كتاب معاذ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه أمره أن يأخذ من الحنطة والشعير والتمر والزبيب .قال :فكتب إلى الحجاج فى ذلک ,فقال :صدق ."

رواه البيهقى(۱۲۹/۴)ثم روى من طريق عطاء بن السائب قال " :أراد موسى بن المغيرة أن يأخذ من خضر أرض موسى بن طلحة فقال له موسى بن طلحة :انه ليس فى الخضر شىء .ورواه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فكتبوا بذلک إلى الحجاج ,فكتب الحجاج أن موسى بن طلحة أعلم من موسى بن المغيرة ."

ومن هذا الوجه عزاه فى "المنتقى (۲۹/۴) "للأثرم فى سننه ,ثم قال " :وهو من أقوى المراسيل , لاحتجاج من أرسله به ."

قلت :فلولا أن الحديث صحيح عند موسى بن طلحة لما احتج به إن شاء الله تعالى.

وللحديث طرق أخرى متصلة ومرسلة ,وقد اقتصرت هنا على أقواها ,فمن أراد الإطلاع على سائرها فليراجع "نصب الراية "و "التلخيص , "و "نيل الأوطار "للشوكانى ,وقد ذهب فيه إلى تقوية الحديث بطرقه ونقله عن البيهقى وهو الحق(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل، تحت رقم الحديث ۸۰۱)

عشر واجب نہیں۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں دانہ وغلہ میں سے عشر لینے اور سبزی وغیرہ سے عشر نہ لینے کا ذکر ہے۔

چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فِيْمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْبَعْلُ وَالسَّيْلُ اَلْعُشْرُ، وَفِيْمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ، وَإِنَّمَا يَكُوْنُ ذٰلِکَ فِي التَّمْرِ، وَالْحِنْطَةِ، وَالْحُبُوْبِ، وَأَمَّا الْقِثَّاءُ وَالْبِطِّيْخُ وَالرُّمَّانُ وَالْقَصَبُ فَقَدْ عَفَا عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۵۸، کتاب الزکاة) [2]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس زمین کو بارش اور نہر اور چشمہ سیراب کرے، تو اس میں عشر واجب ہے، اور جس زمین کو ڈول سے سیراب کیا جائے، اس میں نصف عشر

---

[1] (أن يأخذ الصدقة) أى الزكاة وهى العشر أو نصفه (من الحنطة والشعير والزبيب والتمر) قال ابن الملک: معناه أنه لا تجب الزكاة إلا فى هذه الأربعة فقط، بل تجب عند الشافعى فيما تنبته الأرض إذا كان قوتا، وعندنا فيما تنبته الأرض قوتا كان أو لا، وإنما أمره بالأخذ من هذه الأربعة لأنه لم يكن ثمة غيرها .اهـ، وسبقه المظهر بذلک، وقال الطيبى :هذا إن صح بالنقل فلا كلام، وإن فرض أن ثمة شيئا غير هذه الأربعة مما تجب الزكاة فيه فمعناه إنما أمره أن يأخذ الصدقات من المعشرات من هذه الأجناس، وغلب الحنطة والشعير على غيرها من الحبوب لكثرتهما فى الوجود، وأصالتها فى القوت(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۹۱، كتاب الزكاة،باب ما يجب فيه الزكاة)

"الزكاة فى هذه الأربعة الحنطة، والشعير، والزبيب، والتمر ."(قط) عن عمر.

(الزكاة فى هذه الأربعة) أى واجبة فيها .(الحنطة، والشعير، والزبيب، والتمر) ليس المراد الحصر بل لأن هذه الأربعة هى الأشهر وفى رواية" :فى خمسة "زاد الذرة، والمراد الإخبار بأنه تعالى أوجب الزكاة فى هذه الحبوب مع أنه أوجبها فى غيرها إلا أن هذه الأهم لعمومها(التنوير شرح الجامع الصغير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۴۷۴)

[2] قال الحاكم:هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه، وله شاهد بإسناد صحيح "

واجب ہے، اور یہ (عشر) صرف کھجور اور گندم اور دانوں میں واجب ہے، جہاں تک ککڑی، تربوز، اور انار اور بانس کا تعلق ہے، تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عشر واجب ہونے سے) معاف قرار دے دیا ہے (حاکم)

اس طرح کی حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ، دار قطنی نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے، جس میں سبزی سے عشر کی معافی کا ذکر ہے۔ [1]

مذکورہ روایت میں دانوں کا بھی ذکر ہے، جس سے فقہائے کرام نے مکئی، باجرہ وغیرہ جیسے غلہ جات مراد لئے ہیں، اور اس طرح کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے، بہت سے فقہائے کرام نے عام پھلوں اور سبزیوں میں عشر واجب نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارًا وَمِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ (سنن الدارقطنی) [2]

---

[1] عن معاذ بن جبل ,أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فيما سقت السماء والبعل والسيل العشر ,وفيما سقى بالنضح نصف العشر ,يكون ذلك فى التمر والحنطة والحبوب ,. فأما القثاء والبطيخ والرمان والقصب والخضر فعفو عفا عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم(سنن الدارقطنى،رقم الحديث ۱۹۱۵،باب :ليس فى الخضراوات صدقة)

[2] رقم الحديث ۱۹۰۹، كتاب الزكاة، باب ليس فى الخضراوات صدقة.

قال ابن حجر العسقلانی: إسناده حسن (إتحاف المهرة، تحت رقم الحديث ۱۶۵۰۶)

وقال الالبانى: عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :أنه أمر معاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن أن يأخذ من كل أربعين دينارا دينارا ,ومن كل مائتى درهم خمسة دراهم ,وليس فيما دون خمسة أوسق صدقة ,ولا فيما دون خمسة ذود صدقة ,وليس فى الخضروات صدقة ."أخرجه الدارقطنى (۲۰۰)من طريق عبد الله بن شبيب حدثنى عبد الجبار بن سعيد حدثنى حاتم بن إسماعيل عن محمد بن أبى يحيى عن أبى كثير مولى بنى جحش عن محمد بن عبد الله بن جحش.

قلت :وهذا سند رجاله كلهم ثقات غير عبد الله بن شبيب وهو واهٍ ,كما فى "الميزان ." وجملة القول فالحديث صحيح لا شک فيه عندى (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار اور ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکاۃ کے طور پر وصول کرنا، اور سبزیوں میں صدقہ واجب نہیں (دارقطنی)

صدقہ سے مراد، عشر ہے، اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عام سبزیوں میں صدقہ یعنی عشر واجب نہیں۔ [1]

حضرت ابو بردہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِي مُوْسٰى، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، حِيْنَ بَعَثَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ يُعَلِّمَانِ النَّاسَ أَمْرَ دِيْنِهِمْ لَا تَأْخُذُوا الصَّدَقَةَ إِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْأَرْبَعَةِ، الشَّعِيْرِ، وَالْحِنْطَةِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۵۹، كتاب الزكاة) [2]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی طرف لوگوں کو دین کے معاملے کی تعلیم دینے کے لئے

---

[1] (عن على -رضى الله عنه -أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :ليس فى الخضروات) بفتح الخاء قال ابن الهمام :كالرياحين والأوراد والبقول والخيار والقثاء والبطيخ والباذنجان وأشباه ذلک (صدقة) لأنها لا تقتات، والزكاة تختص بالقوت كما مر، وحكمته أن القوت ما يقوم به بدن الإنسان لأن الاقتيات من الضروريات التى لا حياة بدونها، فوجب فيه حق لأرباب الضرورات (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۹۴، كتاب الزكاة،باب ما يجب فيه الزكاة)

[2] قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ،تحت رقم الحديث ۴۳۹۹،باب زكاة الحبوب)

و قال ابن حجر: رواه أبويعلى والبيهقى فى الكبرى بسند رجاله ثقات . (اتحاف الخيرة المهرة، رقم الحديث ۲۰۶۲، كتاب الزكاة)

و قال ابن الملقن: قال الحاكم :إسناده صحيح .وقال البيهقى فى خلافياته :رواته ثقات، وهو متصل.ورواه الدارقطنى فى سننه ، من هذا الوجه من حديث موسى (البدر المنير لابن الملقن، ج۵، ص ۵۱۱، باب زكاة المعشرات، الحديث الثانى)

بھیجا، تو فرمایا کہ تم صدقہ (یعنی عشر) مت لینا، مگر ان چار چیزوں سے، جو سے اور گندم سے، اور کشمش سے اور کھجور سے (حاکم)

اور حضرت ابو بردہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِی مُوسَی الْأَشْعَرِیِّ ؛ أَنَّـهُ لَمْ يَأْخُذْهَا إِلَّا مِنَ الْحِنْطَةِ ، وَالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرِ ، وَالزَّبِيبِ(مُصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عشر صرف گندم سے اور جو سے اور کھجور سے اور کشمش سے ہی لیا (ابن ابی شیبہ)

اس طرح کی روایات پہلے بھی گزر چکی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی پیداوار میں عشر واجب ہونے کا حکم نہیں دیا، بلکہ مخصوص پیداوار میں ہی عشر واجب ہونے کا حکم لگایا ہے۔

حضرت عطاء بن سائب وغیرہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِی الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَةٌ(مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبزیوں میں صدقہ (یعنی عشر) نہیں ہے (عبدالرزاق)

بعض روایات میں یہ حدیث، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ١٠١١٨ ، كتاب الزكاة، باب من قال ليس الزكاة الا فی الحنطة والشعير والتمر والزبيب.

[2] رقم الحديث ٧١٨٥، كتاب الزكاة، باب الخضر.

[3] عطاء بن السائب، عن موسى بن طلحة، عن أبيه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ليس فی الخضروات صدقة وهذا الحديث رواه جماعة عن موسى بن طلحة مرسلا، ولا نعلم أحدا، قال :فيه عن موسى عن أبيه إلا الحارث بن نبهان، عن عطاء بن السائب، ولا نعلم روى عطاء ، عن موسى بن طلحة، عن أبيه، إلا هذا الحديث(مسند البزار ، رقم الحديث ٩٤٠، المعجم الأوسط، رقم الحديث ٥٩٢١)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عام سبزیوں اور ترکاریوں میں عشر واجب نہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: اَلْعُشْرُ فِي التَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ ، وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر کھجور میں اور کشمش میں اور گندم میں اور جو میں ہوتا ہے (ابن ابی شیبہ)

اور جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

لَمْ تَكُنِ الصَّدَقَةُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِيْ خَمْسَةِ أَشْيَاءَ اَلْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالذُّرَةِ (السنن الکبری للبیھقی) [2]

ترجمہ: صدقہ (یعنی عشر) نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، مگر پانچ چیزوں میں، گندم میں اور جو میں اور کھجور میں اور کشمش میں اور مکئی میں (بیہقی)

اس روایت میں مکئی کا بھی ذکر ہے، اور یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ مکئی کا حکم گندم اور جو وغیرہ کی طرح ہے، کیونکہ یہ بھی گندم کی طرح غلے میں داخل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن عطاء بن السائب ,عن موسى بن طلحة ,عن أبيه ,أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس فى الخضراوات زكاة(سنن الدارقطنى،رقم الحديث ١٩١٠،باب :ليس فى الخضراوات صدقة)

عن الأعمش ,عن موسى بن طلحة ,عن أبيه ,أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ليس فى الخضراوات صدقة(سنن الدارقطنى،رقم الحديث ١٩١١،باب :ليس فى الخضراوات صدقة)

[1] رقم الحديث ١٠١١٦،كتاب الزكاة، باب من قال ليس الزكاة الا فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب.

[2] رقم الحديث ٧٤٧٩، كتاب الزكاة،جماع ابواب صدقة الزرع، باب الصدقة فيما يزرعه الآدميون وييبس ويدخر ويقتات دون ما تنبته الأرض من الخضر.

ایک اور جلیل القدر تابعی حضرت شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ إِنَّمَا الصَّدَقَةُ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ (السنن الكبرى للبيهقى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے لوگوں کی طرف یہ لکھا کہ صدقہ (یعنی عشر) صرف گندم میں اور جو میں اور کھجور میں اور کشمش میں ہوتا ہے (بیہقی)

مذکورہ حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ كُلُّهَا مَرَاسِيْلُ إِلَّا أَنَّهَا مِنْ طُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ فَبَعْضُهَا يُؤَكِّدُ بَعْضًا وَمَعَهَا رِوَايَةُ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى وَقَدْ مَضَتْ فِيْ بَابِ النَّخْلِ وَمَعَهَا قَوْلُ بَعْضِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

ترجمہ: یہ سب احادیث مرسل ہیں، مگر کیونکہ یہ مختلف سندوں سے مروی ہیں، اس لئے ان میں سے بعض بعض کی تاکید کرتی ہیں، اور ان کے ساتھ حضرت ابو بردہ کی، حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہے، جو کہ ''باب النخل'' میں گزر چکی ہے، اور ان کے ساتھ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول بھی ہے (بیہقی)

اس سے معلوم ہوا کہ عشر کے مخصوص پیداوار میں واجب ہونے اور سبزی میں عشر واجب نہ ہونے سے متعلق احادیث مختلف اسناد سے مروی ہیں، اور صحابۂ کرام کی روایات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا بعض احادیث کی اسناد میں ضعف ہونے سے حرج لازم نہیں آتا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ، بشر بن عاصم اور عثمان بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ سُفْيَانَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيَّ، كَتَبَ إِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ عَامِلًا لَهُ عَلَى الطَّائِفِ: فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّ قِبَلَهُ حِيْطَانًا فِيْهَا كُرُوْمٌ وَفِيْهَا مِنَ الْفِرْسِكِ وَالرُّمَّانِ مَا هُوَ أَكْثَرُ غَلَّةً مِنَ الْكُرُوْمِ

---

[1] رقم الحديث ٧٤٨٢، كتاب الزكاة، جماع ابواب صدقة الزرع، باب الصدقة فيما يزرعه الآدميون وييبس ويدخر ويقتات دون ما تنبته الأرض من الخضر.

أَضْعَافًا فَكَتَبَ إِلَيْهِ يَسْتَأْمِرُهُ فِي الْعُشْرِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهَا عُشْرٌ قَالَ: هِيَ مِنَ الْعِضَاهِ كُلِّهَا فَلَيْسَ عَلَيْهَا عُشْرٌ .

وَهٰذَا قَوْلُ مُجَاهِدٍ وَالْحَسَنِ وَالنَّخَعِيِّ وَعَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ وَرُوِّيْنَاهُ عَنِ الْفُقَهَاءِ السَّبْعَةِ مِنْ تَابِعِي أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ(السنن الکبریٰ للبیہقی) [1]

ترجمہ: سفیان بن عبداللہ ثقفی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا، اور وہ طائف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عامل (ونمائندہ) مقرر تھے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ لکھا کہ ان کے قریب میں ایسے باغ ہیں، جن میں انگور کی بیلیں ہیں، اور اس میں آڑو ہیں، اور انار ہیں، جن کی فصل انگور کی بیلوں سے بہت زیادہ ہے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان چیزوں میں عشر کا حکم معلوم کرنے کے لئے لکھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ ان چیزوں پر عشر نہیں، وہ سب خاردار درختوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن پر عشر نہیں۔

(امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) یہی مجاہد اور حسن اور نخعی اور عمرو بن دینار کا قول ہے، اور یہی قول اہلِ مدینہ کے تابعین فقہائے سبعہ سے بھی ہمیں روایت کیا گیا ہے (بیہقی)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ سبزیوں اور عام پھلوں میں عشر واجب نہیں ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۴۵۴، كتاب الزكاة، جماع ابواب زكاة الثمار، باب لا تؤخذ صدقة شيء من الشجر غير النخل والعنب.

[2] واحتج من عدا أبا حنيفة على انتفاء الزكاة في الخضر والفواكه بقول النبي صلى الله عليه وسلم :ليس في الخضراوات صدقةوعلى انتفائها في نحو الرمان والتفاح من الثمار بما ورد أن سفيان بن عبد الله الثقفي وكان عاملا لعمر على الطائف :أن قبله حيطانا فيها من الفرسك (الخوخ) والرمان ما هو أكثر من غلة الكروم أضعافا فكتب يستأمر في العشر .فكتب إليه عمر أن ليس عليها عشر، وقال :هي من العفاة كلها وليس فيها عشر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۸۰، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حارث اعور سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ: اَلصَّدَقَةُ مِنْ أَرْبَعٍ: مِنَ الْبُرِّ ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ بُرٌّ فَتَمْرٌ ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ تَمْرٌ فَزَبِيبٌ ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ زَبِيبٌ فَشَعِيرٌ (مصنف ابن أبي شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صدقہ (یعنی عشر) چار چیزوں میں ہوتا ہے، ایک گندم میں، اگر گندم نہ ہوتو کھجور میں، پھر اگر کھجور بھی نہ ہو، تو کشمش میں، اور اگر کشمش بھی نہ ہو، تو جو میں عشر واجب ہوتا ہے (ابن ابی شیبہ)

اور عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَيْسَ فِي الْخَضْرِ وَالْبُقُوْلِ صَدَقَةٌ (السنن الكبرىٰ للبيهقي) [2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبزی اور ترکاریوں میں صدقہ (یعنی عشر) نہیں ہے (بیہقی)

اس طرح کی احادیث وروایات اور کئی سندوں سے مروی ہیں۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والفرسک قالوا :هو الخوخ، الفرسک هو الخوخ، أو هو نوع منه أحمر، والتين، هذه كلها فواكه (شرح الموطا لعبد الكريم الخضير، ج ٥٦، ص ٢، كتاب الزكاة، باب ما لا زكاة فيه من الفواكه والقضب والبقول)

[1] رقم الحديث ١٠١١٩ ،كتاب الزكاة، باب من قال ليس الزكاة الا فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب.

[2] رقم الحديث ٧٤٨٤ ، كتاب الزكاة،جماع ابواب صدقة الزرع، باب الصدقة فيما يزرعه الآدميون وييبس ويدخر ويقتات دون ما تنبته الأرض من الخضر.

قال البيهقي: تابعه الأجلح عن أبى إسحاق وروى من وجه آخر عن على رضى الله عنه مرفوعا إلى النبى صلى الله عليه وسلم وروى عن عائشة رضى الله عنها فيما ذكرت أن السنة جرت به وليس فيما نبتت الأرض من الخضر زكاة.

[3] عن الأسود ,عن عائشة ,قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس فيما أنبتت الأرض من الخضر زكاة(سنن الدارقطني،رقم الحديث ١٩٠٨ ،باب :ليس فى الخضراوات صدقة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس طرح کا مضمون متعدد صحابۂ کرام وتابعینِ عظام اورمحدثینِ کرام سے بھی مروی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

عن عطاء بن السائب ,عن موسى بن طلحة ,عن أنس بن مالک ,قال :قال النبی صلی الله عليه وسلم :ليس فی الخضراوات صدقة .مروان السنجاری ضعيف(سنن الدارقطنی،رقم الحديث ۱۹۱۲، باب :ليس فی الخضراوات صدقة)

عن موسى بن طلحة ,عن عمر بن الخطاب ,قال " :إنما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فی هذه الأربعة :الحنطة والشعير والزبيب والتمر "(سنن الدارقطنی،رقم الحديث ۱۹۱۳،باب :ليس فی الخضراوات صدقة)

ل عن أبان عن أنس، قال " :ليس فی هذه الخضر والبقول زكاة "(الخراج،ليحيی بن آدم ، رقم الحديث ۵۶۵)

عن عاصم بن ضمرة ، عن علی ، قال :ليس فی الخضر شیء (مُصنف ابن أبی شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۳۱،باب فی الخضر ، من قال ليس فيها زكاة)

وحدثنا ليث بن أبی سليم عن مجاهد عن ابن عمر قَالَ :ليس فِی الخضر زكاة .

قال:وحدثنا الوليد بن عيسى قال :سمعت موسى بن طلحة يقول :لا صدقة فی الخضر الرطبة والبطيخ والقثاء والخيار .وقَالَ :إنما الصدقة فِی النخل والحنطة والشعير والكرم .ويعنی بالصدقة فِی هذه العشر .

قال :وحدثنی قيس بن الربيع الأسدی عن أبی إسحاق عن عاصم بن ضمرة عن علی رضی الله عنه أنه قال :ليس فِی الخضر زكاة :البقل والقثاء والخيار والبطيخ وكل شیء ليس له أصل .

قال: وحدثنی أبان عن أنس بن مالک رضی الله تعالى عنه قال :ليس فِی البقول زكاة (الخراج،لأبی يوسف يعقوب بن إبراهيم، ج ۱،ص ۵۵)

عن مجاهد، قال " :ليس فی الخضر زكاة، إلا ثمرة يابسة تجمع (الخراج،ليحيی بن آدم ، رقم الحديث ۵۴۴)

عن منصور، عن مجاهد قال :ليس فی الخضر زكاة قال :فذكرته لإبراهيم، فقال : صدق(المصنف عبد الرزاق ، رقم الحديث ۷۱۹۴)

عن مجالد ، عن الشعبی ، قال :ليس فی البقول ؛ الخيار ، والقثاء ، ونحوه صدقة (مُصنف ابن أبی شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۳۲،باب فی الخضر ، من قال ليس فيها زكاة)

عن سفيان ، عن مغيرة ، قال :سمعت مجاهدا ، وإبراهيم جالس يقول :ليس فی البقول ، ولا فی التفاح ، ولا فی الخضر زكاة(مُصنف ابن أبی شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۳۵،باب فی الخضر ، من قال ليس فيها زكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ احادیث وروایات کی بعض سندوں پر اگرچہ کلام پایا جاتا ہے، لیکن ان سب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن طلحة بن يحيى ، قال :سأل عبد الحميد موسى بن طلحة عنها ؟ فقال :إنما الصدقة في الحنطة ، والشعير ، والتمر ، والزبيب (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۲۰)

عن ابن جريج ، قال :قال لي عطاء :لا صدقة إلا في نخل ، أو عنب ، أو حب ، وقال لي ذلك عمرو بن دينار(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۲۱)

عن هشام ، عن الحسن ، قال :الزكاة في البر ، والشعير ، والتمر ، والزبيب(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۲۲)

عن جعفر بن برقان، قال :سألت ميمون بن مهران عن الخضر، فقال :ليس فيها زكاة حتى تباع، فإذا بيعت فبلغت مائتي درهم، فإن فيها خمسة دراهم(كتاب الأموال،للقاسم بن سلاّم، رقم الحديث ۱۵۲۲)

عن عقيل، عن ابن شهاب، قال :ما كان من الفواكه والخضر، فإنما صدقتها في أثمانها حين تباع، صدقة الذهب والورق(كتاب الأموال،للقاسم بن سلاّم، رقم الحديث۱۵۲۳)

عن أشعث، عن عامر، قال " :ليس في الخضر زكاة(الخراج ،ليحيى بن آدم ، رقم الحديث ۵۲۴)

عن مكحول ، قال :ليس في الخضر زكاة ، إلا أن يصير مالا ، فيكون فيه زكاة (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث۱۰۱۳۴)

عن شعبة ، عن الحكم ، قال :ليس في الخضراوات صدقة (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث۱۰۱۳۶)

عن مطرف ، قال :سألت الحكم عن الفصافص ، والأقطان ، والسماسم ؟ فقال :ليس فيها شيء .قال الحكم :فيما حفظنا عن أصحابنا أنهم كانوا يقولون :ليس في شيء من هذا شيء ، إلا في الحنطة ، والشعير ، والتمر ، والزبيب (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث۱۰۱۳۷)

حدثنا إسماعيل بن عياش ، عن عطاء الخراساني ، قال :ليس في الفاكهة عشور ؛ الجوز، واللوز ، والبقول كلها ، والخضر ، ولكن ما بيع منه فبلغ مئتي درهم فصاعدا ، ففيه الزكاة(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث۱۰۱۳۸)

عن ابن جريج ، قال :قال عطاء :ليس في البقول ، والقصب ، والخربز ، والقثاء ، والكرسف ، والفواكه ، والأترج ، والتفاح ، والتين ، والرمان ، والفرسك ، والفاكهة تعد كلها صدقة(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۳۹)

عن علي بن الحكم ، عن أبي العلاء بن الشخير ، قال :ليس في الأعلاف ، ولا في البقول صدقة(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۴۰)

احادیث وروایات کے مجموعہ سے ان میں قوت آ جاتی ہے۔
اور جن فقہائے کرام نے سبزیوں اور بعض دوسری مخصوص پیداوار کو عشر واجب ہونے سے مستثنٰی کیا ہے، ان کا قول معقول دلیل پر مبنی شمار ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] يجب العشر فى الحنطة والشعير والذرة والتمر والزبيب وما كان يسقى بالمسنى منها ففيه نصف العشر ونصابها خمسة أوسق ولا شيء فيما عدا ذلك كالخضروات وغيرها ويجب فى العسل العشر ويجوز تعجيل الزكاة وعلى الإمام أن يرد صدقات أغنياء كل محل فى فقرائهم ويبرأ رب المال بدفعها إلى السلطان وإن كان جائرا.

أقول :أما وجوب الزكاة من هذه الأجناس فلشمول الأدلة الصحيحة لها وللتنصيص عليها فى حديث أبى موسى ومعاذ حين بعثهما صلى الله عليه وسلم إلى اليمن يعلمان الناس أمر دينهم فقال : "لا تأخذ الصدقة إلا من هذه الأربعة الشعير والحنطة والزبيب والتمر "أخرجه الحاكم والبيهقى والطبرانى قال البيهقى :رواته ثقات وهو متصل وأخرج الطبرانى عن عمر قال " :إنما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فى هذه الأربعة فذكرها "وأخرج ابن ماجه والدارقطنى من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بلفظ "إنما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب "وزاد ابن ماجه والذرة وفى إسناده محمد بن عبد الله العزرمى وهومتروك وأخرج البيهقى من طريق مجاهد قال :لم تكن الصدقة فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم إلا خمسة فذكرها وأخرج أيضا من طريق الحسن فقال " :لم يفرض الصدقة النبى صلى الله عليه وسلم إلا فى عشرة فذكر الخمسة المذكورة والإبل والبقر والغنم والذهب والفضة "وأخرج أيضا عن الشعبى أنه قال " :كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن وإنما الصدقة فى الحنطة والشعير والتمروالزبيب "قال البيهقى :هذه المراسيل طرقها مختلفة وهى يؤكد بعضها بعضا ومعها حديث أبى موسى رضى الله عنه ومعها قول عمر وعلى وعائشة رضى الله عنهم "ليس فى الخضروات زكاة "انتهى.

وحديث الخضروات أخرجه الدارقطنى والحاكم والأثرم فى سننه أن عطاء ابن السائب قال " :أراد عبد الله بن المغيرة أن يأخذ صدقة من أرض موسى بن طلحة من الخضروات فقال له موسى بن طلحة ليس لك ذلك إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول ليس فى ذلك صدقة "وهو مرسل قوى وقد أخرجه الدارقطنى والحاكم من حديث إسحاق بن يحيى بن طلحة عن عمه موسى بن طلحة عن معاذ بلفظ "وأما القثاء والبطيخ والرمان والقصب فعفو عفا عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الحافظ :وفيه ضعف وانقطاع وروى الترمذى بعضه من حديث موسى بن طلحة عن معاذ وقد رواه ابن عدى من وجه آخر عن أنس والدارقطنى من حديث على رضى الله عنه ومن حديث محمد بن جحش ومن حديث عائشة رضى الله عنهما ورواه أيضا البيهقى عن على رضى الله عنه وعمر رضى الله عنه موقوفا وفى طريق حديث الخضروات مقال لكنه روى من طرق كثيرة يشهد بعضها لبعض فينتهض للإحتجاج به وإذا انضم إلى ما تقدم فى وجوب الزكاة فى تلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عشر کی جنس سے متعلق مسائل

مذکورہ تفصیل کے بعد اب فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں عشر واجب ہونے والی اجناس سے متعلق احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... فقہائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ چھوہارے، اور کشمش اور گندم اور جو میں عشر واجب ہوتا ہے، جبکہ عشر واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، کیونکہ ان چیزوں میں عشر واجب ہونے کی متعدد احادیث میں تصریح اور وضاحت آئی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... کھجور، کشمش، گندم اور جو کے علاوہ دیگر اشیاء میں عشر واجب ہونے کے متعلق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأجناس الأربعة والخمسة انتهض الجميع للاحتجاج بلا شک ولا شبهة وقد رويت تلک الروايات بلفظ الحصر على تلک الأجناس كما سبق فكان ذلک هو البيان منه صلى الله عليه وسلم لما أنزله الله تعالى فلا تجب فى غير ذلک من النباتات وقد ذهب إلى ذلک الحسن البصرى والحسن بن صالح والثورى والشعبى وأيضا يمكن الجمع بطريق أخرى وهى أن هذه الأدلة المذكورة هنا مخصصة لعمومات القرآن والسنة وذلک واضح ولا يصح جعل ذلک من باب التنصيص على بعض أفراد العام لما فى ذلک من الحصر تارة والنفى لما عدا ماذكر أخرى.

وأما كون الواجب العشر إلا فى المستثنى فنصف العشر فوجهه حديث جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :فيما سقت الأنهار والغيم العشر وفيما سقى بالسانية نصف العشر "رواه أحمد ومسلم والنسائى وأبو داود(الدرارى المضية شرح الدرر البهية،للشوكانى،ج۲،ص۱۶۲،باب زكاة النبات)

[1] أجمع العلماء على أن فى التمر (ثمر النخل) والعنب (ثمر الكرم) من الثمار، والقمح والشعير من الزروع الزكاة إذا تمت شروطها .وإنما أجمعوا على ذلک لما ورد فيها من الأحاديث الصحيحة، منها حديث عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما مرفوعا :الزكاة فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب وفى لفظ العشر فى التمر والزبيب والحنطة والشعير ومنها حديث عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال :إنما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فى هذه الأربعة الحنطة والشعير والزبيب والتمر وعن أبى بردة عن أبى موسى ومعاذ رضى الله عنهم أجمعين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثهما إلى اليمن يعلمان الناس أمر دينهم، فأمرهم أن لا يأخذوا الصدقة إلا من هذه الأربعة :الحنطة والشعير والتمر والزبيب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۷۸، مادة "زكاة")

فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز پر عشر واجب ہوتا ہے، جس کو اُگانا یا آمدنی کا ذریعہ بنانا مقصود ہو، خواہ اس کا تعلق غلے سے ہو، یا پھل سے ہو، یا سبزی سے ہو، یا خشک میوے سے ہو، یا جانوروں کے چارے سے ہو یا کسی اور چیز سے ہو (جیسے گندم، جو، چاول، چنا، مکئی، جوار، گنا، باجرہ، ہر قسم کی سبزیاں، پھل، کھجوریں، اخروٹ، بادام، دھنیا، چری، بھوسہ وغیرہ)

لیکن جو پیداوار مقصودی نہیں ہوتی، بلکہ پیداوار کے ساتھ ضمنی طور پر حاصل ہو جاتی ہے، جیسے گندم یا چاول یا مکئی کا بھوسہ، یا مقصودی پیداوار کے ساتھ خود بخود اُگ آتی ہے، جیسے فصل کے ساتھ گھاس وغیرہ۔

اسی طرح مختلف جڑی بوٹیاں اور دوائیاں جس میں میتھی، اجوائن اور کلونجی بھی داخل ہے، ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اصولی اعتبار سے عشر واجب نہیں۔

البتہ اگر اس قسم کی چیزوں کی پیداوار بھی مقصود ہو (خواہ فروخت کرنے کے لئے یا ذاتی استعمال کے لئے یا جانوروں کو کھلانے کے لئے) تو پھر ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر مکئی یا گندم یا چاول وغیرہ کی فصل دانہ پڑنے سے پہلے ہی کاٹ لی گئی ہو، تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا "لِأَنَّهُ صَارَ هُوَ الْمَقْصُود" [1]

---

[1] ثم اختلف العلماء فى ما عدا هذه الأصناف الأربعة:

فذهب أبو حنيفة إلى أن الزكاة تجب فى كل ما يقصد بزراعته استنماء الأرض، من الثمار والحبوب والخضراوات والأبازير وغيرها مما يقصد به استغلال الأرض، دون ما لا يقصد به ذلك عادة كالحطب والحشيش والقصب (أى القصب الفارسى بخلاف قصب السكر) والتبن وشجر القطن والباذنجان وبذر البطيخ والبذور التى للأدوية كالحلبة والشونيز، لكن لو قصد بشىء من هذه الأنواع كلها أن يشغل أرضه بها لأجل الاستنماء وجبت الزكاة، فالمدار على القصد.

واحتج بقول النبى صلى الله عليه وسلم :فيما سقت السماء أو كان عثريا العشر.فإنه عام فيؤخذ على عمومه، ولأنه يقصد بزراعته نماء الأرض واستغلالها فأشبه الحب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٢٧٩، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج کل بعض لوگ جو گندم، جو یا مکئی اور گھاس وغیرہ کو جانوروں کے چارے کے طور پر کاشت کرتے ہیں، اور پختہ ہونے سے پہلے اس کو کاٹ لیتے ہیں، تو اس صورت میں کیونکہ ان کی پیداوار مقصود ہوتی ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان چیزوں پر بھی عشر واجب ہوگا۔

اگر گندم یا کسی اور بڑی فصل کے ساتھ اپنے ذاتی استعمال کے لیے کوئی دوسری پیداوار بھی ضمناً شامل کردی، مثلاً سرسوں، لوبیا وغیرہ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر بھی عشر واجب ہوگا، کیونکہ اس کی پیداوار بھی مقصود ہے، اور عشر واجب ہونے کے لیے تجارت کی نیت شرط نہیں۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خودرو درخت اور ان سے حاصل شدہ لکڑی پر عشر نہیں، لیکن اگر انہیں اپنے اختیار سے لگایا جائے اور ان سے لکڑی کا حصول مقصود ہو تو ان پر عشر واجب ہوگا۔ [1]

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جن اشیاء کی زمین سے کاشت مقصود نہیں ہوتی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إلَّا فِيمَا لا يقصد به استغلال الأرض (نحو حطب وقصب) فارسى (وحشيش) وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي وأشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطيخ وقثاء وأدوية كحلبة وشونيز حتى لو أشغل أرضه بها يجب العشر (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ص ۳۲۷، كتاب الزكاة، باب العشر)

(قوله :إلا فيما لا يقصد إلخ) أشار إلى أن ما اقتصر عليه المصنف كالكنز وغيره ليس المراد به ذاته بل لكونه من جنس ما لا يقصد به استغلال الأرض غالبا وأن المدار على القصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر كما صرح به بعده.

(قوله :وقصب) هو كل نبات يكون ساقه أنابيب وكعوبا والكعوب العقد والأنبوب ما بين الكعبين، واحترز بالفارسى عن قصب السكر وقصب الذريرة، وهو قصب السنبل ففيهما العشر كما فى الجوهرة وفى المعراج قصب العسل يجب العشر فى عسله دون خشبه شرنبلالية (قوله :وتبن) بالباء الموحدة قال فى الفتح غير أنه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه؛ لأنه صار هو المقصود وعن محمد فى التبن إذا يبس العشر (ردالمحتار، ج۲، ص ۳۲۷، كتاب الزكاة، باب العشر)

[1] فلو استنما أرضه بقوائم الخلاف وما أشبهه أو بالقصب أو الحشيش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر (رد المحتار، ج۲ ص۳۲۷، كتاب الزكاة، باب العشر)

(جیسے خودرو گھاس) اگر زمین کو ان ہی اشیاء کی پیداوار کے لیے خاص کر کے چھوڑ دیا، تو بھی اس کی پیداوار پر عشر آئے گا۔

اسی طرح جن درختوں سے ان کے پتے مقصود ہوتے ہیں، جیسے پان اور تمباکو وغیرہ کا درخت، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے پتوں میں بھی عشر واجب ہوتا ہے۔ ل

ل وهذا إذا كان الكلأ نابتا فى ملكه بلا إنباتة، ولم يحتشه (ردالمحتار، ج٦ ص ٤٤١، كتاب احياء الموات، فصل الشرب)

قال :(إلا القصب الفارسى والحطب والحشيش) لأنها تنقى من الأرض، حتى لو اتخذ أرضه مقصبة أو مشجرة للحطب ففيه العشر، والقنب كالحشيش(الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ص ١١٣، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

واعلم أن عند أبى حنيفة -رضى الله عنه -يجب فى الخضراوات صدقة يؤديها المالك إلى الفقراء، لا أنه يأخذها السلطان، هكذا فى(الأسرار)للقاضى الإمام أبو زيد الدبوسى.

(إلا فى نحو حطب) كالقصب، والحشيش(شرح الوقاية، ج٣ص ٢١٨، ٢١٩، كتاب الزكاة)

قوله :إلا فى نحو حطب؛ المراد به ما لا يقصد به استغلال الأرض غالبا، ولا يطلب نباتها فى البساتين عادة، كالحطب والتبن وهو الكلأ، والسعف أى ورق جريد النخل الذى يتخذ منه الزنبيل والمراوح، والخطمى والأشنان وشجر القطن وغير ذلك، نعم لو قصد الاستغلال بشىء منها كما فى إذا اتخذ الجنان مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش، يجب فيها العشر .كذا فى (الهداية)عطف على قوله لم يبق اى وان لم يبلغ الخارج الى سنة كالبقول ونحوها عطف على قوله خرج وهذا احتراز عما سقى من بير فانه سيأتى حكمه.

قوله :كالقصب؛ المراد به القصب الفارسى الذى تتخذ منه الأقلام ويدخل فى الأبنية، وأما قصب السكر ففيه العشر عنده .كذا فى (الهداية) و(البناية)(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج٣ص ٢١٩، كتاب الزكاة)

وذهب أبو حنيفة إلى وجوب الزكاة -العُشر أو نصفه -فى كل ما أخرج الله من الأرض، مما يُقصد بزراعته نماء الأرض، وتُستغل به عادة، ولهذا استثنى الحطب والحشيش والقصب الفارسى؛ لأنها مما لا يستنبته الناس فى العادة فى الأرض، بل تنفى عنها، حتى لو اتخذ أرضه مقصبة أو مشجرة أو منبتًا للحشيش يجب فيها العُشر (الهداية -مع الفتح ٢/٢-٥، وذكر فى الفتح ص ٢:أنه لا شىء فى الأدوية، ولا فيما يخرج من الأشجار كالصمغ والقطران، ولكن ينبغى أن يقيد هذا بما إذا لم يصبح ثروة تطلب وتقصد، فقد تزرع بعض النباتات للأدوية، وقد تستغل بعض الأشجار للصمغ، فيجب أن تدخل حينئذ فى العموم)

فلم يشترط أن يكون الخارج من الأقوات، ولا أن يكون مما ييبس ويدخر ولا أن يكون مما يكال، ولا أن يكون مأكولاً(فقه الزكاة للقرضاوى، ج ١ ص ٣٥٣، ٣٥٤، الباب الثالث، الفصل الخامس، المبحث الثانى الحاصلات الزراعية التى تجب فيها الزكاة)

جو چیزیں درختوں کے اندر سے نکلتی ہیں، جیسے گوند وغیرہ ان پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر واجب نہیں اسی طرح مختلف سبزیوں وغیرہ کے بیج جو صرف کھیتی کے بیج یا دوائی کے لئے استعمال ہوتے ہیں (غذائی اجناس کے طور پر نہیں ہوتے) جیسے خربوزہ، تربوز وغیرہ کے بیج ان پر بھی عشر واجب نہیں کیونکہ یہ زمین کی مقصودی پیداوار شمار نہیں ہوتے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳...... گزشتہ تفصیل تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تھی، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد اور بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک عشر اس غلہ اور پھل میں واجب ہوتا ہے، جو باقی رہتا ہو، جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ پھل عموماً بغیر کسی خاص تدبیر کے خراب ہوئے بغیر کم از کم ایک سال تک باقی رہتا ہو، اور وہ فی نفسہٖ مقصود ہو، اور اس کا فائدہ بھی عام ہو، جیسا کہ گندم، چاول، مکئی، باجرہ، جو، چھوارہ، کشمش، دالیں، چنا، انجیر، بادام، مونگ پھلی، پستہ، چلغوزہ، اخروٹ، خشک خوبانی، کلونجی، تِل، دھنیا، زیرہ، سونف، رائی، کاسنی، زعفران، وغیرہ۔

اور ایسے پھلوں میں کہ جو عموماً بغیر کسی خاص تدبیر کے باقی نہ رہتے ہوں، اور اسی طرح

---

[۱] ولا عشر فيما هو تابع للأرض كالنخل والأشجار وكل ما يخرج من الشجر كالصمغ والقطران؛ لأنه لا يقصد به الاستغلال (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۶، كتاب الزكاة، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار)

ولا يجب في البذور التي لا تصلح إلا للزراعة والتداوي كبذر البطيخ والنانخواه والشونيز (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۶، كتاب الزكاة، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار)

أما الحطب والقصب والحشيش لا يقصد بها استغلال الأرض غالبا بل تنفى عنها حتى لو استغل بها أرضه وجب فيها العشر وعلى هذا كل ما لا يقصد به استغلال الأرض لا يجب فيه العشر وذلك مثل السعف والتبن وكل حب لا يصلح للزراعة كبزر البطيخ والقثاء لكونها غير مقصودة في نفسها وكذا لا عشر فيما هو تابع للأرض كالنخل والأشجار لأنه بمنزلة جزء الأرض ولهذا يتبعها في البيع وكل ما يخرج من الشجر كالصمغ والقطران لا يجب فيه العشر لأنه لا يقصد به الاستغلال ويجب في العصفر والكتان وبزره لأن كل واحد منهما مقصود فيه (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۹۲، ۲۹۳، كتاب الزكاة، باب العشر)

ثم البزور التي لا تصلح إلا للزراعة كبزر البطيخ والقثاء ونحوهما فلا عشر فيها لأنها غير مقصودة في نفسها وإنما المقصود ثمارها اهـ (تنقيح فتاویٰ الحامدية، ج ۱ ص ۵۰، باب الزكاة والعشر)

سبزیوں، ترکاریوں پھلوں اور پھولوں میں، ان حضرات کے نزدیک عشر واجب نہیں، جیسا کہ عام سبزیاں، بھنڈی، توری، گاجر، کریلا، گوبھی، مٹر، شلجم، لوکی، لیموں، آلو، ککڑی، کھیرا اور مختلف قسم کی دیگر سبزیاں، اور عام پھل، تربوز، خربوزہ، انار، سیب، امرود، آڑو، ناشپاتی، آم، مالٹا، اور پھول، گلاب، چنبیلی، یاسمین، موتیا وغیرہ، اور ایسے بیج جن کو بطور بیج کے ہی کھیتی یا دوا وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً اجوائن، تربوز اور خربوزہ وغیرہ کے بیج، کہ ان میں بھی مذکورہ حضرات کے نزدیک عشر واجب نہیں، بلکہ عام سبزیوں میں دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بھی عشر واجب نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے (اور بندہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، جس کے دلائل پہلے ذکر کئے جاچکے ہیں) [1]

---

[1] وذهب صاحبا أبي حنيفة إلى أن الزكاة لا تجب إلا فيما له ثمرة باقية حولا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۷۹، مادة "زكاة")

أما الصاحبان من الحنفية فقالا: لا يجب العشر إلا فيما له ثمرة باقية إذا بلغ خمسة أوسق، وليس في الخضروات (الفواكه كالتفاح والكمثرى وغيرهما، أو البقول كالكراث والكرفس ونحوهما) عندهما عشر، لعدم الثمرة الباقية(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۸۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

وعند أبي يوسف ومحمد لا يجب إلا في الحبوب وما له ثمرة باقية واحتجا بما روى عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أنه قال: ليس في الخضراوات صدقة (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۵۹، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل الشرائط المحلية)

والحديث الآخر معروف ايضا أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذ بن جبل الى الجبل فأمره أن لا يأخذ من الخضر صدقة والخضر عندنا ما لم يكن له ثمرة باقية مثل البقول والرطاب والبطيخ والخيار والقثاء والبصل والثوم وأشباه ذلك من الرياحين كلها من الآس والخيرى والورد والوسمة ونحو ذلك فليس في شيء من هذا صدقة إذا كان في أرض العشر وكذلك البزور كلها التي لا ينتفع بها إلا البزر مثل بزر الرطبة وبزر البقول والبطيخ ونحوه فليس في شيء من هذه البزور كلها صدقة عشر ولا غيره إذا أخرجته الأرض قليلا كان أو كثيرا.

إذا أخرجت الأرض من أرض العشر مما له ثمر باق مثل الحنطة والشعير والتين والزبيب والأرز والذرة والسلب ونحو ذلك من الجوز واللوز والفستق والجلوز الحبة الخضراء وغير ذلك ففيما أخرجت الأرض العشر منه(السير الصغير لمحمد بن الحسن الشيباني، ج ا ،ص ۲۷۹، كتاب العشر)

وأما ما يبقى في أيدى الناس مما يكال بالقفيز ويوزن بالأرطال فهو مثل الحنطة والشعير والذرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ بہت سے پھل اورسبزیاں ایسی ہیں کہ وہ بغیرتدبیر کے ایک سال تک صحیح سالم اور محفوظ نہیں رہ پاتیں، لیکن آج کل بعض جدید تدابیراور مشینوں مثلاً فریج، ڈیپ فریزر، کولڈ سٹور، وغیرہ کے ذریعہ سے ان کوایک طویل مدت تک محفوظ رکھ لیا جاتا ہے، تو صاحبین (یعنی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والأرز والحبوب والسمسم والشهدانج واللوز والبندق والجوز والفستق والزعفران والزيتون والقرطم والكزبرة والكراويا والكمون والبصل والثوم وما أشبه ذلك .

فإذا أخرجت الأرض من ذلك خمسة أوسق أو أكثر ففيه العشر إذا كان في أرض تسقى سيحا أو سقتها السماء ,وإذا كانت في أرض تسقى بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر ,وإذا نقص عن خمسة أوسق لم يكن فيه شيء (الخراج لابی یوسف، ج ۱، ص ۵۱،۵۲،باب فی قسمة الغنائم إذا أصيبت من العدو،فصل ما ينبغي أن يعمل به في السواد)

والأصل عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى أن ما ليست له ثمرة باقية مقصودة فلا شيء فيه كالبقول والخضر والرياحين إنما العشر فيما له ثمرة باقية مقصودة(المبسوط،للسرخسی، ج۳ص ۲، کتاب الزکاة، باب عشر الارضین)

وقال أبو يوسف، ومحمد :وكل شيء له ثمرة باقية، وتكون منفعته عامة، ويكون مقصودا في نفسه يجب فيه العشر، وما كان يخالفه لا يجب فيه العشر، حتى إن عندهما لا يجب العشر في الخضر، وعند أبي حنيفة يجب، وقولهما :في ماله ثمرة باقية تدخر في الغالب، وتبقى سنة أو أكثر نحو الحنطة، والشعير، والتمر، والزبيب وأشباهها حجتهما في ذلك قوله عليه السلام، ليس في الخضروات صدقة (المحيط البرهانی، ج ۲، ص۳۲۵، کتاب العشر، الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر وما لا يجب)

(قوله وقال أبو يوسف ومحمد لا يجب العشر إلا فيما له ثمرة باقية) أي تبقى عينه حولا من غير تكلف ولا تشميس مما يقتات كالحنطة والشعير والذرة والدخن والأرز والجاورس والعدس والماش واللوبيا وهي الدخن والحمص والبرعي والهندباء والتمر والزبيب وما أشبه ذلك مما يقصد به الأكل وهو يبقى سنة أو ينتفع به انتفاعا عاما كالزعفران والعصفر والفلفل والكمون والخردل والكزبرة ففيه العشر وفي السمسم العشر فإن عصر قبل أن يؤخذ منه العشر أخذ من دهنه ولم يؤخذ من الشجيرة شيء وكذا الزيتون على هذا ويجب العشر في الجوز واللوز والبصل والثوم في الصحيح ولا عشر في الأدوية كالسعتر والشونيز والحلف والحلبة وقيل يجب في الشونيز العشر وهو حبة السوداء ولا شيء في الخطمي والوسمة وبزره ولا في الأشنان ولا فيما يخرج من الخشب كالقطران والسلت والقت والصمغ ولا شيء في بزر الباذنجان والجزر ولا في بزر القثاء والبطيخ والدباء والخيار لأن هذه الأشياء لا تصلح إلا للزراعة دون الأكل(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۲۵،۱۲۶، کتاب الزکاة، باب زکاة الزروع والثمار)

وخالف أبا حنيفة صاحباه -أبو يوسف ومحمد -فيما ليس له ثمرة باقية (وهو ما يبقى سنة بلا علاج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک ان پر بھی عشر واجب نہیں، کیونکہ مذکورہ طریقوں پر ان کو محفوظ رکھنا خاص علاج وتدبیر اور تکلف کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۴...... امام ابو یوسف، امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک گنے پر عشر واجب ہوتا ہے۔

البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب عشر کے نصاب کی مقدار کے برابر ہو، تو ہی عشر واجب ہوتا ہے، اور گنے کے عشر کے نصاب کی مقدار کیا ہے؟ اس کا ذکر عشر کے نصاب کے احکام میں بیان کر دیا گیا ہے۔ [۲]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

غالبًا، والعلاج :الحاجة إلى التقليب أو التعليق ..انتهى ملخصًا من فتح القدير ۲/۲) وهي الخضراوات كالبقول والرطاب والخيار والقثاء ونحوها.

وعلى مذهب أبي حنيفة وصاحبيه :يجب إخراج الزكاة من قصب السكر والزعفران والقطن والكتان وما شابهها، وإن لم تكن مما يقتات أو يؤكل(فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱ ص ۳۵۴،الباب الثالث، الفصل الخامس،المبحث الثاني الحاصلات الزراعية التي تجب فيها الزكاة)

(قوله فيما له ثمرة باقية) وهي ما يبقى سنة بلا علاج غالبا بخلاف ما يحتاج إليه كالعنب في بلادهم والبطيخ الصيفي في ديارنا وعلاجه الحاجة إلى تقليبه وتعليق العنب .اهـ .فتح (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۲۹۱، كتاب الزكاة، باب العشر)

(قوله إلا فيما له ثمرة باقية) وهي ما تبقى سنة بلا علاج غالبا، بخلاف ما يحتاج إليه كالعنب في بلادهم والبطيخ الصيفي في ديارنا، وعلاجه الحاجة إلى تقليبه وتعليق العنب (فتح القدير، ج ۲، ص ۲۴۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

[۱] (قوله وليس في الخضراوات عندهما عشر) فإن كانت للتجارة تجب فيها زكاة التجارة بالاتفاق إذا بلغت قيمتها مائتي درهم والخضراوات ما ليس له ثمرة باقية كالبقول والرطاب فالبقول كالكراث والبقل والسلق ونحو ذلك والرطاب كالقثاء والبطيخ والباذنجان والسفرجل والرمان والتفاح وأشباه ذلك(الجوهرة النيرة، ج ۱، ص ۱۲۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

[۲] وعلى مذهب أبي حنيفة وصاحبيه :يجب إخراج الزكاة من قصب السكر (فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱، ص ۳۱۲)

أما قصب السكر، وقصب الذريرة، ففيهما العشر؛ لأن الأراضي تستنمى بهما عادة.

قال محمد في الأصل :قصب السكر بمنزلة التمر (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۲۵، كتاب الزكاة، الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر وما لا يجب)

مسئلہ نمبر ۵...... امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو پیاز اور لہسن میں عشر واجب ہے، لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ان میں عشر واجب ہونے نہ ہونے میں روایات مختلف ہیں۔

امام محمد کی ایک روایت کے مطابق پیاز اور لہسن میں عشر واجب نہیں، کیونکہ یہ عام سبزیوں میں داخل ہیں، اور عموماً ان کو بغیر خاص تدبیر کے سال بھر تک باقی رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ [1]

جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق پیاز اور لہسن میں عشر واجب ہے، کیونکہ ان کو بغیر خاص تدبیر کے سال بھر تک باقی رکھنا ممکن ہوتا ہے۔

بہر حال پیاز اور لہسن کا عشر ادا کر دینے میں احتیاط ہے۔ [2]

---

[1] داوود بن رشيد قال سمعت محمد بن الحسن رحمه الله يقول قال أبو حنيفة رحمه الله فى أرض العشر ما أخرجت الأرض من قليل او كثير مما له ثمر باق أو لا ثمر من الخضر وغيرها إن كانت الأرض تسقى سيحا أو سقته السماء ففيما أخرجت فى ذلك كله العشر وما كان من ذلك يسقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر إلا الحطب والحشيش والتبن فإنه لم يكن يرى فيه شيئا وكان يأخذ فى ذلك بما روى عن إبراهيم النخعى أنه كان يقول فيما أخرجت الارض نصف العشر على ما وصفت لك وروى ذلك عن مجاهد أنه كان يقول ولسنا نأخذ بهذا الحديث

المعروف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال ليس فيما دون خمس ذود صدقة وليس فيما دون خمس أواقى صدقة والحديث الآخر معروف ايضا أن النبى صلى الله عليه وسلم بعث معاذ بن جبل الى الجبل فأمره أن لا يأخذ من الخضر صدقة والخضر عندنا ما لم يكن له ثمرة باقية مثل البقول والرطاب والبطيخ والخيار والقثاء والبصل والثوم وأشباه ذلك من الرياحين كلها من الآس والخيرى والورد والوسمة ونحو ذلك فليس فى شىء من هذا صدقة إذا كان فى أرض العشر وكذلك البزور كلها التى لا ينتفع بها إلا البزر مثل بزر الرطبة وبزر البقول والبطيخ ونحوه فليس فى شىء من هذه البزور كلها صدقة عشر ولا غيره إذا أخرجته الأرض قليلا كان أو كثيرا.

إذا أخرجت الأرض من أرض العشر مما له ثمر باق مثل الحنطة والشعير والتين والزبيب والأرز والذرة والسلب ونحو ذلك من الجوز واللوز والفستق والجلوز الحبة الخضراء وغير ذلك ففيما أخرجت الأرض العشر منه(السير الصغيرلمحمد بن الحسن الشيبانى، ج ا ،ص ۲۷۹، كتاب العشر)

[2] وأما ما يبقى فى أيدى الناس مما يكال بالقفيز، ويوزن بالأرطال فهو مثل الحنطة والشعير والذرة والأرز والحبوب والسمسم والشهدانج واللوز والبندق والجوز والفستق والزعفران والزيتون والقرطم والكزيرة والكراويا والكمون والبصل والثوم وما أشبه ذلك.

فإذا أخرجت الأرض من ذلك خمسة أوسق أو أكثر ففيه العشر إذا كان فى أرض تسقى سيحا أو سقتها السماء ، وإذا كانت فى أرض تسقى بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر، وإذا نقص عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو چیزیں دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، مثلاً مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں، ان میں ان حضرات فقہائے کرام کے نزدیک عشر واجب نہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مہندی میں عشر واجب نہیں ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق مہندی میں عشر واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... مالکیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ پھلوں کے اندر تو صرف کھجور اور انگور میں عشر واجب ہوتا ہے، اور غلہ کے اندر گندم اور جَو اور ستو اور مکئی اور چاول اور مسور اور تمبا کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خمسة أوسق لم يكن فيه شيء (الخراج لابی یوسف، ج ا ص ٦٣ ،باب فی قسمة الغنائم إذا أصيبت من العدو،فصل :ما ينبغي أن يعمل به في السواد)

(وعندهما إنما يجب) العشر (فيما يبقى سنة) بلا معالجة كثيرة فلا شيء في مثل الخوخ والكمثرى والتفاح والمشمش والثوم والبصل(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر،ج ا ،ص ٢١٥،باب زكاة الخارج)

ولا عشر في الثوم والباقلاء عند محمد؛ لأنها من جملة الخضر، وكذلك الثوم، وعن أبي يوسف: أنه أوجبه في البصل(المحيط البرهانی، ج٢،ص ٣٢٦، كتاب العشر،الفصل الأول)

وفي الثوم والبصل روايتان عن محمد -رحمه الله تعالى- قال في إحدى الروايتين :هما من الخضر فلا شيء فيهما، وفي الرواية الأخرى قال يقعان في الكيل ويبقيان في أيدي الناس من حول إلى حول فيجب فيها العشر(المبسوط للسرخسی ،ج٣،ص ٣، كتاب الزكاة،باب العشر)

[1] وقالا في حب الصنوبر إذا بلغ الأوسق ففيه العشر؛ لأنه يقبل الادخار ولا شيء في خشبه كما لا شيء في خشب سائر الشجر، ويجب في الكرويا والكزبرة والكمون والخردل لما قلنا ولا يجب في السعتر والشونيز والحلبة؛ لأنها من جملة الأدوية فلا يعم الانتفاع بها، وقصب السكر إذا كان مما يتخذ منه السكر فإذا بلغ ما يخرج منه خمسة أفراق وجب فيه العشر كذا قال محمد :لأنه يبقى وينتفع به انتفاعا عاما، ولا شيء في البلوط؛ لأنه لا يعم المنفعة به، ولا عشر في بزر البطيخ والقثاء والخيار والرطبة وكل بزر لا يصلح للزراعة بلا خلاف بينهما؛ لأنه لا يقصد بزراعتها نفسها بل ما يتولد منها وذا لا عشر فيه عندهما(بدائع الصنائع، ج ٢،ص ٦٠، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع والثمار، فصل الشرائط المحلية)

وعن محمد :لا عشر في الرياحين كلها الآس والحناء ؛ والورد والوسمة، وعن أبي يوسف :أنه أوجب في الحناء ؛ لأنه ينتفع به انتفاعا عاما، وإنه يبقى سنة(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢،ص ٣٢٦، كتاب العشر،الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر وما لا يجب)

وأبو يوسف -رحمه الله تعالى- أوجب في الحناء ؛ لأنه ينتفع به انتفاعا عاما، ولم يوجبه فيه محمد -رحمه الله-؛ لأنه من الرياحين (المبسوط للسرخسی ،ج٣،ص ٣، كتاب الزكاة،باب العشر)

وغیرہ میں اور دالوں کے اندر چنے، لوبیا وغیرہ میں، اور تیلوں کے اندر زیتون کے تیل اور تِل کے تیل وغیرہ میں عشر واجب ہوتا ہے۔

اور ان کے نزدیک عام سبزی اور پھلوں میں عشر واجب نہیں۔ [1]

اور شافعیہ کے نزدیک صرف اس فصل اور پھل میں ہی عشر واجب ہوتا ہے، جس کا تعلق کھانے پینے کی ایسی غذائی اجناس سے ہو کہ جو بدن کی ضرورت سے تعلق رکھتا ہو (جیسا کہ گندم، جو، چاول، باجرہ، مکئی، دال، چنا، اور چھوارہ، کشمش) نہ کہ لذت یا دوا سے تعلق رکھتا ہو۔

---

[1] وذهب المالكية إلى التفريق بين الثمار والحبوب، فأما الثمار فلا يؤخذ من أى جنس منها زكاة غير التمر والعنب، وأما الحبوب، فيؤخذ من الحنطة والشعير والسلت والذرة والدخن والأرز والعلس، ومن القطانى السبعة الحمص والفول والعدس واللوبيا والترمس والجلبان والبسيلة، وذوات الزيوت الأربع الزيتون والسمسم والقرطم وحب الفجل .فهى كلها عشرون جنسا، لا يؤخذ من شيء سواها زكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٧٨ مادة "زكاة")

ذهب المالكية والشافعية إلى أنه لا زكاة فى ثمر إلا التمر والزبيب لكونهما من القوت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥، ص١٢، مادة "ثمار")

واشترط المالكية شرطين:

١. أن يكون الناتج من الحبوب، ومن الثمار (التمر والزبيب والزيتون) ولازكاة فى الفواكه كالتفاح والرمان، ولا فى الخضروات والبقول .وذلك سواء فى الأرض الخراجية كأرض مصر والشام التى فتحت عنوة، وخراجها لا يسقط عنها الزكاة، وغير الخراجية :وهى أرض الصلح التى أسلم أهلها عليها، وأرض الموات.

٢. أن يكون الناتج نصابا وهو خمسة أوسق (٦٥٣ كغ)، والوسق ستون صاعا، والصاع أربعة أمداد بمد النبى صلى الله عليه وسلم، وهو اثنا عشر قنطارا أندلسية(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص١٨٨٢، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

وأما المالكية فقالوا :تجب الزكاة فى عشرين صنفا :أما الحبوب فسبعة عشر :القطانى السبعة (وهى الحمص ـ بكسر الميم وفتحها، والفول، واللوبيا والعدس، والترمس، والجلبان، والبسيلة) والقمح، والسلت (نوع من الشعير لا قشر له)، والعلس، والذرة، والدخن، وأرز، وذوات الزيوت الأربعة :وهى الزيتون والسمسم، والقرطم (حب العصفر)، وحب الفجل الأحمر، أما الفجل الأبيض فلا زكاة فى حبه، إذ لا زيت له.

وأما الثمار فثلاثة :التمر والزبيب والزيتون، لقول عمر :وفى الزيتون العشر.

ولا تجب الزكاة فى الفواكه كالتين والرمان والتفاح ونحوها، ولا فى بزر الكتان، والسلجم (اللفت)، ولا فى جوز ولوز، ولا غير ذلك(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص١٨٨٥، ١٨٨٦، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

اوران کے نزدیک سبزیوں اورترکاریوں میں عشرواجب نہیں۔ [۱]

اورحنابلہ کے نزدیک عشر ہراس پھل اورفصل میں واجب ہوتا ہے کہ جس کالین دین ناپ کر ہوتا ہو، اوراس کوخشک کرکے باقی بھی رکھا جاسکتا ہو، جیسا کہ گندم، چاول، مکئی، باجرہ، دال، چنا، لوبیا، کھجور، انگور، اخروٹ، اورمختلف سبزیوں کے بیج وغیرہ۔

---

[۱] وذهب الشافعية إلى أن الزكاة لا تجب في شيء من الزروع والثمار إلا ما كان قوتا.
والقوت هو ما به يعيش البدن غالبا دون ما يؤكل تنعما أو تداويا، فتجب الزكاة من الثمار في العنب والتمر خاصة، ومن الحبوب في الحنطة والشعير والأرز والعدس وسائر ما يقتات اختيارا كالذرة والحمص والباقلاء ، ولا تجب في السمسم والتين والجوز واللوز والرمان والتفاح ونحوها والزعفران والورس والقرطم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۷۸، مادة "زكاة")
واشترط الشافعية ثلاثة شروط:
۱. أن يكون الناتج الذي تخرجه الأرض مما يقتات ويدخر وينبته الآدميون :فمن الحب :الحنطة والشعير والدخن والذرة والأرز والعدس والحمص وما أشبه ذلك، ومن الثمار :التمر والزبيب . ولا زكاة في الخضروات والبقول والفواكه كالقثاء والبطيخ والرمان والقصب .والزكاة على الحبوب بعد تصفيتها من القش والتبن.
۲. أن يكون الناتج نصابا كاملا، وهو خمسة أوسق وهي ألف وست مئة رطل بغدادية، وبالدمشقي في الأصح ثلاث مئة واثنان وأربعون رطلا وستة أسباع رطل، وهي تساوي ۶۵۳ كغ.
۳. أن يكون مملوكا لمالك معين :فلا زكاة في الموقوف على المساجد على الصحيح، إذ ليس لها مالك معين، ولا زكاة في نخيل الصحراء المباح إذ ليس له مالك معين(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص۱۸۸۲،۱۸۸۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)
وأما الشافعية :فقرروا أن الزكاة تختص بالقوت، وهو من الثمار :التمر والزبيب ، ومن الحب : الحنطة والشعير والأرز والعدس والماش، وسائر المقتات اختيارا كالحمص، والباقلا (الفول) والذرة، والهرطمان :(حب متوسط بين الحنطة والشعير) وهو الجلبانة والكرسنة والحلبة والخشخاش والسمسم.
ولا زكاة في القثاء والبطيخ والرمان، والقضب (البرسيم)؛ لأن الرسول صلى الله عليه وسلم عفا عنه .ولا زكاة في الفواكه كخوخ ورمان وتين ولوز وجوز هند وتفاح ومشمش، ولا زكاة في حبوب البوادي كحب الحنظل، ولا في الوحشيات من الظباء ونحوها، ولا في الموقوف على المساجد والقناطر والرباطات (الثغور) والفقراء والمساكين، على الصحيح؛ إذ ليس له مالك معين، ولا في الزيتون والزعفران والورس والقرطم (حب العصفر) ولا في العسل، في المذهب الجديد(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص۱۸۸۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

لیکن جن اشیاء میں مندرجہ بالا صفات نہ ہوں، جیسا کہ عام سبزیاں، ترکاریاں اور پھل، ان میں عشر واجب نہیں، جیسا کہ سیب، انگور، کھیرا، ککڑی وغیرہ۔ [1]

---

[1] وأوجب الحنابلة الزكاة في كل ثمر يكال ويدخر، كالتمر، والزبيب، واللوز، والفستق، والبندق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵،ص۱۲،مادة "ثمار")

وذهب أحمد في رواية عليها المذهب إلى أن الزكاة تجب في كل ما استنبته الآدميون من الحبوب والثمار، وكان مما يجمع وصفين :الكيل، واليبس مع البقاء (أي إمكانية الادخار) وهذا يشمل أنواعا سبعة:

الأول :ما كان قوتا كالأرز والذرة والدخن.

الثاني :القطنيات كالفول والعدس والحمص والماش واللوبيا.

الثالث :الأبازير، كالكسفرة والكمون والكراويا.

الرابع :البذور، وبذر الخيار، وبذر البطيخ، وبذر القثاء ، وغيرها مما يؤكل، أو لا يؤكل كبذور الكتان وبذور القطن وبذور الرياحين.

الخامس :حب البقول كالرشاد وحب الفجل والقرطم والحلبة والخردل.

السادس :الثمار التي تجفف، وتدخر كاللوز والفستق والبندق.

السابع :ما لم يكن حبا ولا ثمرا لكنه يكال ويدخر كسعتر وسماق، أو ورق شجر يقصد كالسدر والخطمي والآس.

قالوا :ولا تجب الزكاة فيما عدا ذلك كالخضار كلها، وكثمار التفاح والمشمش والتين والتوت والموز والرمان والبرتقال وبقية الفواكه، ولا في الجوز، نص عليه أحمد؛ لأنه معدود، ولا تجب في القصب ولا في البقول كالفجل والبصل والكراث، ولا في نحو القطن والقنب والكتان والعصفر والزعفران ونحو جريد النخل وخوصه وليفه.وفي الزيتون عندهم اختلاف يأتي بيانه.

واحتج الحنابلة لذلك بأن النبي صلى الله عليه وسلم قال :ليس فيما دون خمسة أوساق من تمر ولا حب صدقة .فدل على اعتبار الكيل، وأما الادخار فلأن غير المدخر لا تكمل فيه النعمة لعدم النفع به مآلا .

وذهب أحمد في رواية، وأبو عبيد، والشعبي، وهو مروي عن ابن عمر رضي الله عنهما إلى أنه لا زكاة في شيء غير هذه الأجناس الأربعة، لأن النص بها ورد؛ ولأنها غالب الأقوات ولا يساويها في هذا المعنى وفي كثرة نفعها شيء غيرها، فلا يقاس عليها شيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۷۹، ۲۸۰، مادة "زكاة")

واشترط الحنابلة شروطا ثلاثة :

۱ . أن يكون الناتج قابلا للادخار والبقاء مما يجمع هذه الأوصاف :الكيل والبقاء واليبس في الحبوب والثمار، مما ينبته الآدميون إذا نبت في أرضه، سواء أكان قوتا كالحبوب، أم من القطنيات كالعدس والحمص والباقلا (الفول)، أم من المقبلات كالكمون والكراويا وحب القثاء وحب الخيار، أم من حب البقول كحب الفجل والقرطم والترمس والسمسم، وسائر الحبوب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور امام شافعی کے قدیم قول کے مطابق اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق زیتون میں عشر واجب ہے، کیونکہ اس کے غلہ کو ذخیرہ کر کے رکھنا ممکن ہے، جس کی وجہ سے اس کو کھجور اور کشمش کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔

اور امام شافعی کے جدید قول کے مطابق اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق زیتون میں عشر واجب نہیں، کیونکہ اس کو خشک کر کے ذخیرہ نہیں کیا جاتا، لہٰذا اس کو سبزیوں کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۸...... شہد پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے، خواہ وہ شہد فارمی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ شہد بھی زمین کی پیداوار اور فصل کی طرح ہے، اور بعض روایات میں شہد پر عشر ہونے کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔

اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب نہیں، کیونکہ کسی مرفوع ومضبوط حدیث سے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وتجب أيضا فى الثمار مما جمع هذه الأوصاف كالتمر والزبيب واللوز والفستق والبندق.
ولا زكاة فى الفواكه كالخوخ والدراق والكمثرى والتفاح، ولا فى الخضر، كالقثاء والخيار والباذنجان واللفت والجزر(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ١٨٨٤، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] الزكاة فى الزيتون:
تجب الزكاة فى الزيتون عند الحنفية والمالكية، وهو قول الزهرى والأوزاعى ومالك والليث والثورى، وهو قول الشافعى فى القديم، ورواية عن أحمد، وهو مروى عن ابن عباس، لقوله تعالى : (وآتوا حقه يوم حصاده)بعد أن ذكر الزيتون فى أول الآية .ولأنه يمكن ادخار غلته فأشبه التمر والزبيب.
وذهب الشافعية فى الجديد وأحمد فى الرواية الأخرى إلى أنه لا زكاة فى الزيتون لأنه لا يدخر يابسا، فهو كالخضراوات(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٢٣،ص ٢٨٠، ٢٨١،مادة "زكاة")
والخلاصة بالنسبة للزيتون :أنه لا زكاة فيه عند الشافعية فى الجديد والمعتمد عند الحنابلة، وفيه الزكاة عند أبى حنيفة والمالكية ونصابه عند المالكية خمسة أوسق زيتون(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ١٨٨٨، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

شہد میں عشر واجب ہونے کا ثبوت نہیں ملتا، اور شہد ایک ایسا مائع ہے، جو جانور سے خارج ہوتا ہے، پس یہ جانور سے خارج ہونے والے دودھ کے مشابہ ہوگیا، جس میں کسی کے نزدیک بھی عشر واجب نہیں۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شہد عشری زمین میں پیدا ہو، اور وہ زمین کسی کی ملکیت ہو، اور اگر وہ شہد ایسی زمین میں پیدا ہو، جو کہ جنگل یا پہاڑ میں واقع ہو، اور کسی کی ملکیت میں نہ ہو، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اُس شہد کو حاصل کرنے والے پر عشر واجب ہے، مگر امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی زمین میں عشر واجب نہیں، تا آنکہ وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو، اور ملکیت کی تفصیل آگے فصل نمبر ۶ میں آتی ہے۔ [2]

---

[1] زكاة العسل والمنتجات الحيوانية:
ذهب الحنفية والحنابلة إلى أن العسل تؤخذ منه الزكاة، واحتج لهم بما روى عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يؤخذ في زمانه من قرب العسل من عشر قربات قربة من أوسطها .وورد أن أبا سيارة المتعي قال :قلت :يا رسول الله إن لي نحلا، قال :أد العشر، قلت :يا رسول الله :احمها لي .فحماها له.وأخذ عمر من العسل العشر .
وذهب المالكية والشافعية إلى أن العسل لا زكاة فيه .قال ابن المنذر :ليس في وجوب الصدقة في العسل خبر يثبت(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٩٠، ٢٩١، مادة "زكاة")
وقال المالكية والشافعية :لا زكاة في العسل، بدليل أمرين:
الأول ـ ما قاله الترمذي :لا يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا كبير شيء وما قاله ابن المنذر :إنه ليس في وجوب الصدقة فيه خبر يثبت ولا إجماع.
الثاني ـ أنه مائع خارج من حيوان، فأشبه اللبن، واللبن لا زكاة فيه بالإجماع.
ورجح أبو عبيد أن يكون أربابه يؤمرون بأداء صدقته، ويحثون عليها، ويكره لهم منعها، ولا يؤمن عليهم المأثم في كتمانها، من غير أن يكون ذلك فرضا عليهم(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج٣ص ١٨٨٩، ١٨٩٠، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[2] وما يوجد في الجبال من العسل والفواكه فقد روى محمد عن أبي حنيفة أن فيه العشر، وروى أصحاب الإملاء عن أبي يوسف أنه لا شيء فيه .وجه قول أبي يوسف أن هذا مباح غير مملوك فلا يجب فيه العشر كالحطب والحشيش ولأبي حنيفة عمومات العشر إلا أن ملك الخارج شرط ولما أخذه فقد ملكه فصار كما لو كان في أرضه (بدائع الصنائع، ج٢، ص٦٢، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل الشرائط المحلية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو حضرات شہد میں عشر واجب ہونے کے قائل ہیں، ان میں سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو دوسری چیزوں کی طرح شہد میں بھی کوئی مخصوص نصاب کی مقدار متعین نہیں، اور دیگر حضرات کے نزدیک دوسری چیزوں کی طرح شہد میں بھی نصاب کی مقدار متعین ہے، جس کی تفصیل عشر کے نصاب کے بیان میں ذکر کردی گئی ہے۔ [1]

رہا یہ مسئلہ کہ شہد میں دسواں حصہ عشر کے طور پر واجب ہے یا بیسواں حصہ، تو غلہ اور فصل پر قیاس کرتے ہوئے اس میں دسواں حصہ ہی واجب ہے۔

اور اگر شہد کے تیار اور حاصل کرنے میں اخراجات آئیں، جیسا کہ آج کل فارمی طریقہ پر شہد تیار کرنے پر آتے ہیں تو اصولی اعتبار سے تو یہ اخراجات عشر ادا کرنے سے پہلے منہا نہیں کیے جانے چاہئیں، لیکن بعض اہلِ علم حضرات اخراجات منہا کرنے کے بعد عشر واجب ہونے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولو وجد العسل فی المفازة أو الجبل ففيه اختلاف فعندهما يجب العشر، وقال أبو يوسف :لا شیء فيه؛ لأن الأرض ليست بمملوكة ولهما أن المقصود من ملكها النماء وقد حصل وعلى هذا كل ما يوجد فی الجبال من الثمار والجوز وبهذا علم أن التقييد بأرض العشر للاحتراز عن أرض الخراج فقط فلو قال :يجب فی عسل أرض غير الخراج لكان أولى (البحر الرائق، ج ۲، ص۲۵۵، کتاب الزكاة، باب العشر)

[1] زكاة العسل :اختلف الفقهاء فی حكم زكاة العسل على رأيين :

فقال الحنفية والحنابلة :فيه العشر، إلا أن أبا حنيفة قال :يجب فيه العشر إذا أخذ من أرض العشر، قل المأخوذ أو كثر وليس فی أرض الخارج من أرض الخراج عشر.

وقال الحنابلة :نصاب العسل عشرة أفراق، وهی جمع فرق، والفرق عندهم ستة عشر رطلا، فيكون النصاب مئة وستين رطلا بالبغدادی أو۳۴ 34و۲/۷ رطل دمشقی، ومئة وأربعة بالمصری، والرطل عند الحنفية : ۱۳۰ درهما، والدرهم الوسطى (975، 2غم).

ودليلهم على وجوب الزكاة فی العسل آثار منها:

ما رواه أبو سيارة المتعی قال :قلت :يا رسول الله، إن لی نحلا، قال :فأد العشور .

وما رواه عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبی صلى الله عليه وسلم :أنه أخذ من العسل العشر .

وعن عمر رضی الله عنه أنه كان يأخذ عن العسل العشر من كل عشر قرب قربة.

وروى العقيلی فی الضعفاء من طريق عبد الرزاق عن أبی هريرة حديثا :فی العسل العشر (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحيلی، ج۳ص۱۸۸۸، ۱۸۸۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

کے قائل ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... ریشم پر عشر واجب نہیں کیونکہ ریشم کا کیڑا پتے کھاتا ہے جن پر عشر نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۰...... زمین سے جو نباتات کے علاوہ دیگر معدنی اشیاء (Minerals یا Materials) مثلاً سونا، چاندی، تانبہ، پیتل، لوہا، سلور، ایلومونیم، کوئلہ، پٹرول، گیس، نمک وغیرہ، خارج ہوتی ہیں، ان میں عشر واجب نہیں، البتہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک ایسی اشیاء میں خمس واجب ہوا کرتا ہے، جس کو ''رکاز کا خمس'' بھی کہا جاتا ہے، اور یہ عشر سے

---

[1] مقدار الواجب في العسل: اتفق الموجبون لزكاة العسل على أن الواجب فيه العشر، للآثار التي ذكرناها، وقياسا على الزرع والثمر (المغنى ۱/۷۱۳)

وهل ينظر فيه للكلفة والمؤونة أم لا؟

روى أبو عبيد بسنده عن عمر أنه قال في عشور العسل :ما كان منه في السهل ففيه العشر، وما كان منه في الجبل ففيه نصف العشر (الأموال ص۴۹۸)

فنظر إلى أن للكلفة والمشقة أثرًا في تقليل الواجب كما في الزرع.

ولم يخالف في ذلك إلا الناصر من آل البيت فقال :فيه الخمس كالفيء ، إذ ليس مكيلاً ولا من الأرض (البحر الزخار ۱/۱۷۴)ورد عليه بأنه كالثمر لتولده من الشجر، وقد عضدت ذلك الآثار (المرجع السابق)

والذي نرجحه أن يؤخذ العشر من صافي إيراد العسل، أي بعد رفع النفقات والتكاليف كما قلنا في عشر الزرع والثمر(فقه الزكاة للقرضاوي، ج۱ ص۴۲۷،الباب الثالث،الفصل السادس ،المبحث الثاني)

[2] بخلاف دود القز؛ لأنه يتناول الأوراق، ولا عشر فيها(البحر الرائق، ج۲ ص۵۵؛ كتاب الزكاة، حكم تعجيل العشر)

بخلاف دود القز، لأنه يتناول الأوراق ولا عشر فيها(الهداية في شرح بداية المبتدى)

(بخلاف دود القز) ش :أي الذي يتولد منه الإبريسم، وهذا جواب عما قاله الشافعي فأشبه الإبريسم، وحاصله أن يقال :لا نسلم أن القياس صحيح لأن النحل تأكل الثمر والزهر وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منه بخلاف دود القز م :(لأنه يتناول الأوراق) ش :أي أوراق شجر التوت م :(ولا عشر فيها) ش :أي في الأوراق وكذا فيما يتولد منها وهو الإبريسم(البناية شرح الهداية، ج۳ص۴۲۹، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

وبهذا فارق دود القز فإنه يأكل الورق دون الثمار وليس في الأوراق شيء فكذا ما يتولد منها والذي يتولد من دود القز هو الإبريسم ولا عشر فيه لما ذكرنا(الجوهرة النيرة، ج۱ ص۱۲۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشم پیدا کرنے کے لئے کی جائے، تو شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلے ص۲۶، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

الگ چیز ہے، اور اس کے احکام عشر سے جدا ہیں۔ [1]

رکاز یا معدنیات کے خمس کے احکام ہم نے اپنی دوسری کتاب ”صدقہ کے فضائل واحکام“ میں بیان کردیئے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... سمندر سے جو اشیاء حاصل ہوتی ہیں، جیسا کہ سیپی، عنبر، مچھلی وغیرہ، حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ان میں عشر واجب نہیں ہوتا۔

البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی اشیاء میں خمس واجب ہوا کرتا ہے، اور خمس کے احکام، عشر سے جدا ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [2]

---

[1] قد يستخرج من الأرض غير النبات الذهب أو الفضة أو غيرهما من المعادن التي تنطبع كالنحاس والحديد والزئبق أو لا تنطبع كالنفط والقار والفحم وغيرها .وكل ذلك قد يكون مخلوقا في الأرض بفعل الله تعالى، أو يكون مما وضعه فيها الآدميون كالكنوز التي يضعها أهلها في الأرض ثم يبيدون وتبقى فيها .ويرى الحنفية أن اسم (الركاز) شامل لكل ذلك، ويرى الحنابلة أن اسم الركاز خاص بما هو مركوز في الأرض خلقة، ويؤخذ الخمس من ذلك أو ربع العشر على اختلاف وتفصيل عند الفقهاء ، وقد اختلفوا فيما يؤخذ أهو زكاة تصرف في مصارفها أم فيء يصرف في مصارفه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٢٩١،مادة "زكاة")

[2] ذهب جمهور العلماء الحنفية والمالكية والشافعية وهي إحدى روايتين عن أحمد وهو قول أبي عبيد وأبي ثور إلى أن المستخرج من البحر من اللؤلؤ والعنبر والمرجان ونحوها لا شيء فيه من زكاة أو خمس، لما روي عن ابن عباس :ليس في العنبر شيء ، إنما هو شيء ألقاه البحر وروي مثله عن جابر، ولأنه قد كان يستخرج على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وخلفائه فلم يأت فيه سنة عنه ولا عنهم.وفي رواية عن أحمد وهو قول أبي يوسف :فيه الزكاة، لأنه يشبه الخارج من معدن البر. وروي أن ابن عباس قال في العنبر :إن كان فيه شيء ففيه الخمس، وكتب يعلى بن أمية إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه في عنبرة وجدها على ساحل البحر فاستشار الصحابة، فأشاروا أن يأخذ منها الخمس .فكتب عمر إليه بذلك .وروي مثل ذلك عن الحسن والزهري .وعن عمر بن عبد العزيز أنه أخذ من العنبر الخمس .وأمر عمر بن عبد العزيز عامله بعمان أن يأخذ من السمك الزكاة إذا بلغ ثمنه مائتي درهم.وقال المالكية :ما خرج من البحر كعنبر إن لم يتقدم عليه ملك فهو لواجده ولا يخمس كالصيد، فإن كان تقدم عليه ملك فإن كان لجاهلي أو شك فيه فركاز، وإن كان لمسلم أو ذمي فلقطة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٢٩١، ٢٩٢،مادة "زكاة")

فأما المستخرج من البحر كاللؤلؤ والمرجان والعنبر وكل حلية تستخرج من البحر فلا شيء فيه في قول أبي حنيفة ومحمد وهو للواجد، وعند أبي يوسف فيه الخمس(بدائع الصنائع، ج٢ص ٦٨، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع والثمار)

البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق پانی میں پیدا ہونے والی بعض اشیاء مثلاً سنگھاڑا، مکھانہ وغیرہ پر عشر واجب ہونے کا حکم لگایا ہے (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلے ص ۶۵، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

(فصل نمبر۴)

ادائیگیِ عشر کی مقدار کے احکام

(عشر میں ادا کی جانے والی مقدار کے احکام)

احادیث میں عشر کی مقدار کا ذکر آیا ہے، بعض صورتوں میں عشر کی مقدار مجموعی پیداوار کا دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ بیان کیا گیا ہے۔

عشر ادا کئے جانے والی مقدار سے متعلق احادیث

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

(۱)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُیُوْنُ أَوْ کَانَ عَثَرِیًّا اَلْعُشْرُ ، وَمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو فصل آسمان (یعنی بارش کے پانی) سے اور قدرتی چشموں سے (خود بخود) سیراب ہو یا وہ زمین نہر وغیرہ کے کنارے ہو (جس کی وجہ سے اسے پانی دینے کی ضرورت نہ ہو) تو اس (کی پیداوار) میں عشر (یعنی دسواں حصہ) ہے، اور جو (فصل) حوض (ٹیوب ویل، یا محنت کے پانی) سے سیراب ہو، اس میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) ہے (بخاری)

(۲)......اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[۱] رقم الحدیث ۱۴۸۳ ، کتاب الزکاۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء ، وبالماء الجاری.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْأَنْهَارُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ وَفِيْمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (ابو داؤد، رقم الحديث ۱۵۹۶، كتاب الزكاة، باب صدقة الزرع) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو فصل آسمان (یعنی بارش کے پانی) سے اور نہروں اور قدرتی چشموں سے (خود بخود) سیراب ہو، یا وہ زمین نہر وغیرہ کے کنارے ہو (جس کی وجہ سے اسے پانی دینے کی ضرورت نہ ہو) تو اس میں عشر (یعنی پیداوار کا دسواں حصہ) ہے، اور جو جانوروں (یعنی رہٹ، چرس، ٹیوب ویل وغیرہ) یا ڈول سے سیراب ہو، اس میں نصف عشر (یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے (ابوداؤد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

(۳)...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فِيْمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ، وَالْغَيْمُ الْعُشُوْرُ، وَفِيْمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ (مسلم) [3]

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس زمین کو نہریں اور بارش سیراب کرے، اس میں عشر (یعنی دسواں حصہ) ہے، اور جس کو جانوروں (یعنی رہٹ یا چرس) سے سیراب کیا جائے، اس میں آدھا عشر (یعنی بیسواں حصہ) ہے (مسلم)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: اسنادهٗ صحيح (حاشيه ابی داؤد)

[2] عن سالم، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه سن فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وفيما سقى بالنضح نصف العشر: هذا حديث حسن صحيح (سنن الترمذى، رقم الحديث ۶۴۰)

[3] رقم الحديث ۹۸۱ "۷" كتاب الزكاة، باب ما فيه العشر أو نصف العشر.

(۴)......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ وَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِمَّا سَقَتِ السَّمَاءُ وَمَا سُقِيَ بَعْلًا الْعُشْرَ وَمَا سُقِيَ بِالدَّوَالِي نِصْفَ الْعُشْرِ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف (عامل بنا کر) بھیجا، اور مجھے حکم فرمایا کہ میں (بحیثیت عامل) اس پیداوار سے جو آسمان (یعنی بارش کے پانی) سے سیراب ہوئی، اور جو زمین نہر وغیرہ کے کنارے ہونے سے سیراب ہوئی (اور اس کو خود سے پانی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی) تو اس میں عشر (یعنی دسواں حصہ) لوں، اور جو ڈولوں (یا بیلوں یا ٹیوب ویل وغیرہ) سے سیراب ہوئی اس میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) لوں (ابنِ ماجہ)

(۵)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ اَلْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زمین (یا اس کی فصل) آسمان

---

[1] رقم الحديث ۱۸۱۸، كتاب الزكاة، باب صدقة الزروع والثمار، مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۰۳۷.

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا اسناد حسن (حاشية سنن ابنِ ماجه)

وقال ايضاً: حديث صحيح، رجاله ثقات غير عاصم -وهو ابن بهدلة- فهو صدوق حسن الحديث (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۶۳۹، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة فيما يسقى بالانهار وغيرها، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۸۱۶.

قال الترمذي: وفي الباب عن أنس بن مالك، وابن عمر، وجابر: وقد روى هذا الحديث، عن بكير بن عبد الله بن الأشج، وعن سليمان بن يسار، وبسر بن سعيد، عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلا، وكأن هذا أصح، وقد صح حديث ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الباب، وعليه العمل عند عامة الفقهاء.

وقال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشيه سنن ابنِ ماجه)

(یعنی بارش کے پانی) سے اور قدرتی چشموں سے (خود بخود) سیراب ہو، تو اس میں عشر (یعنی دسواں حصہ) ہے، اور جو ڈول (اور چرس، رہٹ، ٹیوب ویل وغیرہ) سے سیراب ہو، اس میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) ہے (ترمذی)

(۲)...... اس طرح کی احادیث حضرت علی اور حضرت عمرو بن حزم اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

مذکورہ اور اس جیسی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عشر کی مقدار، بعض صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ واجب ہے۔

---

[1] عن علی، قال :قال رسول الله ﷺ:فيما سقت السماء ففيه العشر، وما سقى بالغرب والدالية ففيه نصف العشر(مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۴۰)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وإسناد هذا مرفوعاً ضعيف لضعف محمد بن سالم الهمدانی(حاشية مسند احمد)

عن أبی بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن جده :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن والديات، وبعث به مع عمرو بن حزم، فقرئت على أهل اليمن، وهذه نسختها : (بسم الله الرحمن الرحيم)من محمد النبی صلى الله عليه وسلم إلى شرحبيل بن عبد كلال، والحارث بن عبد كلال، ونعيم بن عبد كلال، قيل ذی رعين ومعافر وهمدان :أما بعد، فقد رجع رسولكم، وأعطيتم من الغنائم خمس الله، وما كتب الله على المؤمنين من العشر فی العقار، وما سقت السماء أو كان سيحا أو بعلا، ففيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۶۵۵۹)

قال شعيب الارنؤوط: يشهد له حديث ابن عمر عند البخاری(۱۴۸۳)والترمذی(۶۴۰)وأبی داود (۱۵۹۶)والنسائی۵/۴۱، ولفظه " :فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقى بالنضح نصف العشر ."وقد تقدم عند المؤلف برقم(۳۲۸۵)و(۳۲۸۶)و(۳۲۸۷)

وحديث جابر بن عبد الله عند مسلم(۹۸۱)وأبی داود(۱۵۹۷) والنسائی ۵/۴۲، وحديث معاذ بن جبل عند النسائی ۵/۴۲، وحديث أبی هريرة عند الترمذی(۶۳۹)

وحديث أبی سعيد الخدری " :ليس فی حب ولا تمر دون خمسة أوسق صدقة ."وقد تقدم عند المؤلف برقم(۳۲۷۵)و(۳۲۷۶)و(۳۲۷۷)و(۳۲۸۱)و(۳۲۸۲)

عن قتادة، عن أنس، أن النبی صلى الله عليه وسلم سن فيما سقت السماء والعيون العشر، وما سقى بالنواضح نصف العشر .

قال البزار :لا نعلمه عن أنس إلا من هذا الوجه، هكذا رواه سعيد بن عامر، عن همام، عن قتادة، عن أنس، ورواه الحفاظ، عن قتادة، عن أبی الخليل(كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۸۹۱)

عشر ادا کی جانے والی مقدار کے متعلق مسائل

مذکورہ احادیث وروایات کے بعد اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے بیان کردہ چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱......عشر کی مقدار کے اعتبار سے زمینی پیداوار دو قسم کی ہے۔

ایک وہ کہ جس میں سیراب کرنے والے پانی پر محنت یا خرچہ نہیں ہوتا، جیسے بارش، قدرتی چشمہ اور نہری زمینیں (جن میں نہ تو پانی دینے کی محنت پیش آتی، اور نہ ہی پانی دینے کا خرچہ کرنا پڑتا)

اس قسم کی زمینوں کی پیداوار میں زکاۃ کا دسواں حصہ (بطور عُشر) واجب ہوتا ہے۔

اور دوسری وہ کہ جس میں سیراب کرنے والے پانی پر محنت یا خرچہ ہوتا ہے، جیسے کنویں، ڈول، رہٹ یا ٹیوب ویل سے نکالا اور کھینچا ہوا پانی، یا وہ نہری پانی جس کا آبیانہ ادا کیا جائے۔

اس قسم کی زمینوں کی پیداوار میں زکاۃ کا بیسواں حصہ (بطور عُشر) واجب ہوتا ہے۔ [۱]

---

[۱] یؤخذ فی زکاة الزروع والثمار عشر الخارج أو نصف عشره .فالعشر اتفاقا فيما سقی بغير كلفة، كالذی يشرب بماء المطر أو بماء الأنهار سيحا، أو بالسواقی دون أن يحتاج إلى رفعه غرفا أو بآلة، أو يشرب بعروقه، وهو ما يزرع فی الأرض التی ماؤها قريب من وجهها تصل إليه عروق الشجر فيستغنی عن السقی.

ويجب فيما يسقی بكلفة نصف العشر، سواء سقته النواضح أو سقی بالدوالی، أو السوانی أو الدواليب أو النواعير أو غير ذلک .وكذا لو مد من النهر ساقية إلى أرضه فإذا بلغها الماء احتاج إلى رفعه بالغرف أو بآلة .والضابط لذلک أن يحتاج فی رفع الماء إلى وجه الأرض إلى آلة أو عمل.

واستدل لذلک بقول النبی صلى الله عليه وسلم :فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقی بالنضح نصف العشر والحكمة فی تقليل القدر الواجب فيما فيه عمل أن للكلفة أثرا فی تقليل النماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۸۸، ۲۸۹، مادة "زكاة")

اتفق الفقهاء على أن العشر يجب فيما سقی بغير مؤنة (مشقة) كالذی يشرب من السماء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک عام حالات میں عشر واجب ہونے والی فصل اور غلے پر آنے والے مختلف قسم کے اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے پہلے پیداوار سے منہا نہیں کیا جائے گا، اور اخراجات منہا کیے بغیر، عشر واجب ہوگا، کیونکہ احادیث میں اس طرح کے اخراجات کے منہا و مستثنیٰ ہونے کا ذکر نہیں ملتا، اور اس کے بجائے بعض صورتوں میں پیداوار کے دسویں حصہ کے بطور عشر واجب ہونے اور بعض صورتوں میں بیسویں حصہ کے واجب ہونے کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ پیچھے احادیث کے ذیل میں گزرا۔

البتہ چند جزوی چیزوں میں فقہائے کرام کی آراء میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مسئلہ نمبر۳...... حنفیہ کے نزدیک عشر اور نصف عشر اخراجات نکالے بغیر کل پیداوار میں سے واجب ہوگا، جس میں سے بیج کے خرچہ اور کام کرنے والے لوگوں کی اجرت اور نہر یا ٹیوب ویل اور اس کے بجلی کے بل، پانی حاصل کرنے کے لئے مشین پر آنے والے تیل، اور پٹرول وغیرہ کے اخراجات، اور اسی طرح سے چوکیدار وغیرہ کی تنخواہ، اور اس طرح کے دیگر اخراجات کو منہا نہیں کیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (الأمطار)، وما يشرب بعروقه :وهوالذى يشرب من ماء قريب منه.
ويجب نصف العشر فيما سقى بالمؤن كالدوالى (النواعير) النواضح.
والدليل لهم قول النبى صلى الله عليه وسلم المتقدم :فيما سقت السماء والعيون، أو كان عثريا العشر، وما سقى بالنضح نصف العشر وانعقد الإجماع على ذلک، كما قال البيهقى وغيره .فإن سقى نصف السنة بكلفة ونصفها بغير كلفة ففيه ثلاثة أرباع العشر، عملا بمقتضى كل واحد منهما.
وإن سقى بأحدهما أكثر من الآخر، اعتبر الأكثر، فوجب مقتضاه، وسقط حكم الآخر.
وسبب التفرقة واضح وهو كثرة المؤنة فى أرض السقى، وخفتها فى أرض البعل، كما هو الفرق بين الماشية المعلوفة والسائمة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] ما يطرح من الخارج قبل أخذ العشر أو نصفه:
ذهب الحنفية إلى أن العشر أو نصفه على التفصيل المتقدم يؤخذ من كل الخارج، فلا يطرح منه البذر الذى بذره ولا أجرة العمال أو كرى الأنهار أو أجرة الحافظ ونحو ذلک بل يجب العشر فى الكل، لأن النبى صلى الله عليه وسلم حكم ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شافعیہ اور مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے، البتہ نصاب کے بقدر ہونے میں ان کا موقف الگ ہے۔ [1]

زمین کو کاشت کے قابل بنانے سے لے کر پیداوار تیار ہونے تک جو اخراجات ہوتے ہیں (جیسے ہل چلانا، زمین کو جڑی بوٹیوں سے خالی کرنا، اسے ہموار کرنا، تخم ریزی کرنا، آبپاشی کرنا، کھاد ڈالنا، اسپرے کرنا وغیرہ) حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ان اخراجات کو بھی عشر کی ادائیگی سے نہیں نکالا جائے گا، بلکہ اخراجات نکالے بغیر عشر واجب ہوگا۔ [2]

اسی طرح فصل پکنے کے بعد کے اخراجات کو بھی نہیں نکالا جائے گا، چنانچہ مزدوروں کی کٹائی کی اُجرت، تھریشر وغیرہ کا خرچہ نہیں نکالا جائے گا۔

اور ان اخراجات کو نکالے بغیر عشر ادا کیا جائے گا، کیونکہ شریعت میں اس قسم کے اخراجات کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة، ولو رفعت المؤنة لكان الواجب بنفس المقدار، واستظهر الصيرفي أن الواجب إن كان جزء ا من الخارج فإنه يجعل كالهالك وتجب الزكاة في الباقي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ ص ۲۸۹، مادة "عشر")

[1] اختلف الفقهاء في احتساب المؤنة التي تتكلفها الزروع والثمار التي تجب فيها الزكاة.
فذهب المالكية إلى أنه يحسب من نصاب الزكاة (خمسة أوسق فأكثر) ما استأجر المالك به من الزرع في حصاده أو دراسته، أو تذريته حال كونه قتا (أي محزوما)، ويحسب كذلك الكيل الذي استأجر به، ولقط اللقاط الذي مع الحصاد؛ لأنه من الأجرة، لا لقط ما تركه ربه، ولا يحسب أكل دابة في حال دوسها لعسر الاحتراز منها، فنزل منزلة الآفات السماوية وأكل الوحوش، ويحسب ما تأكله حال استراحتها.
وقال الشافعية :مؤنة تجفيف التمر وجذاذ الثمار وحصاد الحب، وحمله ودياسه وتصفيته وحفظه، وغير ذلك من مؤن الثمر والزرع، تكون كلها على المالك لا من مال الزكاة.
وحكى صاحب الحاوي عن عطاء بن أبي رباح أنه قال :تكون المؤنة من وسط المال لا يختص بتحملها المالك دون الفقراء ؛ لأن المال للجميع فوزعت المؤنة عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳٦،ص ۱۵ ،ماده،مؤنة)

[2] ولا يحتسب لصاحب الأرض ما أنفق على الغلة من سقي، أو عمارة، أو أجر الحافظ، أو أجر العمال، أو نفقة البقر؛ لقوله -صلى الله عليه وسلم -ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب، أو دالية، أو سانية ففيه نصف العشر ، أوجب العشر ونصف العشر مطلقا عن احتساب هذه المؤن ولأن النبي -صلى الله عليه وسلم -أوجب الحق على التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۲ ٦، كتاب الزكاة، فصل بيان مقدار الواجب من العشر)

منہائی کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا۔ [1]

اور اسی طرح فصل تیار ہونے اور کٹنے کے بعد منڈی تک لے جانے کے اخراجات کو بھی حنفیہ کے قواعد کے مطابق عشر کی ادائیگی سے نہیں نکالا جائے گا، اور یہ اخراجات بھی پہلی قسموں کی طرح عشر کی ادائیگی میں غیر معتبر کہلائیں گے۔ [2]

---

[1] (قوله :بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر قال في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل؛ لأنه -عليه الصلاة والسلام- حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي؛ لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا أنه لم يعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة أصلا اهـ (رد المحتار، ج۲ص۳۲۸، کتاب الزکاۃ، باب العشر)

[2] موجودہ دور کے بعض حنفی اہلِ علم اس قسم کے اخراجات کو عشر ادا کرنے سے پہلے پیداوار سے منہا کرنے کے قائل ہیں، مگر حنفیہ کے مشہور ومعروف قول کے مطابق اس قسم کے اخراجات کو منہا کرنا راجح معلوم نہیں ہوتا۔

جس کی مختصر وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......مشائخِ حنفیہ نے مختلف قسم کے اخراجات کا ذکر کرکے ان کے پیداوار سے منہا نہ کئے جانے کی تصریح فرمائی ہے، اور اس قسم کے اخراجات کو ان سے مستثنیٰ نہیں کیا، لہٰذا اس عموم میں مذکورہ اخراجات بھی داخل سمجھے جانے چاہئیں۔

رہا بعض حضرات کا یہ شبہ کہ فقہاء نے جن اخراجات کے منہا نہ کرنے کا ذکر کیا ہے، بطور مفہوم مخالف ان سے دیگر اخراجات کے منہا کرنے کا ثبوت ہوتا ہے، یہ راجح معلوم نہیں ہوتا۔

کیونکہ فقہاء نے پہلے اصولی انداز میں اخراجات کے منہا نہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اور بعد میں اس کی مثالوں سے وضاحت فرمائی ہے، جس کے ضمن میں ان اخراجات کی نفی بھی ہوجاتی ہے، جو مؤنۃ الزرع کے علاوہ ہوں۔

(۲)......عشر کے وقتِ وجوب میں اگرچہ حنفیہ کا اختلاف ہے، اور اس میں تین قول ہیں، امام صاحب کا قول قابلِ انتفاع ہونے کے وقت، امام ابو یوسف کا قول ادراک کے وقت، اور امام محمد کا قول حصاد کے وقت ہے۔

اور منڈی میں لے جانے کا وقت ان تینوں اقوال میں بیان کردہ اوقات سے بعد کا وقت ہے، جبکہ عشر کل پیداوار میں اس سے پہلے ثابت اور واجب ہو چکا ہے۔

(۳)......حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ کے مطابق عشر کے باب میں دَین مطلقاً غیر مانع ہے، اور ظاہر ہے کہ دَین مؤنۃُ الارض والزرع کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق کھیتی اور فصل پر اخراجات کم آئیں، یا زیادہ، عشر میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جب دَین جو کہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، وہ بھی حنفیہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق عشر میں مانع نہیں، تو اس قسم کے اخراجات کا درجہ تو اس سے بھی کم ہے۔

منڈی تک لے جانے کے اخراجات کو منہا کرنے کے قائلین نے چند عبارات سے استدلال کیا ہے، جن میں سے ایک عبارت درجِ ذیل ہے:

(قوله وأجرة الحافظ وغير ذلك) يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل في المرغيناني مؤنة حمل العشر على السلطان دون صاحب الأرض .اهـ(حاشية الشلبي علىٰ تبيين الحقائق، ج ١ ص ٢٩٤، كتاب الزكاة، باب العشر)

مگر اس عبارت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عشر کو محلِ عشر تک پہنچانے کے اخراجات ہوں گے، وہ سلطان کے ذمہ ہوں گے؛ یعنی وہ بھی پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے۔

اور اگر کسی عبارت میں عامل یا سلطان کے حاصل شدہ عشر میں سے اخراجات کرنے کا ذکر ہو تو اس سے بھی مذکورہ مدعا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ عامل وسلطان ولایت حاصل ہونے کی وجہ سے فقراء کے وکیل ہوتے ہیں۔

اور ان کو اموالِ زکاۃ سے وظائف کا حصول بھی اسی لئے جائز ہے، کہ ان کا قبضہ دراصل فقراء کا قبضہ ہے، لہٰذا عامل یا سلطان کا بیت المال یا وہاں سے فقراء تک عشر لے جانے میں آنے والے مؤنۃ وخرچہ کو عشر سے نکالنا جائز ہے، برخلاف خود عشر دہندہ کے کہ وہ نہ تو عشر لینے والا اصیل ہے، اور نہ لینے والوں کا وکیل ہے، بلکہ معطی ہے۔ فافترقا۔

چنانچہ معارف القرآن میں ہے کہ:

’’یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل موکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے...... جب رقمِ زکاۃ عاملینِ صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی، تو ان کی زکاۃ ادا ہوگئی، اب یہ پوری رقم فقراء کی مِلک ہے، جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے، اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے، وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے‘‘ (معارف القرآن ج۴ ص ۳۹۸)

اس تفصیل کی روشنی میں تاتارخانیہ کی مندرجہ ذیل عبارت کا محمل بھی معلوم ہوگیا، جس میں عشر سے مذکورہ خرچ کی منہائی کا ذکر ہے:

وفيما اذا كانت الارض عشرية فاخرج طعاما وفي حملها الى الموضع الذي يعشر فيه مؤنة فانه يحمل اليه ويكون المؤنة منه (فتاوىٰ تاتار خانية، ج ٢ ص ٣٣٨، كتاب العشر، الفصل السادس في التصرفات فيما يخرج من الارض)

اس عبارت سے پہلے سلطان کے عشر لینے کا ذکر چل رہا ہے؛ لہٰذا یہ جزئیہ بھی مندرجہ بالا توجیہ پر محمول ہوگا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دسویں اور بیسویں حصہ کا حکم اخراجات منہا کئے بغیر پانی کی مذکورہ تفصیل پر مبنی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جن عبارات سے استدلال کیا جا رہا ہے، وہ محلِ عشر تک عشر کو پہنچانے سے متعلق ہیں، اور ان سے جو مسئلہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کا محلِ عشر سے تعلق نہیں، بلکہ منڈی میں لے جانے سے تعلق ہے۔

اور رہا یہ کہنا کہ پہلے دور میں عاملین کے انتظام کی وجہ سے نقل وحمل کا یہ بار پیداوار کے مالک پر نہیں پڑا کرتا تھا، اور آج کل یہ بار مالک پر پڑتا ہے۔

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ تاویل تو دیگر اموالِ ظاہرہ کی زکاۃ کے معاملہ میں بھی مؤثر ہونی چاہئے۔

اور اموالِ ظاہرہ یعنی سوائم اور عروض التجارۃ میں اس قسم کے اخراجات کو منہا کرنے کی گنجائش نہیں دی جاسکتی۔

کیونکہ اگر یہ گنجائش اموالِ ظاہرہ میں ہوگی، تو پھر اموالِ باطنہ میں بھی اس کی گنجائش ہونی چاہئے، اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ کسی فقیر کو منی آرڈر کے ذریعہ سے زکاۃ کی رقم ارسال کی جائے، اور منی آرڈر کا خرچہ بھی زکاۃ سے منہا کر لیا جائے۔

البتہ جدہ فقہ اکیڈمی نے اپنی ایک قرارداد میں عشر کو مستحق تک پہنچانے کے اوپر آنے والے اخراجات کے عشر سے منہا ہونے کا حکم لگایا ہے۔

رابعا: یحسم من مقدار الزکاۃ الواجبة فی الزروع والثمار النفقات اللازمة لإیصالها لمستحقیها. والله أعلم(مجلة مجمع الفقه الاسلامی، ج۱۳ ص۱۲۰۸، زکاۃ الزراعة - زکاۃ الأسهم فی الشرکات - زکاۃ الدیون)

جدہ فقہ اکیڈمی کی قرارداد کی تفصیلی عبارت آگے قرض ودَین کے منہا ہونے کے مسئلہ کے ضمن میں آتی ہے۔

[۱] اسلامی فقہ اکیڈمی ہند نے اپنے ایک فقہی سیمینار میں اس سلسلہ میں درج ذیل تجویز منظور کی:

(۱)...... فقہی سیمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہٰذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائیگی سے پہلے اصلی پیداوار سے منہا کیا جائے تاکہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔

سیمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سیمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے منصوص مقادیر ہیں اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی وزیادتی کو اساس تسلیم کرتے ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے۔

اور دیگر کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کر دی ہے اس میں عقل وقیاس کا دخل نہیں اور نہ کسی کو مقدارِ واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں، پیداوار کی مقدار میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا سیمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصلی پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ حنابلہ کے نزدیک اگر اس فصل پر آنے والے اخراجات کی مَد میں قرض و دَین ذمہ میں لازم ہو گیا ہو، تو وہ عشر سے مستثنیٰ ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور بعض صحابۂ کرام کے آثار اور جلیلُ القدر تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح سے فصل پر آنے والے اخراجات کے عشر سے منہا کرنے کا قول مروی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن زید سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، وَابْنِ عَبَّاسٍ ؛ فِي الرَّجُلِ يُنْفِقُ عَلٰى ثَمَرَتِهٖ ؟ فَقَالَ أَحَدُهُمَا: يُزَكِّيهَا ، وَقَالَ الْآخَرُ: يَرْفَعُ النَّفَقَةَ ، وَيُزَكِّي مَا بَقِيَ (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو اپنے پھلوں پر خرچ کرتا ہے، تو ایک نے فرمایا کہ اس کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(۲)......حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض احادیث کے عموم کو پیشِ نظر رکھ کر وجوبِ عشر کے لئے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں ہے۔

ہر وہ شے جو زمین سے پیدا ہو، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ و دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث ''لیس فیمادون خمسة اوسق صدقة'' کی روشنی میں پانچ وسق سے کم اگر پیداوار ہو تو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔

سیمینار کی رائے میں چھوٹے کاشتکار یا قدرتی آفات کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوبِ عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے حالات میں جبکہ کسی کاشتکار کی کل پیداوار پانچ وسق یعنی چھ کوئنٹل ۵۳ کلوگرام سے کم ہو تو صاحبین و دیگر جمہور ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

بعض شرکاء کا رجحان ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہے (اہم فقہی فیصلے ص ۶۴، ۶۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

[1] رقم الحديث ۱۰۱۹۲، كتاب الزكاة، باب ما قالوا فى الرجل يخرج زكاة أرضه ، وقد أنفق فى البذر ، والبقر.

زکاۃ (یعنی عشر) ادا کرے گا، اور دوسرے نے فرمایا کہ خرچ کو منہا کرے گا، اور جو باقی بچ جائے، اس کی زکاۃ (یعنی عشر) ادا کرے گا (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت حبیب معلم سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَطَاءٌ يَقُوْلُ: فِي الزَّرْعِ إِذَا أَعْطَى صَاحِبُهُ أَجْرَ الْحَصَّادِيْنَ، وَالَّذِيْنَ يَذْرُوْنَ، هَلْ عَلَيْهِ فِيْمَا أَعْطَاهُمْ صَدَقَةٌ؟ قَالَ: لَا، إِنَّمَا الصَّدَقَةُ فِيْمَا حَصَلَ فِيْ يَدِكَ (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عطاء اس کھیتی کے بارے میں فرماتے تھے کہ جس کا مالک کھیتی کاٹنے والوں کو اجرت (ومزدوری) دیتا ہے، اور بیج (کھیت میں) بکھیرنے والوں کو اجرت (ومزدوری) دیتا ہے، تو کیا جو پیداوار اس نے (بطورِ اجرت) ان کو دے دی، اس پر صدقہ (یعنی عشر) ہوگا؟ تو حضرت عطاء نے فرمایا کہ نہیں (بلکہ) صدقہ (یعنی عشر) تو اس پر ہوگا، جو اس کو حاصل ہوگا (ابنِ ابی شیبہ)

اور اسماعیل بن عبدالملک سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: اِرْفَعِ الْبُذْرَ، وَالنَّفَقَةَ، وَزَكِّ مَا بَقِيَ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت عطاء نے فرمایا کہ بیج (کے اخراجات) اور خرچ کو منہا کرو، اور جو بچ جائے، اس کی زکاۃ (یعنی عشر) ادا کرو (ابنِ ابی شیبہ)

اور اسماعیل بن عبدالملک کی ایک روایت میں ہے کہ:

قُلْتُ لِعَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ: إِنَّ لَنَا أَرْضًا بِجَرَشَ نَحْرُثُهَا وَنَسْتَأْجِرُ فِيْهَا

---

[1] رقم الحديث ۱۰۱۹۱، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الرجل يخرج زكاة أرضه، وقد أنفق في البذر، والبقر.

[2] رقم الحديث ۱۰۱۹۳، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الرجل يخرج زكاة أرضه، وقد أنفق في البذر، والبقر.

الْأُجَرَاءَ، وَنُنْفِقُ فِيهَا، فَتُخْرِجُ لَنَا طَعَامًا فَنَأْخُذُ مِنْهُ مَا أَنْفَقْنَا وَمَا اِسْتَأْجَرْنَا، ثُمَّ نُعْطِي السُّلْطَانَ حَقَّهُمْ، فَيُجْزِءُ عَنَّا؟ قَالَ: نَعَمْ (الأموال لابن زنجويه) [1]

ترجمہ: میں نے (جلیل القدر تابعی) حضرت عطاء بن ابی رباح سے عرض کیا کہ ہماری مقامِ جرش میں ایک زمین ہے، جس میں ہم کھیتی کرتے ہیں، اور ہم اس میں کام کرنے والوں کو اجرت (مزدوری وتنخواہ) پر رکھتے ہیں، اور اس کھیتی میں اخراجات کرتے ہیں، پھر ہمارا اس زمین سے غلہ پیدا ہوجاتا ہے، تو ہم نے جو خرچ کیا، اور اجرت دی، اس کو ہم اس سے نکال لیتے ہیں، پھر ہم حکمران کو (جو لوگوں سے غریبوں کے لئے عشروزکاۃ حاصل کرتا ہے) غریبوں کا حق (یعنی عشر) دے دیتے ہیں، تو کیا وہ ہماری طرف سے ادا ہوجاتا ہے، تو حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ بے شک ادا ہوجاتا ہے (الاموال)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: إِنَّا نَزْرَعُ فِيْ أَرْضِنَا، فَنَسْتَأْجِرُ فِيهَا أَجْرَاءَ، وَنُنْفِقُ فِيهَا نَفَقَاتٍ، فَتَخْرُجَ لَنَا طَعَامًا فَنَأْخُذُ نَفَقَاتَنَا، وَنُعْطِيهِمْ حَقَّهُمْ مِمَّا فَضَلَ؟ قَالَ: نَعَمْ (الأموال لابن زنجويه) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت عطاء سے عرض کیا کہ ہم اپنی زمین میں کھیتی کرتے ہیں، پھر ہم اس کھیتی میں کارندوں کو اجرت (مزدوری وتنخواہ) پر رکھتے ہیں، اور اس کھیتی میں مختلف اخراجات کرتے ہیں، پھر ہمارا غلہ پیدا ہوجاتا ہے، تو ہم اپنے

---

[1] رقم الحديث ۱۹۳۱، كتاب الصدقة وأحكامها وسننها، الأمر فى الرجل ينفق على الزرع والثمر ويستدين عليه.

[2] رقم الحديث ۱۹۳۰، كتاب الصدقة وأحكامها وسننها، الأمر فى الرجل ينفق على الزرع والثمر ويستدين عليه.

اخراجات کو اس سے نکال لیتے ہیں، اور باقی ماندہ کھیتی میں سے غریبوں کا حق (یعنی عشر) دے دیتے ہیں (تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟) حضرت عطاء نے فرمایا کہ جی ہاں! جائز ہے (الاموال)

اس قسم کی روایات کی بناء پر بعض اہلِ علم حضرات فصل پر آنے والے اخراجات کے عشر واجب ہونے سے منہا ہونے کے قائل ہیں۔

لیکن اکثر فقہائے کرام کا قول اس کے خلاف ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

---

[1] أما الخراج -وهو تلك الضريبة العقارية المفروضة على رقبة الأرض -فهل يطرح مقداره من الخارج ويزكى الباقى أم لا؟

روى يحيى بن آدم عن سفيان بن سعيد الثورى أنه قال فيما أخرجت الخراجية" :ارفع دَيْنك وخراجك، فإن بلغ خمسة أوسق بعد ذلك، فزكها. "(الخراج ص ۱۶۳)

وروى أبو عبيد عن إبراهيم بن أبى عبلة قال :كتب عمر بن عبد العزيز إلى عبد الله بن عوف -أو ابن أبى عوف -عامله على فلسطين، فيمن كانت فى يده أرض بجزيتها من المسلمين :أن يقبض جزيتها، ثم يأخذ منها زكاة ما بقى بعد الجزية .(الأموال ص۸۸) والمراد بجزية الأرض هنا "الخراج."

فعمر وسفيان يعفيان ما يقابل الخراج من الزكاة، ويزكيان الباقى فقط إن بلغ نصابًا، وكان عمر من أئمة الهدى.

وإلى نحو هذا ذهب أحمد، واستدل له فى "المغنى "بأن الخراج من مؤونة الأرض، فيمنع وجوب الزكاة فى قدره، كما ذهب إليه ابن عباس وابن عمر من قضاء ما أنفق على الزرع وتزكية الباقى . (المغنى ۲/۷۲۷)

وينبغى أن يقاس على الخراج أجرة الأرض على الزارع المستأجر، فإن جمهور الفقهاء عدّوا الخراج بمنزلة أجرة الأرض، وقد روى عن شريك نحو ذلك، قال يحيى بن آدم :سألتُ شريكًا عن الرجل يستأجر أرضًا بيضاء من أرض العُشر، بطعام مسمى، فزرعها طعامًا، قال :يعزل ما عليه من الطعام ثم يزكّى ما بقى :العُشر أو نصف العُشر، ثم قال :كما يعزل الرجل ما عليه من الدّيْن، ثم يزكّى ما بقى من ماله .(الخراج ص ۱۶۱)

بقى أن نعرف حكم النفقة على الزرع والثمر إذا لم تكن دَيْنًا ولا خراجًا، مثل ما ينفقه من ماله هو على البذر والسماد والحرث والرى والتنقية والحصاد وغير ذلك :هل ترفع هذه النفقات والتكاليف -أعنى القدر المقابل لها من المحصول ويزكّى الباقى، كما اخترناه فى رفع ما يقابل الدَّيْن والخراج؟ أم تجب الزكاة فى جميع المحصول؟

قال ابن حزم :لا يجوز أن يعد الذى له الزرع والثمر ما أنفق فى حرث أو حصاد أو جمع أو درس أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۔۔۔۔۔۔ اگر کوئی مقروض و مدیون ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق اور بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس قرض ودَین کو پیداوار سے نہیں نکالا جائے گا، یعنی قرض ودین کی مالیت کی مقدار نکال کر باقی ماندہ پیداوار کا عشر واجب نہیں ہوگا، بلکہ قرض و

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تزبيل -أو تسميد بالزبل -أو جذاذ أو حفر أو غير ذلك، فيسقطه من الزكاة، وسواء تداين في ذلك أم لم يتداين، أتت النفقة على جميع قيمة الزرع أو الثمر أو لم تأت، وهذا مكان قد اختلف السلف فيه.

ثم ذكر ابن حزم بسنده عن جابر بن زيد عن ابن عباس وابن عمر في الرجل ينفق على ثمرته، فقال أحدهما :يزكيها وقال الآخر :يرفع النفقة، ويزكي الباقي.

وعن عطاء :أنه يسقط مما أصاب النفقة، فإن بقي مقدار ما فيه الزكاة زكي، وإلا فلا، ورد ابن حزم على هذا القول بأنه لا يجوز إسقاط حق أوجبه الله تعالى بغير نص قرآن ولا سُنَّة ثابتة قال :وهذا قول مالك والشافعي وأبي حنيفة وأصحابنا أ.هـ .(المحلى ۲۵۸/۵)

والأثر الذي رواه ابن حزم هنا عن ابن عباس وابن عمر يفيد أن أحدهما يقول برفع النفقة وتزكية الباقي، والآخر يخالفه في ذلك، وقد ذكرناه قريبًا، من رواية يحيى بن آدم وأبي عبيد :أنهما سئلا عما يستدينه الرجل فينفق على ثمرته وعلى أهله، وأن ابن عباس أفتى بأنه يقضي ما أنفق على الثمرة ثم يزكي ما بقي، وأن ابن عمر وافقه على ذلك، وزاد عليه قضاء ما أنفق على نفسه وأهله.

فهذه الفتوى من الصحابيين الجليلين فيما أنفقه الزارع على زرعه وثمرته استسلافًا واستدانة، أما ما أنفقه من ماله دون استسلاف، فقد سكتا عنه، إلا على رواية ابن حزم المذكورة هنا.

وأصرح وأشمل ما ورد عن السلف في رفع ما يقابل النفقة والمؤونة من الخارج، وتزكية الباقي، سواء أكانت النفقة دَيْنًا أم غير دَيْن هو مذهب عطاء الذي ذكره ابن حزم، ورواه يحيى بن آدم عن إسماعيل بن عبد الملك، قال قلتُ لعطاء :الأرض أزرعها، فقال :ارفع نفقتك، وزكِّ ما بقي .

(الخراج ص ۱۶۱، ورواه ابن أبي شيبة۴/۲۳طبع ملتان بالهند)

وتعرض ابن العربي في شرح الترمذي لهذه المسألة فقال :اختلف قول علمائنا، هل تحط المؤونة من المال المزكي، وحينئذ تجب الزكاة -أي في الصافي -أو تكون مؤونة المال وخدمته -حتى يصير حاصلاً -في رب المال، وتؤخذ الزكاة من الرأس -أي من إجمالي الحاصل؟ فذهب إلى أنه الصحيح أن تحط وترفع من الحاصل، وأن الباقي هو الذي يؤخذ عُشره، واستدل لذلك بحديث النبي -صلى الله عليه وسلم" :-دعوا الثلث أو الربع"، وأن الثلث أو الربع يعادل قدر المؤونة تقريبًا، فإذا حسب ما يأكله رطبًا، وما ينفقه من المؤونة تخلص الباقي ثلاثة أرباع، أو ثلثين، قال : ولقد جربناه فوجدناه كذلك في الأغلب .(شرح الترمذي ۱۴۳/۳)

ومعنى كلام ابن العربي :أنه لا يجمع بين ترك الثلث أو الربع الذي جاء الحديث به، وبين حط المؤن والنفقات وطرح قدرها من الحاصل، فإنها داخلة في الثلث أو الربع المتروك غالبًا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دَین نکالے بغیر کل پیداوار کا عشر واجب ہوگا، خواہ وہ قرض ودَین اس فصل کی وجہ سے ذمہ میں واجب ولازم ہوا ہو، مثلاً اس فصل کے لئے ادھار بیج یا کھاد وغیرہ خریدا ہو یا مزدوری ادا کرنا باقی ہو، یا کسی اور وجہ سے ذمہ میں قرض ودَین واجب ولازم ہوا ہو، کیونکہ احادیث وروایات میں عشر سے دَین کو منہا کرنے یا نکالنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق قرض ودَین کو عشر سے منہا کیا جائے گا، اور جس پر کوئی قرض ودَین ہو، تو اس مقدار کو نکال کر، باقی پیداوار پر عشر واجب ہوگا،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومقتضى كلامه :أنها إذا زادت عن الثلث تحط أيضًا، وأن ذلك يُعمل به فى كل زرع وثمر، سواء أكان يخرص أم لا.

وردّ ابن الهمام على هذا الرأى :بأن الشارع حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤونة، فلو رفعت المؤونة كان الواجب واحدًا، وهو العُشر دائمًا فى الباقى؛ لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا المؤونة، والفرض أن الباقى بعد رفع قدر المؤنة لا مؤنة فيه، فكان الواجب دائمًا العُشر، لكن الواجب قد تفاوت شرعًا، مرة العُشر ومرة نصفه، بسبب المؤونة، فعلمنا أنه لم يعتبر شرعًا عدم عُشر بعض الخارج -وهو القدر المساوى للمؤونة -أصلاً أ.هـ .(فتح القدير ۲/۸)

الذى يلوح لنا أن الشارع حكم بتفاوت الواجب فى الخارج بناء على تفاوت المشقة والجهد المبذول فى سقى الأرض، فقد كان ذلك أبرز ما تتفاوت به الأراضى الزراعية، أما النفقات الأخرى فلم يأت نص باعتبارها ولا بإلغائها، ولكن الأشبه بروح الشريعة إسقاط الزكاة، عما يقابل المؤونة من الخارج، والذى يؤيد هذا أمران:

الأول :أن للكلفة والمؤونة تأثيرًا فى نظر الشارع، فقد تقلل مقدار الواجب، كما فى سقى بآلة، جعل الشارع فيه نصف العُشر فقط، وقد تمنع الوجوب أصلاً كما فى الأنعام المعلوفة أكثر العام، فلا عجب أن تؤثر فى إسقاط ما يقابلها من الخارج من الأرض.

الثانى :أن حقيقة النماء هو الزيادة، ولا يعد المال زيادة وكسبًا إذا كان أنفق مثله فى الحصول عليه، ولهذا قال بعض الفقهاء :إن قدر المؤونة بمنزلة ما سلم له بعوض، فكأنه اشتراه، وهذا صحيح.

هذا على ألا تحسب فى ذلك نفقات الرى التى أنزل الشارع الواجب فى مقابلها من العُشر إلى نصفه.

فمن كانت له أرض أخرجت عشرة قناطير من القطن تساوى مائتى جنيه، وقد أنفق عليها -فى غير الرى -مع الضريبة العقارية، مبلغ ستين جنيهًا (أى ما يعادل ثلاثة قناطير) فإنه يخرج الزكاة عن سبعة قناطير فقط، فإذا كانت سقيت سيحًا ففيها العُشر أو بآلة فنصف العُشر والله أعلم(فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱، ص ۳۹۳ الیٰ ۳۹۷،الباب الثالث، الفصل الخامس، المبحث السابع اقتطاع الديون والنفقات وتزكية الباقى)

بغیر اس تفصیل کے کہ وہ قرض ودَین اس فصل کی وجہ سے ذمہ میں لازم اور واجب ہوا ہو، یا کسی اور وجہ سے واجب ہوا ہو۔ [1]

اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق عام قرض ودَین کو اور ایک روایت کے مطابق اگر وہ قرض یا دین اس فصل کی وجہ سے واجب ہوا ہو، مثلاً اس فصل کے لئے بیج ادھار خریدا ہو، جس کی قیمت ادا کرنا باقی ہو، تو اس کو عشر ادا کرنے سے پہلے منہا کیا جائے گا، اور اسی طرح سے اگر اس زمین پر خراج لاگو ہو، تو اس کو بھی عشر ادا کرنے سے پہلے منہا کیا جائے گا۔ [2]

---

[1] وأما العشر فقد روى ابن المبارك عن أبي حنيفة أن الدين يمنع وجوب العشر فيمنع على هذه الرواية.

وأما على ظاهر الرواية فلأن العشر مؤنة الأرض النامية كالخراج فلا يعتبر فيه غنى المالك، ولهذا لا يعتبر فيه أصل الملك عندنا حتى يجب فى الأراضى الموقوفة وأرض المكاتب بخلاف الزكاة فإنه لا بد فيها من غنى المالك، والغنى لا يجامع الدين(بدائع الصنائع، ج۲ص ٦، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

وكذا عدم الدين ليس بشرط لوجوب العشر؛ لأن الدين لا يمنع وجوب العشر فى ظاهر الرواية بخلاف الزكاة المعهودة وقد مضى الفرق فيما تقدم (بدائع الصنائع، ج۲ص۵۷، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع)

لأن الدين لا يمنع وجوب العشر والخراج ويمنع صدقة الفطر كذا فى الخانية (البحرالرائق، ج۲ص ۲۲۲، كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة)

[2] وذهب الحنابلة إلى أن النفقة على الزرع إن كانت دينا يسقطها مالكه منه قبل احتساب العشر، قال أحمد :من استدان ما أنفق على زرعه واستدان ما أنفق على أهله، احتسب ما أنفق على زرعه دون ما أنفق على أهله .قالوا :وذلك لأنه من مؤنة الزرع، فالحاصل فى مقابلته يجب صرفه إلى غيره، فكأنه لم يحصل، وهذا بخلاف سائر الديون فإنها لا تسقط من الحاصل لأنه من الأموال الظاهرة على المشهور عند الحنابلة كما تقدم .

وشبيه بمؤنة الزرع عند الحنابلة خراج الأرض فإنه يؤخذ من الغلة قبل احتساب الزكاة فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص ۲۸۹، مادة "عشر")

قال أحمد :من استدان ما أنفق على زرعه، واستدان ما أنفق على أهله، احتسب ما أنفق على زرعه دون ما أنفق على أهله .لأنه من مؤنة الزرع .وبهذا قال ابن عباس.

وقال عبد الله بن عمر :يحتسب بالدينين جميعا، ثم يخرج مما بعدهما .وحكى عن أحمد، أن الدين كله يمنع الزكاة فى الأموال الظاهرة .فعلى هذه الرواية يحسب كل دين عليه، ثم يخرج العشر مما بقى إن بلغ نصابا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ بعض صحابہ وتابعین کے آثار میں عام قرض ودَین کو اور بعض آثار میں اس قرض ودَین کو جو اس فصل کی وجہ سے ذمہ میں لازم ہوا ہو، عشر سے منہا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن زید سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ عُمَرَ فِي الرَّجُلِ يَسْتَقْرِضُ فَيُنْفِقُ عَلٰى ثَمَرَتِهٖ وَعَلٰى أَهْلِهٖ قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: يَبْدَأُ بِمَا اسْتَقْرَضَ فَيَقْضِيهِ وَيُزَكِّي مَا بَقِيَ، قَالَ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَقْضِيْ مَا أَنْفَقَ عَلَى الثَّمَرَةِ ثُمَّ يُزَكِّي مَا بَقِيَ (السنن الكبرى للبيهقى) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں کہ جو قرض حاصل کرے، پھر اپنے پھل پر اور اپنے گھر والوں پر اس (قرض) کو خرچ کرے، یہ مروی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ جو قرض لیا ہے، پہلے اس کو ادا (یعنی عشر سے منہا) کرے گا، اور جو (پھل) باقی رہ جائے گا، اس کی زکاۃ (یعنی عشر) ادا کرے گا، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو قرض اس نے پھل پر خرچ کیا، پہلے اس کو ادا کرے گا، پھر جو (پھل) باقی رہ جائے گا، اس کی زکاۃ (یعنی عشر) ادا کرے گا (بیہقی، الاموال، الخراج)

اور ابنِ مبارک رحمہ اللہ، حضرت ابنِ جریج سے روایت کرتے ہیں کہ:

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: حَرْثٌ لِرَجُلٍ دَيْنُهٗ أَكْثَرُ مِنْ مَّالِهٖ يَحْصُدُهٗ، أَيُؤَدِّي حَقَّهٗ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وإن لم يبلغ نصابا فلا عشر فيه؛ وذلک لأن الواجب زكاة، فمنع الدين وجوبها، كزكاة الأموال الباطنة، ولأنه دين، فمنع وجوب العشر، كالخراج، وما أنفقه على زرعه .والفرق بينهما على الرواية الأولى، أن ما كان من مؤنة الزرع، فالحاصل فى مقابلته يجب صرفه إلى غيره، فكأنه لم يحصل (المغنى لابنِ قدامة، ج٣ص ٣٠، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار)

[1] رقم الحديث ٧٦٠٨، كتاب الزكاة، جماع ابواب صدقة الورق، باب الدين مع الصدقة، الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ١٩٢٨، ورقم الحديث ١٩٢٩، الأمر فى الرجل ينفق على الزرع والثمر ويستدين عليه، الخراج ليحيىٰ بن آدم، رقم الحديث ٥٨٩.

يَوْمَ حَصْدِهِ؟ قَالَ: مَا نَرٰى عَلٰى رَجُلٍ دَيْنُهُ أَكْثَرُ مِنْ مَّالِهِ صَدَقَةً فِيْ مَاشِيَةٍ وَلَا أَصْلٍ، وَلَا يُؤَدِّيْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ، قَالَ: وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ: سَمِعْتُ طَاوُوْسًا يَقُوْلُ: لَيْسَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ (الأموال لابن زنجويه) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت عطاء سے عرض کیا کہ ایک آدمی کی کھیتی ہے، جس پر کھیتی کی مالیت سے زیادہ کا دَین وقرض ہے، تو کیا وہ کھیتی کاٹنے کے وقت اس کا حق (یعنی عشر) ادا کرے گا؟ تو حضرت عطاء نے فرمایا کہ جس آدمی پر اس کے مال سے زیادہ دَین وقرض ہو، خواہ وہ جانوروں میں ہو یا مال میں، اس پر ہم صدقہ (یعنی زکاۃ) واجب ہونے کی رائے نہیں رکھتے، اور نہ ہی وہ اس فصل کا کاٹنے کے وقت حق (یعنی عشر) ادا کرے گا، اور ابوالزبیر نے فرمایا کہ میں نے (جلیل القدر تابعی) حضرت طاؤس سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ اس شخص پر صدقہ (یعنی عشر) واجب نہیں (الاموال)

اور حضرت مکحول سے روایت ہے کہ:

عَنْ مَكْحُوْلٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: اَلدَّيْنُ بَيْنَ يَدَيِ الزَّكَاةِ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْحُبُوْبِ، وَكَانَ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ، وَلَهُ عَلَى النَّاسِ دُيُوْنٌ، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ فِيْهِ، مَا دَامَ عَلَيْهِ دَيْنٌ (الأموال لابن زنجويه) [2]

ترجمہ: حضرت مکحول نے فرمایا کہ دَین وقرض، سونے وچاندی اور غلہ کی زکاۃ سے

---

[1] رقم الحديث ١٩٣٢، كتاب الصدقة وأحكامها وسننها، الأمر فى الرجل ينفق على الزرع والثمر ويستدين عليه.

[2] رقم الحديث ١٩٣٤، كتاب الصدقة وأحكامها وسننها، الأمر فى الرجل ينفق على الزرع والثمر ويستدين عليه.

مقدم ہوتا ہے، اور حضرت مکحول فرمایا کرتے تھے کہ جس پر دَین وقرض ہو، اور اس کا بھی لوگوں پر دَین وقرض ہو، تو اس پر زکاۃ نہیں، جب تک کہ اس پر دَین وقرض لازم رہے (الاموال)

اس قسم کے آثار کے پیشِ نظر امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی غیر ظاہرُ الروایۃ کے مطابق اگر کسی شخص پر قرض ودَین ہو، بالخصوص جبکہ وہ قرض ودَین اس فصل کی وجہ سے لازم ہوا ہو، تو فصل کی اتنی مالیت کی مقدار عشر کے واجب ہونے سے مستثنیٰ ہوا کرتی ہے۔ اور اگرچہ موجودہ دور کے اکثر اہلِ علم حضرات کا اس پر فتویٰ نہیں ہے، لیکن بعض اہلِ علم حضرات ضرورت کے وقت اس پر فتویٰ کے قائل ہیں۔ ۱

---

۱ هل يدفع قدر الدين والنفقة من الخارج ويزكي الباقي؟

أما الدَّيْن الذى يكون على رب الزرع والثمر فهو نوعان:

منه ما يكون لأجل النفقة على الزرع، كما إذا استدان فى ثمن البذر والسماد أو أجرة العمال، ونحو ذلک من النفقات.

ومنه ما يكون لأجل نفقة صاحب الزرع على نفسه وأهله.

فما الحكم فى كلا الدَّيْنين؟

روى أبـو عبيـد فى الأموال بسنده عن جابر بن زيد، قال فى الرجل يستدين فينفق على أهله وأرضه، قال :قال ابن عباس :يـقـضـى ما أنفق على أرضه، وقال ابن عمر :يـقـضى ما أنفق على أرضه وأهله .(الأموال ص ۵۰۹)

ورواه يحيى بن آدم فى الخراج عنه قال :قال ابن عمر :يبـدأ بما استقرض، فيقضيه ويزكّى ما بقى، وقال :قال ابن عباس :يـقـضى ما أنفق على الثمرة ثم يزكّى ما بقى (الخراج ص ۱۶۲، وقال الشيخ أحمد شاكر فى تعليقه عليه :إسناده صحيح)

فقد اتفق ابن عباس وابن عمر على قضاء الدّيْن الذى أنفقه على الأرض والثمرة، وزكاة الباقى فقط، واختلفا فى الدّيْن إذا كان على نفسه وأهله.

وكـذلک روى أبـو عبيد عن مكحول أنه قال فى صاحب الزرع المدين :لا تـؤخذ منه الزكاة حتى يقضى دينه، وما فضل بعد ذلک زكّاه، إذا كان مما تجب فيه الزكاة .(الأموال ص ۵۰۹)

وكذلک يرى عن عطاء وطاووس .(المرجع السابق)

وقالت طائفة من أهل العراق بمثل ما جاء عن ابن عمر وعطاء وطاووس ومكحول .(نفس المرجع)

ومـن فـقـهـاء الـعـراق الذين ذهبوا هذا المذهب :سـفيان الثورى: كـمـا روى ذلک يحيى بن آدم .(الخراج ص ۱۶۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ جدہ فقہ اکیڈمی نے اپنی قرارداد میں فصل پر آنے والے اخراجات کی مَد میں لازم ہونے والے قرض ودَین کو عشر سے مستثنٰی قرار دیا ہے، خصوصاً جبکہ وہ قرض ودَین اپنے پاس مال نہ ہونے کی وجہ سے لازم ہوا ہو، اور ہمارے نزدیک بھی بوقتِ ضرورت امام ابوحنیفہ کی اس روایت کے مطابق عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن أحمد بن حنبل روايتان :قال في إحداهما :من استدان ما أنفق على زرعه، واستدان ما أنفق على أهله، احتسب ما أنفق على زرعه دون ما أنفق على أهله؛ لأنه من مؤونة الزرع والرواية الثانية: أن الدَّين كله يمنع الزكاة .(المغنی ۲/۷۲۷)

فهو في الرواية الأولى وافق ابن عباس، وفي الثانية وافق ابن عمر.

قال في المغني :فعلى هذه الرواية يحسب كل دَيْن عليه، ثم يُخرج العُشر مما بقي إن بلغ نصابًا، وإن لم يبلغ نصابًا فلا عُشر فيه، وذلك لأن الواجب زكاة، فيمنع الدَّين وجوبها، كزكاة الأموال الباطنة، ولأنه دَيْن فيمنع وجوب العُشر كالخراج وما أنفق على زرعه، والفرق بينهما على الرواية الأولى :أن ما كان من مؤونة الزرع فالحاصل في مقابلته يجب صرفه إلى غيره، فكأنه لم يحصل . (المغنی ۲/۷۲۷)

وقد رجح أبو عبيد مذهب ابن عمر ومَن وافقه في رفع كل الديون من الخارج، وتزكية الباقي، بشرط أن تثبت صحة الدَّين، قال ":إذا كان الدَّين صحيحًا قد علم أنه على رب الأرض فإنه لا صدقة عليه فيها، ولكنها تسقط عنه لدَيْنه كما قال ابن عمر وطاووس وعطاء ومكحول، ومع قولهم أيضًا إنه موافق لاتباع السُّنَّة، ألا ترى أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إنما سنَّ أن تؤخذ الصدقة من الأغنياء ، فتُردّ في الفقراء ، وهذا الذي عليه دَيْن يحيط بماله ولا مال له، هو من أهل الصدقة، فكيف تؤخذ منه الصدقة وهو من أهلها؟، أم كيف يجوز أن يكون غنيًا فقيرًا، في حال واحدة؟ ومع هذا إنه من الغارمين -أحد الأصناف الثمانية -فقد استوجبها من جهتين "ا هـ.(الأموال ص۵۱۰)(فقه الزكاة للقرضاوی، ج۱، ص ۳۹۱ الیٰ ۳۹۳،الباب الثالث، الفصل الخامس، المبحث السابع اقتطاع الديون والنفقات وتزكية الباقی)

[1] الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين.قرار رقم ۱۱۹ :(۱۳/۲)بشأن زكاة الزراعة:

إن مجلس مجمع الفقه الإسلامي الدولي (المنبثق عن منظمة المؤتمر الإسلامي) المنعقد في دورته الثالثة عشرة بدولة الكويت في الفترة من ۷ إلى ۱۲ شوال ۱۴۲۲هـ، الموافق ۲۲ـ۲۷ديسمبر ۲۰۰۱م، بعد اطلاعه على البحوث المقدمة إلى المجمع بخصوص موضوع (زكاة الزراعة) وبعد استماعه إلى المناقشات التي دارت حول الموضوع بمشاركة أعضاء المجمع وخبرائه .قرر ما يأتي:

أولا :لا يحسم من وعاء الزكاة النفقات المتعلقة بسقي الزرع؛ لأن نفقات السقي مأخوذة في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی زمین یا فصل عشر والے اور نصف عشر والے دونوں قسم کے پانی سے سیراب کی جاتی ہے، تو غالب اور اکثری پانی کا اعتبار ہوگا، اگر پہلی قسم کا پانی زیادہ استعمال ہوا تو عشر میں دسواں حصہ واجب ہوگا، اور اگر دوسری قسم کا پانی زیادہ استعمال ہوا تو عشر میں بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

اور اگر دونوں پانی برابر استعمال ہوئے تو اس میں بعض حضرات کے نزدیک نصف عشر اور بعض کے نزدیک آدھی پیداوار کا دسواں حصہ اور آدھی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ [1]

اور اگر نصف یا اکثر مقدار کا علم نہ ہوسکے، تو پھر بعض حضرات کے نزدیک احتیاطاً عشر (یعنی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشريعة بالاعتبار فى المقدار الواجب.
ثانيا :لا تحسم من وعاء الزكاة نفقات إصلاح الأرض وشق القنوات ونقل التربة.
ثالثا :النفقات المتعلقة بشراء البذور والسماد والمبيدات لوقاية الزرع من الآفات الزراعية ونحوها مما يتعلق بموسم الزروع؛ إذا أنفقها المزكى من ماله لا تحسم من وعاء الزكاة، أما إذا اضطر للاستدانة لها لعدم توافر مال عنده فإنها تحسم من وعاء الزكاة، ومستند ذلك الآثار الواردة عن بعض الصحابة، ومنهم ابن عمر وابن عباس رضى الله عنهم، وهو أن المزارع يخرج ما استدان على ثمرته ثم يزكى ما بقي.
رابعا :يحسم من مقدار الزكاة الواجبة فى الزروع والثمار النفقات اللازمة لإيصالها لمستحقيها .
والله أعلم(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج۱۳ ص۱۲۰۸ ،زكاة الزراعة -زكاة الأسهم فى الشركات -زكاة الديون)

[1] ولو احتاجت الأرض إلى ساق يسقيها بماء الأنهار أو الأمطار، ويحول الماء من جهة إلى جهة، أو احتاجت إلى عمل سواق أو حفر أنهار لم يؤثر ذلك فى تقليل النصاب.
وإن سقيت الأرض نصف الوقت بكلفة ونصفها بغير كلفة فالزكاة ثلاثة أرباع العشر اتفاقا، وإن سقيت بأحدهما أكثر من الآخر فالجمهور على اعتبار الأكثر، ويسقط حكم الأقل، وقيل :يعتبر كل منهما بقسطه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۸۹ ،مادة "زكاة")
وإن سقى بعض السنة بآلة، والبعض بغيرها فالمعتبر أكثرها كما مر فى السائمة والعلوفة، وإن استويا يجب نصف العشر نظرا للفقراء كما فى السائمة، وظاهر الغاية وجوب ثلاثة أرباع العشر (البحر الرائق، ج۲، ص ۲۵۶، كتاب الزكاة، باب العشر)
(قوله نظرا للفقراء) الظاهر أن يقال نظرا للمالك لأن النظر للفقراء فى وجوب ثلاثة أرباع العشر تأمل(منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۲۵۷، كتاب الزكاة، باب العشر)
ولو سقى سيحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلاثة أرباعه (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ص۳۲۸، كتاب الزكاة، باب العشر)

دسواں حصہ) واجب ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۲ ...... جب عشر واجب ہونے والا مال (فصل یا پھل) ایک ہی نوعیت کا ہو، اور عشر اسی فصل یا پھل سے ادا کیا جائے، تو اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں، خواہ وہ مال اعلیٰ قسم کا ہو، یا ادنیٰ قسم کا ہو۔ ۲؎

اور اگر اعلیٰ وادنیٰ دونوں قسم کا مال ہو، مثلاً کچھ حصہ میں گندم اعلیٰ درجہ کی پیدا ہوئی ہو، اور کچھ حصہ میں ادنیٰ درجہ کی پیدا ہوئی ہو، تو بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ اس صورت میں ہر قسم کے مال میں سے اس پر واجب ہونے والے عشر کے بقدر لیا جائے گا، یعنی جس میں جتنی مقدار واجب ہو، اس سے اتنی ہی مقدار لی جائے گی۔ ۳؎

۱؎ ما سقى بعض العام بكلفة وبعضه بغير كلفة

(أ) فإن سقى الزرع نصف السنة بكلفة ونصفها بغير كلفة، ففيه ثلاثة أربا ع العُشر، قال ابن قدامة: ولا نعلم فيه مخالفًا، لأن كل واحد منهما لو وُجِد فى جميع السنة لوجب مقتضاه، فإذا وُجِد فى نصفها أوجب نصفه(المغنى ٢/٦٩٩)

(ب) وإن سُقِى بأحدهما أكثر من الآخر اعتبر أكثرهما، فوجب مقتضاه وسقط حكم الآخر، وهو قول عطاء والثورى وأبى حنيفة وأحد قولى الشافعى والمعتمد عند الحنابلة والقول الآخر: يسقط الواجب على عدد السقيات، لأنهما لو كانا نصفين أخذ بالحصة، فكذلك إذا كان أحدهما أكثر كما لو كانت الثمرة نوعين.

ورجح الأول بأن اعتبار مقدار السقى وعدد مراته وقدر ما يشرب فى كل سقية يشق ويتعذر، فكان الحكم للأغلب منهما كالسوم فى الماشية (انظر المغنى ٢/٧٠٠)

(جـ) وإن جُهِل المقدار غلّبنا إيجاب العُشر احتياطًا، لأن الأصل وجوب العُشر وإنما يسقط بوجود الكلفة، فما لم يتحقق المسقط يبقى على الأصل، ولأن الأصل عدم الكلفة فى الأكثر، فلا يثبت وجودها مع الشك فيه(المغنى ٢/٧٠٠)(فقه الزكاة للقرضاوى، ج ١، ص ٣٧٨، ٣٧٩، الباب الثالث، الفصل الخامس، المبحث السابع اقتطاع الديون والنفقات وتزكية الباقى)

۲؎ الثاني- كيفية الإخراج:

لا خلاف بين العلماء فى أنه إذا كان المال الذى فيه الزكاة نوعا واحدا، أخذ منه، جيدا كان أو رديئا؛ لأن حق الفقراء يجب على طريقة المواساة، فهم بمنزلة الشركاء (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص١٩٠٨، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

۳؎ وإن كان أنواعا، أخذ من كل نوع ما يخصه، في رأى الحنابلة والحنفية، وقال مالك: يؤخذ من الوسط، لا من الأعلى ولا من الأدنى، ولا من كل نوع، للمشقة، إلا أن يتطوع المزكى بدفع الأعلى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷..... جب کھیتی بونے کے بعد اُگ آئے، اور باغ میں پھول آ جائیں، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیداوار کا وجود ہو جاتا ہے (اور عشر کا سببِ وجوب پایا جاتا ہے)

اور اس سے پہلے پیداوار کا وجود نہیں ہوتا (اور عشر کا سببِ وجوب نہیں پایا جاتا)

اور اسی لئے کھیتی اُگنے اور باغ میں پھول آنے سے پہلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک (رقم یا کسی اور مالیت کی چیز سے) عشر ادا کرنا درست نہیں، اور کھیتی اگنے یا باغ میں پھول آنے کے بعد (اور پھل ظاہر ہونے سے پہلے) اگر کسی نے اس کا عشر نقدی یا کسی اور جنس سے ادا کر دیا؛ تو یہ درست ہو جائے گا (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۷۱) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الشافعي :يؤخذ من كل نوع جزء منه، فإن عسر أخرج الوسط.

ولا يجوز اتفاقا إخراج الردىء ، لقوله تعالى :(ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون)

ولا يجوز أخذ الجيد عن الردىء ، لقول النبي صلى الله عليه وسلم :إياك وكرائم أموالهم إلا أن يتطوع رب المال بذلك(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج۳ص۱۹۰۸، ۱۹۰۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] اگر کھیتی بونے کے بعد، اُگنے سے پہلے اور اسی طرح درخت بونے کے بعد اور پھل نکلنے سے پہلے کسی نے عشر ادا کیا، تو امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

وعلى هذا يخرج تعجيل العشر وإنه على ثلاثة، أوجه :في وجه يجوز بلا خلاف، وفي وجه لا يجوز بلا خلاف، وفي وجه فيه خلاف .

أما الذي يجوز بلا خلاف فهو أن يعجل بعد الزراعة وبعد النبات؛ لأنه تعجيل بعد وجود سبب الوجوب وهو الأرض النامية بالخارج حقيقة ألا ترى أنه لو فصله هكذا يجب العشر؟

وأما الذي لا يجوز بلا خلاف فهو أن يعجل قبل الزراعة؛ لأنه عجل قبل الوجوب وقبل وجود سبب الوجوب لانعدام الأرض النامية بالخارج حقيقة لانعدام الخارج حقيقة .

وأما الذي فيه خلاف فهو أن يعجل بعد الزراعة قبل النبات، قال أبو يوسف :يجوز وقال محمد :لا يجوز.

وجه قول محمد إن سبب الوجوب لم يوجد لانعدام الأرض النامية بالخارج لا الخارج فكان تعجيلا قبل وجود السبب فلم يجز كما لو عجل قبل الزراعة .

وجه قول أبي يوسف إن سبب الخروج موجود وهو الزراعة فكان تعجيلا بعد وجود السبب فيجوز.

وأما تعجيل عشر الثمار فإن عجل بعد طلوعها جاز بالإجماع وإن عجل قبل الطلوع ذكر الكرخي أنه على الاختلاف الذي ذكرنا في الزرع وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي أنه لا يجوز في ظاهر الرواية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حکم تو عشر ادا ہونے نہ ہونے کے بارے میں تھا، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عشر ادا کرنا کب واجب ہوتا ہے، تو اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب پیداوار (خواہ فصل ہو یا پھل، یا سبزی) ظاہر ہوکر اس قابل ہوجائے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے، تو عشر ادا کرنا واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ فصل ابھی پکی نہ ہو، اور تیار نہ ہو، اور پھل توڑنے کے لائق نہ ہوا ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وروى عن أبي يوسف أنه يجوز وجعل الأشجار للثمار بمنزلة الساق للحبوب وهناك يجوز التعجيل كذا ههنا ووجه الفرق لأبي حنيفة ومحمد أن الشجر ليس بمحل لوجوب العشر؛ لأنه حطب ألا ترى أنه لو قطعه لا يجب العشر؟ فأما ساق الزرع فمحل بدليل أنه لو قطع الساق قبل أن ينعقد الحب يجب العشر.

ويجوز تعجيل الخراج والجزية؛ لأن سبب وجوب الخراج الأرض النامية بالخارج تقديرا بالتمكن من الزراعة لا تحقيقا وقد وجد التمكن وسبب وجوب الجزية كونه ذميا وقد وجد والله أعلم(بدائع الصنائع، ج۲ص ۵۴، كتاب الزكاة،فصل سبب فرضيته زكاة الزروع والثمار)

واختلف في تعجيله قبل النبات بعد الزرع أو بعدما غرس الشجر قبل خروج الثمرة فعند محمد لا يجوز؛ لأن التعجيل للحادث لا للبذر، ولم يحدث شيء وجوزه أبو يوسف؛ لأن السبب الأرض النامية وبعد الزراعة صارت نامية ورده محمد بأن السبب الأرض النامية بحقيقة النماء فيكون التعجيل قبلها واقعا قبل السبب فلا يجوز كذا في الولوالجية، ولا يخفى أن الأفضل لصاحب المال عدم التعجيل للاختلاف في التعجيل عند العلماء ولم أره منقولا، والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب(البحرالرائق، ج۲ص ۲۴۲، كتاب الزكاة، فصل في زكاة الغنم)

[1] وہ الگ بات ہے کہ فصل اٹھانے تک عشر کی ادائیگی مؤخر کرنے کی صورت میں گناہ نہ ہو، لان مدارهٔ على الفور والتراخي وهو مختلف فيه.

ملحوظ رہے کہ نفسِ وجوب کا ذکر اس سے پہلے مسئلہ کے ضمن میں گزر چکا ہے، اور اس مسئلہ میں وجوبِ ادا کا ذکر کیا گیا ہے۔

وأما الكيفية فما تقدم في الزكاة أنه على الفور أو التراخي (البحر الرائق،ج۲ص ۲۵۴، كتاب الزكاة، حكم تعجيل العشر)

واختلافهم في وجوبه على الفور أو التراخي كما في الزكاة اهـ(ردالمحتار،ج۲ص ۳۲۵، كتاب الزكاة، باب العشر)

وحاصل الخلاف أن الامر المطلق عن الوقت على الفور أم على التراخي؟ على قول بعض مشايخنا على التراخي، وعلى قول بعضهم على الفور، وبه قال الشيخ أبو منصور الماتريدي، وهذه من مسائل أصول الفقه تعرف ثم إن شاء الله تعالى(تحفة الفقهاء لعلاء الدين سمرقندي ج ۱ ص ۲۶۳، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابو یوسف کے نزدیک عشر واجب ہونے کا وقت وہ ہے، جب پھل یا غلہ پک کر تیار اور کاٹنے کے قابل ہوجائے۔

اور امام محمد کے نزدیک عشر واجب ہونے کا وقت وہ ہے، جب پھل یا غلہ کو کاٹا، توڑا جائے، اور صاف کر کے بوریوں وغیرہ میں پیک کیا جائے۔ [1]

اور حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عشر واجب ہونے کا وقت تب ہے، جب پھل یا غلہ قابلِ استعمال ہوجائے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾(قوله :ويؤخذ العشر إلخ) قال في الجوهرة :واختلفوا في وقت العشر في الثمار والزرع فقال أبو حنيفة وزفر :يجب عند ظهور الثمرة والأمن عليها من الفساد، وإن لم يستحق الحصاد إذا بلغت حدا ينتفع بها(ردالمحتار، ج۲ص ۳۳۱، كتاب الزكاة، باب العشر)

أما وقت وجوب العشر في الثمار فمختلف فيه:

قال أبو حنيفة وزفر :يجب عند ظهور الثمرة والأمن عليها من الفساد، وإن لم يستحق الحصاد إذا بلغت حدا ينتفع بها(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۱۴،۱۸۱۵، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثالث)

[1] وذهب أبو يوسف إلى أن وقت الوجوب هو وقت استحقاق الحصاد والإدراک لقوله تعالى: (وآتوا حقه يوم حصاده)ويوم حصاده يوم إدراكه فكان هو وقت الوجوب.

وذهب محمد إلى أنه وقت الجذاذ لأن حال الجذاذ هي حال تناهي عظم الثمر واستحكامه فكانت هي حال الوجوب(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۵ ،ص۱۳ ،مادة "ثمار")

وعند أبي يوسف وقت الإدراک.

وعند محمد وقت التنقية والجذاذ فإنه قال :إذا كان الثمر قد حصد في الحظيرة وذرى البر وكان خمسة أوسق ثم ذهب بعضه كان في الذي بقي منه العشر فهذا يدل على أن وقت الوجوب عنده هو وقت التصفية في الزرع ووقت الجذاذ في الثمر، هو يقول :تلک الحال هي حال تناهي عظم الحب والثمر واستحكامها فكانت هي حال الوجوب، وأبو يوسف يحتج بقوله تعالى (وآتوا حقه يوم حصاده)ويوم حصاده هو يوم إدراكه فكان هو وقت الوجوب.

ولأبي حنيفة قوله تعالى (أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)أمر الله تعالى بالإنفاق مما أخرجه من الأرض فدل أن الوجوب متعلق بالخروج ولأنه كما خرج حصل مشتركا كالمال المشترک لقوله تعالى (ومما أخرجنا لكم من الأرض)جعل الخارج للكل فيدخل فيه الأغنياء والفقراء (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۶۵، فصل وقت الوجوب)

[2] ج -وقت وجوب الزكاة في الثمار:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الزكاة تجب في الثمار ببدو صلاحها؛ لأنها حينئذ ثمرة كاملة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... اگر قابلِ عشر پھل یا فصل میں عشر واجب ہونے سے پہلے (یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھل یا غلہ کے قابلِ انتفاع ہونے سے پہلے اور امام ابو یوسف کے نزدیک پک کر تیار اور کاٹنے کے قابل ہونے سے پہلے اور امام محمد کے نزدیک کاٹ کر صاف کرنے سے پہلے) خود بخود وہ فصل یا پھل مکمل یا بعض حصہ ہلاک ہوجائے (مثلاً گر کر ضائع ہوجائے، یا پانی میں بہہ جائے) یا اس پھل وفصل کا مالک اسے ہلاک کردے (مثلاً مالک کاٹ کر پھینک دے یا جانور وغیرہ کو کھلادے، وغیرہ وغیرہ) تو اس ہلاک شدہ یا ہلاک کردہ مقدار کا عشر واجب نہیں ہوتا، کیونکہ ابھی تک اس پر عشر واجب نہیں ہوا تھا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمراد بالوجوب هنا هو انعقاد سبب وجوب إخراج التمر والزبيب عند الصيرورة كذلك، وليس المراد بوجوب الزكاة وجوب إخراجها في الحال.

وعن أبي حنيفة رواية أخرى أن وقت الوجوب هو وقت ظهور الثمر محتجا بقوله تعالى :(أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)قال :أمر الله تعالى بالإنفاق مما أخرجه من الأرض فدل أن الوجوب متعلق بالخروج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۱۳، مادة " ثمار")

اختلف الفقهاء في الوقت الذي تجب فيه زكاة الزروع والثمار.

فذهب المالكية ما عدا ابن عرفة، والشافعية وأبو حنيفة إلى أنها تجب بإفراك الحب، وطيب الثمر والأمن عليه من الفساد، والمراد بإفراك الحب طيبه واستغناؤه عن السقي، وإن بقي في الأرض لتمام طيبه، وطيب الثمر نحو أن يزهي البسر، أو تظهر الحلاوة في العنب .قالوا :لأن الحب باشتداده يكون طعاما حقيقة وهو قبل ذلك بقل، والثمر قبل بدو صلاحه بلح وحصرم، وبعد بدو صلاحه ثمرة كاملة، ولأن ذلك وقت الخرص، والمراد بالوجوب هنا انعقاد سبب الوجوب، ولا يكون الإخراج إلا بعد اليبس والجفاف.

وذهب أبو يوسف من الحنفية وهو قول ابن أبي موسى من الحنابلة وقول ابن عرفة من المالكية إلى أن الوجوب يتعلق باليبس واستحقاق الحصاد.

وذهب محمد بن الحسن إلى أن الوجوب لا يثبت إلا بحصاد الثمرة وجعلها في الجرين.

وقال الحنابلة :يثبت الوجوب ببدو الصلاح في الثمر، واشتداد الحب في الزرع، ويستقر الوجوب بجعل الثمرة أو الزرع في الجرين أو البيدر، فلو تلف قبل استقرار الحبوب بجائحة فلا شيء عليه إجماعا على ما قال ابن المنذر ونقله في شرح المنتهى عنه، أما قبل ثبوت الوجوب فلو بيع النخل أو الأرض فلا زكاة على البائع في الزرع والثمر، ولو مات المالك قبل الوجوب فالزكاة على الورثة إن بقي إلى وقت الوجوب وبلغ نصيب الوارث نصابا، وكذا إن أوصى بها ومات قبل الوجوب فلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی فصل یا پھل میں عشر واجب ہو چکا تھا (یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھل یا غلہ کے ظاہر ہو کر قابلِ انتفاع ہونے کے بعد اور امام ابو یوسف کے نزدیک پک کر تیار اور کاٹنے کے قابل ہونے کے بعد اور امام محمد کے نزدیک کاٹ کر یا توڑ کر صاف کرنے کے بعد) مگر ابھی عشر ادا نہیں کیا تھا، پھر وہ فصل یا پھل اپنے اختیار کے بغیر ضائع ہو جائے، مثلاً چوری ہو جائے، یا جل جائے، یا پانی میں بہہ جائے، تو بھی (محلِ عشر فوت ہو جانے کی وجہ سے) حنفیہ کے نزدیک اس کا عشر ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر کچھ مقدار ضائع و ہلاک ہوئی، تو اتنی مقدار کا عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ [1]

اور اگر مذکورہ صورت میں اپنے اختیار سے اس کو ضائع و ہلاک کیا، مثلاً اس کو کاٹ یا توڑ کر ضائع کر دیا، یا جانور وغیرہ کو کھلا دیا، تو (تعدی وزیادتی پائے جانے کی وجہ سے) اس کا عشر ساقط نہیں ہوتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ زكـاة فيهـا، ولو أكل من الثمرة قبل الوجوب لم يحتسب عليه ما أكل، ولو نقصت عن النصاب بما أكل فلا زكاة عليه.

وأما بعد الوجوب فتلزمه الزكاة وإن باع أو أوصى بها، ولا شيء على من ملكها بعد أن ثبت الوجوب.

وذكر الحنابلة مما يتفرع على ذلك أنه لا زكاة على من حصل على نصاب من لقاط السنبل أو أجرة الحصاد، أو ما يأخذه من المباحات من الحب أو العفص والأشنان ونحوها لأنه لم يملكها وقت الوجوب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۸۳،۲۸۴،مادة "زكاة")

وعند مالك :تجب الزكاة في الزرع إذا أفرك واستغنى عن الماء إذا بلغ نصابا.

وعند الشافعية :لا يجب العشر إلا بعد بدو الصلاح، وهو معنى قول مالك إذا أفرك، وهو الصحيح عند الحنابلة خلافا لابن أبي موسى الذي قال :تجب زكاة الحب يوم حصاده.لقوله تعالى: (وآتوا حقه يوم حصاده).

فإذا هلكت الزروع والثمار بعاهة قبل وقت الوجوب فلا شيء عليه من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹ص۲۵۲ ، مادة "عاهة")

[1] البتہ صاحبین وغیرہ کے نزدیک باقی ماندہ فصل یا پھل نصاب کے بقدر ہو، تو ہی عشر واجب ہوتا ہے۔ کما مر۔

[2] وإذا هلكت بعد وقت الوجوب، فالحنفية لا يوجبون الزكاة فيما هلك، سواء كان هلاكه بعد حصاده أو قبله ولم يشترط أبو حنيفة النصاب، واشترطه الصاحبان وقالوا بعدم الوجوب، لأن الواجب يسقط بهلاك محله، والقول ببقاء الواجب بعد هلاكه يحيله إلى صفة العسر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹ص۲۵۳، مادة "عاهة") ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر مالک کے علاوہ کسی اور نے اس کو ضائع وہلاک کیا، تو مالک اس ضائع کرنے والے شخص سے تاوان لے کر عشر ادا کرے گا، اور جب تک اس کا ضمان وتاوان وصول نہ ہو؛ تب تک مالک پر اس تلف کردہ پیداوار کے عشر کی ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔ [1]

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اگر کسی نے پوری فصل یا پھل کو یا اس کے کسی حصہ کو اس میں عشر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وإن أتلفه صاحبه، أو أكله يضمن عشره ويكون دينا فى ذمته، وإن أتلف البعض دون البعض قدر عشر ما أتلف ويكون دينا فى ذمته وعشر الباقى يكون فى الخارج، وهذا على أصل أبى حنيفة؛ لأن الإتلاف حصل بعد الوجوب لثبوت الوجوب بالخروج والظهور فكان الحق مضمونا عليه كما لو أتلف مال الزكاة بعد حولان الحول.

وأما على قولهما فلا يضمن عشر المتلف؛ لأن الإتلاف حصل قبل وقت وجوب الحق ولو هلك بنفسه فلا عشر فى الهالك بلا خلاف سواء هلك كله، أو بعضه؛ لأن العشر لا يضمن بالهلاك سواء كان قبل الوجوب، أو بعده ويكون عشر الباقى فيه قل، أو كثر فى قول أبى حنيفة؛ لأن النصاب عنده ليس بشرط.

وكذلك عندهما إن كان الباقى نصابا وهو خمسة أوسق وإن لم يكن نصابا لا يعتبر قدر الهالك فى تكميل النصاب فى الباقى عندهما بل إن بلغ الباقى بنفسه نصابا يكون فيه العشر وإلا فلا هذا إذا هلك قبل الإدراك، أو استهلك فأما بعد الإدراك والتنقية والجذاذ، أو بعد الإدراك قبل التنقية والجذاذ، فإن هلك سقط الواجب بلا خلاف بين أصحابنا كالزكاة تسقط إذا هلك النصاب، وعند الشافعى لا تسقط، وقد ذكرنا المسألة وإن هلك بعضه سقط الواجب بقدره وبقى عشر الباقى فيه، قليلا كان، أو كثيرا عند أبى حنيفة؛ لأن النصاب ليس بشرط عنده، وعندهما يكمل نصاب الباقى بالهالك، ويحتسب به فى تمام الخمسة الأوسق.

وروى عن أبى يوسف أنه لا يعتبر الهالك فى تمام الأوسق بل يعتبر التمام فى الباقى، فإن كان فى نفسه نصابا يكون فيه العشر وإلا فلا، وإن استهلك :فإن استهلكه المالك ضمن عشره ويكون دينا فى ذمته، وإن استهلك بعضه فقدر عشر المستهلك يكون دينا فى ذمته، وعشر الباقى فى الخارج(بدائع الصنائع ،ج۲ص ۶۳،۶۴، كتاب الزكاة، فصل وقت الوجوب)

[1] الخامس۔ ما تسقط به زكاة النبات:

قال الحنفية وغيرهم تسقط هذه الزكاة بعد الوجوب بهلاك الخارج من غير صنع المالك؛ لأن الواجب فى الخارج، فإذا هلك هلك بما فيه، كهلاك نصاب الزكاة بعد الحول.

وإن استهلك الثمر أو الزرع :فإن استهلكه غير المالك، أخذ الضمان منه، وأدى عشره .وإن استهلك بعضه، أدى عشر القدر المستهلك من الضمان .وإن استهلك المالك أو استهلك البعض، بأن أكله، ضمن عشر الهالك، وصار دينا فى ذمته فى قول أبى حنيفة (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۱۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

وإن استهلكه غير المالك أخذ الضمان منه وأدى عشره؛ لأنه هلك إلى خلف وهو الضمان فكان قائما معنى وإن استهلك بعضه أخذ ضمانه وأدى عشر القدر المستهلك وعشر الباقى منه لما قلنا (بدائع الصنائع ،ج۲ص ۶۴، كتاب الزكاة، فصل وقت الوجوب)

واجب ہونے کے بعد (یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھل یا غلہ کے ظاہر ہوکر قابلِ انتفاع ہونے کے بعد اور امام ابو یوسف کے نزدیک پک کر تیار اور کاٹنے کے قابل ہونے کے بعد اور امام محمد کے نزدیک کاٹ کر یا توڑ کر صاف کرنے کے بعد) خود جان بوجھ کر ختم کردیا؛ مثلاً ساری یا کچھ پیداوار کو خود کھالیا یا کسی اور کو ہدیہ کردیا، یا کھلا دیا (جیسا کہ گنے چوس لیے، یا کسی کو چوسنے کے لئے ہدیہ کردیئے، یا جانور کو چارہ کے طور پر کھلا دیا) تو اس کا عشر ذمہ میں سے ختم نہیں ہوتا اور اس مقدار کا بھی حساب کرکے عشر ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ [1]

البتہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق جس نے فصل و پھل (جس میں گنّا بھی داخل ہے) میں سے کچھ مقدار خود کھالی، یا دوسرے کو کھلادی، تو وہ دفعِ حرج کی وجہ سے عشر واجب ہونے سے مستثنیٰ ہوگی، البتہ اتنی مقدار کو باقی ماندہ مقدار کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کرنے کا حکم ہوگا، اگر وہ مجموعی مقدار نصاب کے برابر ہو، تو باقی ماندہ فصل و پیداوار کا عشر واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔ [2]

---

[1] (قوله :ويؤخذ العشر إلخ) قال في الجوهرة :واختلفوا في وقت العشر في الثمار والزرع فقال أبو حنيفة وزفر :يجب عند ظهور الثمرة والأمن عليها من الفساد، وإن لم يستحق الحصاد إذا بلغت حدا ينتفع بها وقال أبو يوسف عند استحقاق الحصاد وقال محمد إذا حصدت وصارت في الجرين وفائدته فيما إذا أكل منه بعد ما صار جهيشا أو أطعم غيره منه بالمعروف فإنه يضمن عشر ما أكل وأطعم عند أبي حنيفة وزفر وقال أبو يوسف ومحمد :لا يضمن ويحتسب به في تكميل الأوسق، ولا يحتسب به في الوجوب يعني إذا بلغ المأكول مع الباقي خمسة أوسق وجب العشر في الباقي لا غير وإن أكل منها بعد ما بلغت الحصاد قبل أن تحصد ضمن عند أبي حنيفة وأبي يوسف ولم يضمن عند محمد وإن أكل بعد ما صارت في الجرين ضمن إجماعا وما تلف بغير صنعه بعد حصاده أو سرق وجب العشر في الباقي لا غير .اهـ .والكلام في العشر ومثله فيما يظهر خراج المقاسمة؛ لأنه جزء من الخارج أما خراج الوظيفة فهو في الذمة لا في الخارج فلا يختلف حكمه بالأكل وعدمه تأمل(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۳۳۱، كتاب الزكاة، باب العشر)

[2] اور امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ جتنی مقدار اپنے اور اپنے عیال کے لئے کافی ہوتی ہے، اتنی مقدار کے توڑ کر کھانے پر عشر ساقط ہوجاتا ہے، لیکن اس مقدار کو نصاب کے پورا کرنے میں شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

ملحوظ رہے کہ آج کل بہت سے کاشت کار فصل اور پھل کے مکمل تیار ہونے اور کٹنے سے پہلے اس میں سے تھوڑی بہت توڑ توڑ کر استعمال کرتے رہتے ہیں، یا دوسروں کو استعمال کرنے کے لئے دیتے رہتے ہیں، گنے کی فصل میں اس طرح کا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بوقتِ ضرورت اس روایت پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استعمال بہت عام ہے، تو چونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک فصل کے تیار ہونے اور کاٹنے کے قابل ہونے سے پہلے اور امام محمد کے نزدیک باقاعدہ کاٹنے کے بعد صاف کرنے یہاں تک کہ بوریوں وغیرہ میں ڈالنے اور پیک کرنے سے پہلے عشر واجب نہیں ہوتا، اس لئے ان حضرات کے قول کے مطابق وجوبِ عشر سے پہلے ایسا کرنے پر عشر سے وہ مقدار مستثنیٰ ہوجاتی ہے، خاص طور پر امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق جو مقدار اپنے اوپر یا اپنے اہل وعیال کی ضرورت پر بقدرِ کفایت خرچ کی جائے، تو دفعِ حرج وغیرہ کی وجہ سے ان اقوال کے مطابق وجوبِ عشر کا حکم نہ لگانے کی گنجائش ہے، اور اگر سبزی وغیرہ میں یہ صورت پیش آئے، تو صاحبین کے نزدیک عام سبزیوں میں سرے سے عشر ہی واجب نہیں، کمامر۔ واللہ اعلم۔

وهـذا على قول أبي حنيفة -رحـمه الله -وروى عـن أبـي يوسف أن ما أكل، أو أطعم بالمعروف لا يـضــمـن عشـره لكن يعتد به في تكميل النصاب وهو الأوسق فإذا بلغ الكل نصابا أدى عشر ما بقي (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۶۴، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع والثمار، في وقت الوجوب)

في القدوري قال أبو حنيفة :مـا أكل من الثمرة، أو أطعم بثمن عشره، عند أبي يوسف أنه لا يضمن، ولكن بعشر ذلك في حق تكميل الأسوق.

وفـي المنتقى قال أبو يوسف :ليـس عـلـى الـرجل فيما أكل من ثمره ونخله عشر، وقال :أنظر إلى رجـل وعيـاله، وأترك له بقدر ما أظن أنه يكفيهم لأكلهم، وأحسبه لک لهم فيما أكلوا، وكأنه فعل ذلک دفعا للحرج، قال :وأخـذهم بالبغية، قال أبو حنيفة :آخـذهم لكل شيء منه، ولا أحسبه لهم مـما أكلوا شيئا، وقال محمد :مـا أكـل حسب عليه من تسعة أعشاره، فالروايات اتفقت أن ما يعدو الـكـفـاية لـه ولـعيـالـه يـحتسـب عـلـيـه مـن تسـعة أعشـاره، وإنما الخلاف في مقدار الكفاية، والله أعلم(المحيط البرهاني، ج ۲ ص ۳۳۴، كتاب العشر،الفصل الرابع في معرفة وقت وجوب العشر)

وقـال أبـو حـنيفة ما أكل من الثمرة أو أطعم غيره ضمن عشره وعن أبي يوسف أنه لا يضمن بقدر ما يـكـفيه وعياله لكنه يعتبر في تكميل الأوسق وما تلف أو ذهب منه بغير صنعه سقط عنه بقدره إلا إذا أخـذ مـن متلفه ضمان المتلف لأنه بدل مال مشترک اهـ (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، ج ۱، ص ۴۸، باب الزكاة و العشر)

وأجـمـعـوا عـلـى أن مـا تـلف أو سرق أو ذهب بغير صنعة لا غرم عليه في ذلک، وقال مالک :لو أتلفت الجائحة جميع الخارج فلا ضمان عليه.

وفي "المحيط "و "جوامع الفقه "والـمرغيناني لا يأكل شيئا من طعام العشر حتى يؤدي عشره، ولو أكل ضمن عشره، وعن أبي يوسف -رَحِمَهُ اللَّهُ -لا يضمن لكن يكيل به النصاب، وعنه يترک له ما يكفيه وعياله.

وفي "خزانة الأكمل :"لا يـجـب عـلـى صاحب الأرض ما أطعم عياله، وجيرانه وهداياه، وما بقي فـفيه العشر إن بلغ خمسة أوسق وفي "شـرح مختصر الكرخي "، وروى الـفضل بن غانم عن أبي يوسف -رَحِمَهُ اللَّهُ -أن مـا أكل وأطعم بالمعروف اعتد به في تكميل الأوسق لم يلزمه عشره، وعن محمد يعتبر ذلک من تسعة أعشاره (البناية شرح الهداية، ج۳، ص ۴۳۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع و الثمار، في احتساب أجرة العمال في زكاة ما تخرجه الأرض)

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی شخص پر یا کسی مسلمان پر عشر واجب ہوگیا، اور پھر وہ نعوذ باللہ مرتد و کافر ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا عشر ساقط ہوجاتا ہے، کیونکہ عشر عبادت ہے، اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۰...... غلہ کا عشر بھوسہ وغیرہ صاف ہونے کے بعد ادا کیا جائے گا، اور میوہ جات کا عشر خشک ہونے کے بعد ادا کیا جائے گا۔ [3]

---

[1] وعند مالک إذا هلكت الثمار والزروع قبل أن يدخلها بيته، سواء كان ذلک قبل حصاده وبعد وُقت الوجوب، أو بعد حصادها، فإنه لا شیء عليه فی هذا كله، إلا إذا بقی بعد الهلاک نصاب.

وإذا جمعه بعد حصاده فی مكان، وعزل منه العشر ليفرقه على المساكين فتلف فلا شیء عليه إذا لم يفرط فی حفظه.

وذهب الشافعی إلى اعتبار التفريط مقياسا، فإذا حصل الهلاک بعد أن حلت زكاة فمن فرط فی الحفظ أو فی تأخير الدفع يعامل بتفريطه، وما هلک من ماله يحسب عليه، وتلزمه زكاته، ومن لم يفرط :فإن هلک من ماله لا يحسب عليه فی الزكاة ولا تلزمه زكاته، كما لا يحسب عليه ما هلک من أمواله قبل الحول.

ولا يستقر الوجوب عند الحنابلة إلا بجعل الثمار فی الجرين، وبجعل الزرع فی البيدر، فإن تلفت قبل ذلک بغير تعد منه سقطت، ولا يحاسب على ما هلک؛ لأن الزكاة لم تستقر، فأشبه ما لو لم تتعلق به الزكاة ابتداء .

وإذا كان الهلاک بفعله أو بتفريطه ضمن حق الفقراء فيما هلک من الأموال، فيحاسب عليها ويخرج عنها زكاتها، سواء تلف الكل أم البعض.

أما إذا كان التلف لبعضها بدون تفريط، فالمذهب أنه إن كان التلف قبل الوجوب فلا شیء عليه فيما تلف وتلزمه الزكاة فی الباقی إذا كان نصابا، وإن كان بعد وقت الوجوب وجب فی الباقی بقدره مطلقا، سواء خرص أو لم يخرص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹ ص ۲۵۴، مادة "عاهة")

[2] وتسقط الزكاة عند الحنفية خلافا لغيرهم بالردة؛ لأن فی العشر معنى العبادة، والكافر ليس من أهل العبادة (الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحيلی، ج۳ص ۱۹۱۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[3] يؤخذ القدر الواجب من الغلة بعد التجفيف فی الثمار والتصفية فی الحبوب؛ لأنه أوان الكمال وحال الادخار، والمؤنة على الثمرة إلى حين الإخراج لازمة لرب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ تعالیٰ عشر کو صحیح صحیح ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے

اور کوتاہیوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المال، لأنه فی حق الغلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۸۹،مادة "زكاة")

الثالث ـ وقت إخراج الزكاة:

لا تؤخذ زكاة الحبوب إلا بعد التصفية، ولا زكاة الثمار إلا بعد الجفاف، بالاتفاق؛ لأنه أوان الكمال وحال الادخار، ومؤنة التصفية والحصاد والجفاف إلى حين الإخراج على المالك، ولا يحسب شيء منها من الزكاة بالاتفاق، لأن الثمرة كالماشية، ومؤنة الماشية وحفظها ورعيها والقيام عليها إلى حين الإخراج على صاحبها.

فإن أخذ الساعی الزكاة قبل التجفيف فقد أساء ، ويرده إن كان رطبا بحاله، وإن تلف رد مثله، وإن جففه وكان قدر الزكاة، فقد استوفى الواجب، وإن كان دونه أخذ الباقی، وإن كان زائدا رد الفضل.

وإن كان المخرج لها رب المال، لم يجزه، ولزمه إخراج الفضل بعد التجفيف؛ لأنه أخرج غير الفرض، فلم يجزه، كما لو أخرج الصغير من الماشية عن الكبار(الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحيلی، ج۳ص ۱۹۰۹،۱۹۱۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

(فصل نمبر۵)

زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے احکام

(کون سی زمین عشری، اور کون سی خراجی کہلاتی ہے؟)

عشر ہر طرح کی زمین کی پیداوار میں واجب نہیں ہوتا، بلکہ عشری زمین میں واجب ہوتا ہے، اور بعض زمینیں عشری کہلاتی ہیں، جبکہ بعض خراجی، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... شریعت کی نظر میں زمین کے واجبات دو قسم کے ہیں، ان میں سے ایک کو عشر کہا جاتا ہے، اور دوسرے کو خراج، اور ان دونوں کے احکام میں بھی فرق ہے۔

اور یہ فرق زمین کی حیثیت ونوعیت کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔

عشری زمین میں عشر تو دسواں یا بیسواں حصہ ہوتا ہے، اور خراج کی مقدار وہ ہوتی ہے، جو اسلامی حکومت کی طرف سے مقرر کردی گئی ہو، خواہ پیداوار کے تناسب سے (کہ مثلاً پیداوار کا پانچواں حصہ) مقرر کی گئی ہو، یا نقدی کی شکل میں (مثلاً اتنی زمین پر سالانہ اتنے روپے) مقرر کی گئی ہو، جس کی تفصیل خراج کے احکام میں آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زمین عشری

---

[1] نوعا الخراج :والخراج نوعان :خراج وظيفة، وخراج مقاسمة .
أما خراج الوظيفة :فهو الضريبة المفروضة على الأرض، سواء استغلها صاحبها أم تركها .وقد وظفه عمر رضى الله عنه، وكان فى كل جريب أرض بيضاء تصلح للزراعة قفيز مما يزرع فيها ودرهم.ومبنى هذا الخراج على الطاقة.
وأما خراج المقاسمة :فهو الضريبة المقطوعة من الناتج الزراعى، كأن يؤخذ نصف الخراج أو ثلثه أو ربعه، وقد فعله النبى -صلى الله عليه وسلم -لما فتح خيبر، ويكون ذلک فى الخراج كالعشر، إلا أنه يوضع موضع الخراج؛ لأنه خراج حقيقة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۰۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

ہو، اور جو زمین عشری نہ ہو، بلکہ خراجی ہو، اس زمین پر عشر واجب نہیں۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۳...... کیا یہ بات ممکن ہے کہ کسی زمین میں ایک ساتھ عشر اور خراج دونوں واجب یا جمع ہوں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بات ممکن ہے کہ کسی زمین میں ایک ساتھ عشر اور خراج دونوں واجب وجمع ہوں، مثلاً کوئی مسلمان اگر خراجی زمین کا مالک ہو جائے، تو اس پر عشر اور خراج دونوں واجب ہوتے ہیں۔ ؎۲

؎۱ ملحوظ رہے کہ زمین کے عشری ہونے کی شرط خراجی زمین کو خارج کرنے کے لئے ہے، ورنہ جس زمین پر عشری یا خراجی ہونے کا مخصوص حکم یا علم نہ ہو، تو مسلمان کو اس کی پیداوار پر عشر دینا واجب ہوگا، کیونکہ عشر کی زکاۃ کا وجوب فی نفسہٖ ہے، جو کہ خراج کے عارض سے ساقط ہوتا ہے، اور جب یہ عارض نہ پایا جائے؛ تو اس کا اصل حکم باقی رہتا ہے۔

پس دار الکفر میں جو مسلمان آباد ہیں؛ اور وہ کاشتکاری کرتے ہیں؛ اور ان زمینوں پر خراجی یا عشری ہونے کا کوئی حکم نہیں یا کسی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا علم نہیں، تو وہ بھی پیداوار کا عشر ادا کریں گے، کیونکہ مسلمان کی پیداوار کی اصل زکاۃ، عشر ہی ہے۔

ویحتمل أن یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فإن أرضها لیست أرض خراج أو عشر (ردالمحتار، ج۲ ص۳۲۰، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الرکاز)

قد صرحوا بأن فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والإجماع والمعقول وبأنہ زکاۃ الثمار والزروع وبأنہ یجب فی الأرض الغیر الخراجیۃ وأنہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال (ردالمحتار، ج۴ ص۱۷۸، کتاب الزکاۃ، باب العشر والخراج)

؎۲ اختلف الفقہاء فی ہذہ المسألۃ، فذہب جمہور الفقہاء من المالکیۃ والشافعیۃ والحنابلۃ إلی أن المسلم الذی یملک الأرض الخراجیۃ یطالب بالزکاۃ "العشر" والخراج معا إذا زرعہا أو انتفع بہا.

واستدلوا لاجتماع العشر والخراج، بقولہ تعالی :(یا أیہا الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض)فالآیۃ عامۃ فی کل أرض ینتفع بہا وتزرع سواء أکانت خراجیۃ، أو عشریۃ، کما استدلوا بعموم قولہ :فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر، وما سقی بالنضح نصف العشر. ولأن العشر والخراج حقان مختلفان ذاتا، وسببا، ومصرفا، ودلیلا :أما اختلافہما ذاتا فلأن العشر فیہ معنی العبادۃ، والخراج فیہ معنی العقوبۃ .وأما اختلافہما سببا فلأن العشر یجب فی الخارج من الأرض، والخراج یجب فی الأرض النامیۃ، سواء أکان النماء حقیقیا أم تقدیریا بأن یتمکن من الانتفاع بالأرض.

وأما اختلافہما مصرفا، فلأن مصرف العشر :الأصناف الثمانیۃ، المحدد فی آیۃ الصدقات، ومصرف الخراج :المصالح العامۃ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک یہ بات ممکن نہیں کہ کسی زمین میں ایک ساتھ عشر اور خراج دونوں واجب ہوں، جس کی تفصیل آگے مستقل مسئلہ کے ذیل میں آتی ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۴...... ہر وہ زمین جس کے مالکان خوشی سے اسلام قبول کرلیں، ان کی وہ زمین عشری کہلاتی ہے۔

اور عرب کی پوری زمین عشری کہلاتی ہے، چاہے اسے صلح کے طور پر فتح کیا گیا ہو، یا غلبہ پا کر فتح کیا گیا ہو، کیونکہ عرب کے لوگوں کو شرک پر باقی نہیں رکھا جاتا، اس لئے ان سے خراج قبول نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی بہت سی زمینوں کو غلبہ پا کر فتح کیا، اور ان پر عشر ہی کا حکم لگایا۔

اور وہ زمین جس کو مسلمان غلبہ پا کر فتح کریں، اور امیر المومنین اس زمین کو فاتحین میں تقسیم کردے، وہ بھی عشری کہلاتی ہے۔

اسی طرح جو سرکاری زمین مسلمان حکومت کی طرف سے کسی کو مالکانہ طریقہ پر دی جائے، اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما اختلافهما دليلا، فلأن دليل العشر :النص، ودليل الخراج الاجتهاد المبنى على مراعاة المصالح.

وإذا ثبت اختلافهما من هذه الوجوه فلا مانع من اجتماعهما، ووجوب أحدهما لا يمنع وجوب الآخر، كاجتماع الجزاء والقيمة عند قتل المحرم للصيد المملوک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۸، مادة " خراج")

[۱] وذهب الحنفية إلى عدم اجتماع العشر والخراج فى الأرض الخراجية التى يملكها مسلم، ولا يجب فى هذه الأرض سوى الخراج.

واستدلوا لذلک بما روى ابن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :لا يجتمع على المسلم خراج وعشر.

وبما روى طارق بن شهاب قال كتب إلى عمر بن الخطاب فى دهقانة نهر الملک -كورة واسعة من الأرض التى بنيت بها بغداد -أسلمت فكتب :أن ادفعوا إليها أرضها تؤدى عنها الخراج .

فأمر عمر رضى الله عنه بأخذ الخراج، ولم يأمر بأخذ العشر، ولو كان واجبا لأمر به.

ولأنه لم يأخذ أحد من أئمة العدل، وولاة الجور من أرض السواد عشرا؛ ولأن سبب وجوبهما واحد وهو الأرض النامية، فلا يجتمعان فى أرض واحدة كما لا يجتمع زكاتان فى مال واحد كزكاة السائمة والتجارة فى الحيوانات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۸،۸۹، مادة " خراج")

میں بھی عشر واجب ہے۔ [1]

---

[1] مجمع الفقہ الاسلامی، ہند کی اس سلسلہ میں قرارداد مندرجہ ذیل ہے:

فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

(۱)......وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلیا ہو۔

(۲)......کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا، اور مفتوحہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی ہوں۔

(۳)......جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو بطورِ جاگیر عطا کی گئی ہوں۔

(۴)......جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں جن کی فقہاء نے حد بندی کردی ہے۔

(۵)......مسلمانوں کی رہائشی زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابلِ کاشت بنایا ہو، اور ان کے قرب وجوار کی زمینیں بھی عشری ہوں (اہم فقہی فیصلے ص ۵۸، ۵۹، چھٹے فقہی سیمینار کے فیصلے، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

أرض العشر : كل أرض أسلم أهلها عليها، وهي من أرض العرب أو أرض العجم ، فهي لهم وهي أرض عشر .

وكذلك كل أرض العرب، سواء فتحت صلحا أو عنوة؛ لأن أهلها لا يقرون على الشرك، حتى لو دفعوا الجزية؛ ولأن النبي صلى الله عليه وسلم فتح كثيرا من أرض العرب عنوة، وأبقاها عشرية، وكذلك الأرض التي فتحها المسلمون، عنوة وقسمها الإمام بين الفاتحين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۱۱۹، ”مادة: ارض“)

يرى الحنفية أن أرض العرب كلها أرض عشر -أي زكوية -لا يؤخذ على شيء منها خراج؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يأخذ الخراج من أراضي العرب .قالوا :ولأنه -أي الخراج -بمنزلة الجزية، فلا يثبت في أراضيهم، كما لا تثبت في رقابهم؛ لأن من شرط الخراج أن يقر أهلها على الكفر، كما في سواد العراق، ومشركو العرب لا يقبل منهم إلا الإسلام أو السيف .وسواء أكانت الأرض في يد صاحبها مما كان معمورا في زمن النبي ﷺ أم كان مواتا وأحيي بعد ذلك.

وقال الإمام أبو يوسف في بيان ذلك :أرض العرب مخالفة لأرض الأعاجم، من قبل أن العرب إنما يقاتلون على الإسلام، لا تقبل منهم الجزية.

فإن عفا لهم الإمام عن بلادهم فهي أرض عشر.

ولا نعلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أحدا من أصحابه، أو الخلفاء بعده، أخذوا من عبدة الأوثان من العرب جزية، إنما هو الإسلام أو القتل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۱۳۳، ۱۳۴، ”مادة: ارض“)

أما العشرية :فهي التي يجب فيها العشر الذي فيه معنى العبادة، وتشمل ما يأتي:

أـ أرض العرب من العذيب (قرية من قرى الكوفة) إلى أقصى حدود اليمن وعدن؛ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين بعده لم يأخذوا من أرض العرب خراجا، فدل أنها عشرية.

ب ـ والأرض التي أسلم عليها أهلها طوعا؛ لأنها أرض إسلامية يناسبها ما في معنى العبادة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... جس بنجر زمین کو کسی مسلمان شخص نے حکومت کی اجازت سے آباد کرلیا، تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ زمین اگر عشری زمین کے ساتھ واقع ہو، تو وہ عشری کہلائے گی، اور خراجی زمین کے ساتھ واقع ہو، تو خراجی کہلائے گی، اور امام ابو یوسف کے قول کو ہی بعض حنفیہ نے مفتیٰ بہ، راجح اور مختار قرار دیا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جــ والأرض التي فتحت عنوة وقهرا، وقسمت بين الغانمين المسلمين؛ للعلة السابقة(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحيلی، ج۳ص ۱۹۰۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

قال أبو يوسف رحمه الله تعالى :فأما القطائع فما كان منها سيحا فعلى العشر وما سقى منها بالدلو والغرب والسانية فعلى نصف العشر لمؤنة الدالية والغرب والسانية (الخراج لابی یوسف، ج ۱ ص ۱۵، باب في قسمة الغنائم إذا أصيبت من العدو،فصل ما ينبغي أن يعمل به في السواد)

قال أبو يوسف :وذلك بمنزلة المال الذي لم يكن لأحد، ولا في يد وارث، فللإمام العادل أن يجيز منه ويعطي من كان له غناء في الإسلام،ونقل هذا ابن عابدين، وقال :هذا صريح في أن القطائع قد تكون من الموات، وقد تكون من بيت المال لمن هو من مصارفه، كما يعطى المال حيث رأى المصلحة، وأن المقطع يملك رقبة الأرض؛ ولذا يؤخذ منها العشر، لأنها بمنزلة الصدقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۲۵۸، مادة "بيت")

[۱] اور امام محمد کے نزدیک اگر اس زمین کو بارش یا کنویں یا غیر مملوکہ بڑی نہروں سے سیراب کیا جائے، تو وہ عشری کہلائے گی، اور اگر عجمی نہروں سے اس کو سیراب کیا جائے، تو وہ خراجی کہلائے گی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھیں، نہ قابلِ زراعت، بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابلِ زراعت بنالیا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا، اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا گیا، تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں، تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی، اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابلِ کاشت بنایا ہے، تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا، وہ عشری ہیں، تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا، اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں، تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا، اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں، تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک مدار اس پر ہوگا کہ جس پانی سے زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے، وہ پانی عشری ہے، تو زمینیں عشری کہلائیں گی، اور وہ پانی خراجی ہے، تو زمینیں خراجی قرار دی جائیں گی، اور علامہ شامی نے قول ابو یوسف کو معتمد قرار دیا ہے ''شامی، کتاب السیر ، باب العشر والخراج'' (اسلام کا نظامِ اراضی ص ۱۶۹، عشری اور خراجی زمینوں کی تحقیق، مطبوعہ: دارالاشاعت: کراچی، سنِ اشاعت: 1979ء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک عرب کی زمین دوقسموں پر مشتمل ہے، ایک وہ جو زمین حجاز میں داخل ہے، اور دوسری وہ جو حجاز کے علاوہ ہے، پس جو زمین حجاز کے علاوہ ہے، ان کے نزدیک اُس زمین کا دوسرے علاقوں کی زمین سے کوئی فرق نہیں۔

اوران حضرات کے نزدیک حجاز کے علاوہ دوسری زمینوں کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ اسلامی علاقوں کی زمین چار قسم کی ہے:

ایک وہ کہ جس کے مالکان اسلام لے آئیں، تو یہ زمین عشری ہے، اوراس زمین میں عشر واجب ہوا کرتا ہے۔

دوسری وہ بنجر زمین کہ جس کو مسلمان آباد کریں، تو یہ زمین بھی عشری ہے، اوراس زمین میں بھی عشر واجب ہوا کرتا ہے۔

تیسری وہ زمین جو غلبہ پاکر فتح کی جائے، اوراس کو امیر المومنین وقف نہ کرے، بلکہ فاتحین وغانمین میں تقسیم کردے، تو یہ زمین بھی عشری ہے، اوراس زمین میں بھی عشر واجب ہوا کرتا ہے۔

چوتھی وہ غیر مسلموں کی زمین کہ جن سے صلح کرلی جائے، اوران پر خراج لاگو کردیا جائے، تو یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما ماأحياه المسلم من الأرض الميتة بإذن الإمام عند الحنفية والمالكية، فقال أبو يوسف :إن كانت من حيز أرض العشر، فهي عشرية، وإن كانت من حيز أرض الخراج، فهي خراجية، والبصرة عنده عشرية، بإجماع الصحابة رضي الله عنهم.

وقال محمد :إن أحياها بماء السماء ، ببئر استنبطها، أو بماء الأنهار العظام التي لاتملك مثل دجلة والفرات، فهي عشرية .وإن شق لها نهرا من أنهار الأعاجم، فهي خراجية(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج۳ص ۱۹۰۱،۱۹۰۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

وقدمنا على الدر المنتقى أن المفتى به قول أبي يوسف إنه يعتبر القرب، وهو ما مشى عليه المصنف أولا كالكنز وغيره وقدمه في متن الملتقى، فأفاد ترجيحه على قول محمد .وقال ح :وهو المختار كما في الحموي على الكنز عن شرح قراحصاري، وعليه المتون واعتبار الماء قول محمد(رد المحتار، ج۴ص ۱۸۵، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية)

زمین خراجی کہلاتی ہے۔ [1]

جہاں تک حجاز کی زمین کا تعلق ہے، تو ان حضرات کے نزدیک بعض صورتوں میں اس پر عشر واجب ہوتا ہے، اور بعض صورتوں میں اس زمین کے ساتھ خمس وابستہ ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] أما الشافعية والحنابلة، فإن أرض العرب عندهم قسمان :الأول ما سوى الحجاز، والثانى الحجاز .فما سوى الحجاز لا فرق بينه وبين سائر البلاد .والقاعدة عندهم، أن أرض بلاد الإسلام أربعة أنواع:

١ ۔ ما أسلم أهله عليه، فيكون فيه العشر.

٢ ۔ ما أحياه المسلمون، فيكون فيه العشر كذلك.

٣ ۔ ما فتح عنوة، ولم يقفه الإمام، بل قسمه بين الغانمين، فيكون فيه العشر كذلك.

٤ ۔ ما صولح أهله عليه، فيوضع عليه خراج، وهو قسمان.

الأول :ما صولح أهله على زوال ملكهم عنه، فيكون خراجه أجرة، لا تسقط بإسلام أهله .فيؤخذ من المسلمين وأهل الذمة.

والثانى :ما صولح أهله على بقاء ملكهم عليه، فيكون خراجه جزية، تسقط بإسلامهم، فيؤخذ من أهل الذمة، ولا يؤخذ من المسلمين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ١٣٤ ، "مادة: ارض")

[2] أما أرض الحجاز فقد لخص الماوردى من الشافعية كلامهم فيها فقال :أرض الحجاز تنقسم لاختصاص رسول الله صلى الله عليه وسلم بفتحها قسمين : القسم الأول :صدقات رسول الله صلى الله عليه وسلم التى أخذها بحقيه، فإن أحد حقيه خمس الخمس من الفيء والغنائم، والحق الثانى أربعة أخماس الفيء الذى أفاءه الله على رسوله، مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب، فما صار إليه بواحد من هذين الحقين فقد رضخ منه لبعض أصحابه، وترك باقيه لنفقته وصلاته ومصالح المسلمين، حتى مات عنه صلى الله عليه وسلم فاختلف فى حكمه الناس بعد موته، فجعله قوم موروثا عنه، ومقسوما على المواريث ملكا، وجعله آخرون للإمام القائم مقامه، فى حماية البيضة وجهاد العدو .والذى عليه جمهور الفقهاء أنها صدقات محرمة الرقاب، مخصوصة المنافع، مصروفة الارتفاع فى وجوه المصالح العامة .ثم ذكر الماوردى صدقات النبى صلى الله عليه وسلم وحصرها فى ثمان.

القسم الثانى :سائر أرض الحجاز ما عدا ما ذكر، وهى أرض عشر لا خراج عليها؛ لأنها ما بين مغنوم ملك على أهله، أو متروك لمن أسلم عليه .وكلا الأمرين عشرى لا خراج عليه.

والقاضى أبو يعلى من الحنابلة، وافق الماوردى فى كل ما قاله إلا أنه ذكر رواية أخرى عن الإمام أحمد -وقدمها -فى أربعة أخماس الفيء ، أنها لكل المسلمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ١٣٥ ، مادة"ارض")

مسئلہ نمبر ۷..... جو زمین مسلمانوں نے فتح کی ہو، اور مسلمانوں کا امیر اس زمین کو سابقہ مالکوں کے پاس ہی رہنے دے، تو وہ زمین خراجی کہلاتی ہے۔ ۱

اور اسی طرح اگر مسلمانوں کا امیر جب غیر مسلموں کو کسی جگہ سے جلا وطن کر کے کسی اور جگہ منتقل کر دے، تو وہ غیر مسلموں کی مملوکہ پہلی جگہ والی زمین بھی خراجی کہلاتی ہے۔

اور اسی طرح اگر مسلم یا غیر مسلم کسی بنجر زمین کو آباد کرے، اور اس زمین کو خراجی پانی سے سیراب کیا جاتا ہو، وہ بھی خراجی زمین کہلاتی ہے۔

اور اگر غیر مسلم اپنے گھر کو باغ سے تبدیل کر دے، تو یہ زمین بھی خراجی کہلاتی ہے۔ ۲

---

۱ أرض الخراج :هی أرض العجم التی فتحها الإمام عنوة وتركها فی أيدی أهلها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۱۱۹، "مادة: ارض")

مجمع الفقہ الاسلامی، ہند کی اس سلسلہ میں قرارداد مندرجہ ذیل ہے:

درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

(۱)......مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔

(۲)......وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے صلح کر لی ہو، اور زمین انہیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

(۳)......مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں، اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

(۴)......جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کو دی گئی ہوں (اہم فقہی فیصلے، ص ۵۹، چھٹے فقہی سیمینار کے فیصلے، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

۲ البتہ حنابلہ کے نزدیک جو زمین غیر مسلموں پر غلبہ پا کر فتح کی جائے، اور وہ زمین بنجر ہو، اس کو مسلم آباد کرے، تو اس پر خراج نہیں ہوتا، جیسا کہ مصر اور شام اور عراق کی زمین۔

اور اگر مذکورہ بنجر زمین کو غیر مسلم آباد کرے، تو بالاتفاق وہ خراجی کہلاتی ہے۔

والأراضی الخراجية:

۱ ۔ سواد العراق كلها، وكل أرض فتحت عنوة وقهرا وتركت على أيدی أربابها، ومن عليهم الإمام، فإنه يضع الجزية على أعناقهم إذا لم يسلموا، والخراج على أراضيهم إذا أسلموا أو لم يسلموا .وهذا عند الحنفية.

۲ ۔ وكذلك إذا جلاهم الإمام ونقل إليها آخرين.

۳۔ والمسلم أو الذمی إذا أحيا أرضا ميتة، وهی تسقى بماء الخراج، والذمی إذا اتخذ داره بستانا

وقال الحنابلة :لا خراج على من أحيا موات الأرض المفتوحة عنوة، كأرض مصر والشام والعراق . أما إن أحياها ذمی فهی خراجية مطلقا بالاتفاق (الفقه الاسلامی و ادلته للزحيلی، ج۶، ص ۴۶۳۱،الباب الثانی،الفصل الثانی :المبحث الخامس،المطلب الثانی)

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کوئی عشری زمین مسلمان کی ملکیت ہو، تو اس زمین کا غیر مسلم کو فروخت کرنا اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ ۱

جہاں تک غیر مسلم کے اس زمین کو خریدنے کے بعد اس سے پیدا ہونے والی فصل یا پیداوار پر عشر یا خراج واجب ہونے نہ ہونے کا تعلق ہے، تو شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق نہ تو اس غیر مسلم شخص پر خراج واجب ہوگا، اور نہ ہی عشر واجب ہوگا۔ ۲

جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک وہ زمین خراجی بن جائے گی، اور اس پر خراج واجب ہوگا، عشر واجب نہیں ہوگا۔ ۳

---

۱ البتہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک مسلمان کو اپنی عشری زمین کا غیر مسلم کو فروخت کرنا مکروہ یا ممنوع ہے۔

انتقال الأرض العشرية إلى الذمي، وما يجب فيها:

ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة إلى جواز بيع الأرض العشرية من الذمي، إلا أن الحنابلة قالوا بالجواز مع الكراهة لإفضائه إلى إسقاط عشر الخارج منها.

واستدلوا لما ذهبوا إليه من جواز بيع الأرض العشرية للذمي؛ بأنها مال مملوك للمسلم كسائر أملاكه فلا يمنع من بيعه للذمي أو غيره.

وذهب مالک وأحمد فی رواية إلى منع المسلم من بيعها إلى الذمي؛ لأن بانتقالها إلى الذمي يسقط العشر فيتضرر الفقراء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

۲ وأما بالنسبة إلى الوظيفة المفروضة على أهل الذمة إذا تملكوا الأرض العشرية، فقد اختلف الفقهاء فيها على النحو التالي:

ذهب الشافعية والحنابلة فی الرواية الراجحة عندهم، والثوری، وشريک وأبو عبيد إلى أن الأرض لا تصير خراجية بمجرد انتقالها إلى الذمي ولا يفرض عليها عشر، ولا خراج لفقد موجبهما.

فالخراج يجب على الأرض التي خضعت للمسلمين بالغلبة، أو الصلح ولا يجب بالبيع ولا بمجرد انتقالها إلى ذمي.

والعشر يجب فی الخارج من الأرض العشرية على المسلم، ولا يجب على الذمي؛ لأن العشر عبادة، والذمي ليس من أهلها.

كما قاسوا هذه المسألة على مسألة انتقال الحيوانات السائمة إلى الذمي فكما تسقط زكاة السائمة بانتقالها إلى الذمي، يسقط العشر عن الأرض العشرية بانتقالها إلى الذمي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

۳ وذهب أبو حنيفة وزفر إلى أنها تصير خراجية، ويؤخذ من الذمي الذي انتقلت إليه الخراج لا العشر؛ لأن العشر فی معنى العبادة، والذمي ليس من أهلها فلا يجب عليه العشر كما لا تجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اور امام ابو یوسف کے نزدیک مذکورہ صورت میں دوہرا عشر یا دوعشر واجب ہوں گے، ایک اس زمین کے بنیادی طور پر عشری ہونے کی وجہ سے، دوسرے اس زمین کے غیر مسلم کی ملکیت میں داخل ہونے کی وجہ سے۔ [1]

اور امام محمد کے نزدیک مذکورہ صورت میں بنیادی طور پر عشری ہونے کی حیثیت سے ایک ہی عشر واجب ہوگا، نہ تو دوعشر واجب ہوں گے، اور نہ ہی خراج واجب ہوگا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیه الزكاة المعهودة، ولهذا لا تجب عليه ابتداء .وإذا تعذر إيجاب العشر وجب الخراج إذ لا بد من فرض وظيفة على الأرض فى دار الإسلام.

واختلفت الرواية عن أبى حنيفة فى وقت صيرورتها خراجية، ففى رواية تصير خراجية بالشراء . وفى رواية أخرى لا تصير خراجية ما لم يوضع عليها الخراج، وإنما يؤخذ الخراج إذا مضت من وقت الشراء مدة يمكنه أن يزرع فيها، سواء زرع أم لم يزرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

[1] وذهب مالك وأحمد فى رواية وأبو يوسف إلى أنها تعتبر خراجية ويؤخذ من الذمى العشر مضاعفا، كما فعل عمر رضى الله عنه مع نصارى تغلب .ولأن انتقالها إلى الذمى يؤدى إلى إسقاط العشر، وهذا يؤدى إلى الإضرار بالفقراء ، فإذا تعرض أهل الذمة لذلك ضوعف عليهم العشر كما لو اتجروا بأموالهم إلى غير بلدهم ضوعفت عليهم الزكاة فأخذ منهم نصف العشر .ويوضع المأخوذ منهم موضع الخراج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

[2] البتہ امام محمد کے نزدیک اس عشر کے مصرف میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت کے مطابق اس کا مصرف حقیقی عشر والا ہوتا ہے، یعنی اس کو صدقہ کے مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے، اور دوسری روایت کے مطابق اس کا مصرف خراج والا ہوتا ہے۔

وذهب محمد بن الحسن الشيبانى إلى أنها تبقى عشرية، ولا يؤخذ منهم سوى العشر، وذلك لأن الأصل أن كل أرض ابتدأت بضرب حق عليها لا يتبدل الحق بتبدل المالك، كالخراج، والجامع بينهما أن كل واحد منهما مئونة الأرض لا تعلق له بالمالك، حتى يجب فى أرض غير مملوكة، فلا يختلف باختلاف المالك.

واختلفت الرواية عن محمد بن الحسن فى موضع المأخوذ ومصرفه، فقيل :يوضع موضع الصدقة لأنه قدر الواجب لم يتغير عنده، فلم تتغير صفته أيضا.

وروى عنه أنه يوضع موضع الخراج، لأن مال الصدقة لا يؤخذ منه لكونه مالا مأخوذا من كافر، فيوضع موضع الخراج.

وذهب ابن أبى ليلى إلى وجوب العشر والخراج معا، فأما العشر فاستصحابا، وأما الخراج فغرم يلحقه بمصيرها إليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

مسئلہ نمبر ۹...... اگرکوئی زمین غیر مسلم کی ملکیت میں خراجی تھی، جس کو مسلمان نے خرید لیا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ زمین خراجی ہی رہتی ہے، عشری نہیں بنتی۔ ۱

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس طرح کی زمین سے پیدا ہونے والی فصل میں عشر اور خراج دونوں واجب ہوتے ہیں۔ ۲

---

۱ ولو اشترى مسلم من ذمى أرضا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية؛ لأن الأصل أن مؤنة الأرض لا تتغير بتبدل المالك إلا لضرورة وفى حق الذمى إذا اشترى من مسلم أرض عشر ضرورة؛ لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر فأما المسلم فمن أهل وجوب الخراج فى الجملة فلا ضرورة إلى التغيير بتبدل المالك (بدائع الصنائع، ج۲، ص۵۵، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

زكاة الأرض الخراجية :اختلف الفقهاء فى الأرض الخراجية إذا صارت ملكا لمسلم، هل تبقى وظيفتها الخراج فقط، أو يجتمع فيها العشر والخراج أو يبدل خراجها بعشر؟

قال الحنفية:إن كانت الأرض خراجية يجب فيها الخراج، ولا يجب فى الخارج منها العشر، فالعشر والخراج لا يجتمعان فى أرض واحدة(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص۱۹۰۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

۲ وقال الأئمة الثلاثة:يجتمع فى الخارج من أرض الخراج العشر والخراج.

الأدلة:

استدل الحنفية بما يأتى:

أ ـ ما روى عن ابن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :لا يجتمع عشر وخراج فى أرض مسلم .

ب ـ لم يأخذ أحد من أئمة العدل وولاة الجور من أرض سواد العراق عشرا، فالقول بوجوب العشر مع الخراج يخالف الإجماع، فيكون باطلا.

جـ ـ إن سبب كل من الخراج والعشر واحد، وهو الأرض النامية، فلا يجتمعان فى أرض واحدة، كما لا يجتمع زكاتان فى مال واحد، وهى زكاة السائمة والتجارة.

واستدل الجمهور بما يأتى:

أ ـ بعموم الآيات والأحاديث المتقدمة التى ذكرتها فى فرضية زكاة الأرض، والتى تدل على الوجوب، سواء أكانت الأرض خراجية أم عشرية.

ب ـ بأن الخراج والعشر حقان مختلفان ذاتا ومحلا وسببا ومصرفا ودليلا، أما اختلافهما ذاتا فلأن العشر فيه معنى العبادة، والخراج فيه معنى العقوبة، وأما اختلافهما محلا فلأن العشر يجب فى الخارج، والخراج يتعلق بالذمة .أما اختلافهما سببا فلأن سبب العشر نفس الخارج، فلا يجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰ ...... اگر کوئی عشری زمین مسلمان کی ملکیت میں تھی، جسے اس نے غیر مسلم کو فروخت کردیا، پھر اسے کسی مسلمان نے شفعہ کی بنیاد پر خرید لیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر عشر واجب ہوتا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بدونه، وسبب الخراج :الأرض النامية أى الصالحة للزراعة، بدليل وجوبه وإن لم تزرع الأرض.وأما اختلافهما مصرفا :فلأن مصرف العشر الفقراء ، ومصرف الخراج المصالح العامة أو المقاتلة .وأما اختلافهما دليلا، فلأن دليل العشر النص، ودليل الخراج الاجتهاد المبنى على مراعاة المصالح.

وإذا ثبت اختلافهما من هذه الوجوه، فلا مانع من اجتماعهما، فوجوب أحدهما لا يمنع وجوب الآخر، كاجتماع الجزاء والقيمة فى الصيد الحرمي المملوك.

والراجح هو رأى الجمهور بسبب ضعف حديث الحنفية، ولأن الخراج واجب اجتهادى لتقوية جماعة المسلمين وسد الحاجات العامة، وأن العشر واجب دينى على المسلمين، فلا تنافى بينهما .

وليس فى الخراج معنى العقوبة، إذ لو كان عقوبة لما وجب على المسلم كالجزية.

وصرح الحنفية كابن عابدين (رد المحتار ۲/۶۷) وغيره بأن الأراضى الخراجية فى مصر والشام، حيث صارت لبيت المال سقط عنها الخراج، لعدم من يجب عليه، والمأخوذ منها الآن أجرة لا خراج، ويصير العشر هو الواجب فيها(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۰۴ الیٰ ۱۹۰۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

ل اوراسی طریقہ سے اگر مندرجہ بالا صورت میں کسی مسلمان نے عشری زمین کسی غیر مسلم کو بیع فاسد کے طور پر فروخت کی، جس کے فاسد ہونے کی بناء پر بائع نے اس کو دوبارہ واپس لے لیا، تو بھی وہ عشری زمین کہلائے گی۔

ولو باع المسلم من ذمى أرضا عشرية فأخذها مسلم بالشفعة ففيها العشر؛ لأن الصفقة تحولت إلى الشفيع كأنه باعها منه فكان انتقالا من مسلم إلى مسلم.

وكذلك لو كان البيع فاسدا فاستردها البائع منه لفساد البيع عادت إلى العشر؛ لأن البيع الفاسد إذا فسخ يرتفع من الأصل ويصير كأن لم يكن فيرتفع بأحكامه ولو وجد المشترى بها عيبا فعلى رواية السير الكبير ليس له أن يردها بالعيب؛ لأنها صارت خراجية بنفس الشراء فحدث فيها عيب زائد فى يده وهو وضع الخراج عليها فمنع الرد بالعيب لكنه يرجع بحصة العيب.

وعلى الرواية الأخرى له أن يردها ما لم يوضع عليها الخراج لعدم حدوث العيب فإن ردها برضا البائع لا تعود عشرية بل هى خراجية على حالها عند أبى حنيفة؛ لأن الرد برضا البائع بمنزلة بيع جديد، والأرض إذا صارت خراجية لا تنقلب عشرية بتبدل المالك (بدائع الصنائع، ج۲، ص۵۶، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

مسئلہ نمبر ۱۱...... وہ علاقے جن میں کبھی مسلمانوں کی حکومت نہیں رہی، اور نہ مسلمان حکمرانوں کی طرف سے ان زمینوں کے بارے میں کوئی عشری یا خراجی ہونے کا باضابطہ فیصلہ کیا گیا؛ جیسا کہ اصلی دارُالکفر (اور یورپ کے اکثر ممالک) تو حنفیہ کے نزدیک وہاں کے مسلمان بھی اپنی پیداوار پر عشر ادا کریں گے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... ہندوستان و پاکستان میں جو زمینیں اِس وقت مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں، اوران کے پاس مسلمانوں سے ہی وراثت یا خریدنے کے ذریعہ سے پہنچی ہیں، وہ زمینیں عشری ہیں۔

اور جس زمین کا درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ عشری نہیں۔

اور جس کا کچھ حال معلوم نہ ہو، اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہو، تو اس کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا، کہ وہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے، اور اس کو عشری زمین قرار دیا جائے گا۔

اور اسی وجہ سے اہلِ علم حضرات نے ہندستان و پاکستان کی بیشتر زمینوں کو عشری قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ جن زمینوں کا خراجی ہونا، کسی خاص دلیل سے ثابت نہ ہو، ان کو عشری ہی سمجھنا چاہئے، اور جو زمینیں پاکستان بننے کے بعد آباد ہوئیں، وہ بھی عشری ہیں (امداد الفتاویٰ ج ۲

---

[1] مجمع الفقہ الاسلامی، ہند کی اس سلسلہ میں قرارداد مندرجہ ذیل ہے:
اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے، اور یہ زکاۃ ہی کی ایک قسم ہے، اس لئے مسلمانوں کے حق میں اصل ''عشر'' ہے، اور چونکہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لئے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو، وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے (اہم فقہی فیصلے، ص ۵۹، ۶۰، چھٹے فقہی سیمینار کے فیصلے، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

قد صرحوا بأن فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والإجماع والمعقول وبأنه زكاة الثمار والزروع وبأنه يجب فى الأرض الغير الخراجية وأنه يجب فيما ليس بعشرى ولا خراجى كالمفاوز والجبال (ردالمحتار، ج۲ص ۱۷۸، كتاب الزكاة، باب العشر والخراج)

ص ۵۹، عزیز الفتاویٰ ص ۳۵۶ وجواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۷۶، وفتاویٰ عثمانی، ج ۲، ص ۱۲۷ و ۱۳۰، کتاب الزکاۃ، فصل فی العشر والخراج) ۱؎

مسئلہ نمبر ۱۳۱...... پاکستان میں جو زمین کسی غیر مسلم کی ملکیت میں ہے، اسی طرح جس زمین کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو، کہ کسی دور میں کوئی کافر اس کا مالک رہا ہے، پھر اس سے مسلمان نے خریدی ہے، تو یہ دو قسم کی زمینیں خراجی ہیں، باقی سب زمینیں عشری ہیں۔ ۲؎

۱؎ مجمع الفقہ الاسلامی، ہند کی اس سلسلہ میں قرارداد مندرجہ ذیل ہے:

عشر کے سلسلے میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سیمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

(۱)...... ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ نہ ان میں عشر واجب ہے، نہ خراج، درست نہیں ہے۔

(۲)...... ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

(الف) مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اَب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ب) جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بہ خوشی مسلمان ہوگئے ہوں، اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ج) جو زمینیں عرصہ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں، اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

جو مزروعہ یا افتادہ زمینیں حکومتِ ہند سے مسلمانوں کو حاصل ہوں، اس صورت کو بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

(۳)...... جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاءِ سیمینار کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان کی تمام زمینیں عشری ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے۔

تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے (اہم فقہی فیصلے، ص ۶۰، چھٹے فقہی سیمینار کے فیصلے، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

۲؎ پاکستان کی عشری وخراجی زمینوں کا خلاصہ تو اوپر لکھ دیا گیا ہے، طالبین کے لئے مزید تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... غیر مسلموں کی وہ متروکہ زمینیں جو حکومتِ پاکستان نے مسلم مہاجرین میں تقسیم کیں، وہ سب عشری زمینیں ہیں، پاکستان بننے سے پہلے خواہ ان کی کچھ بھی حیثیت ہو۔

(۲)...... اسی طرح وہ زمینیں جو پاکستان قائم ہونے سے پہلے غیر آباد تھیں، کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں، پھر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۴۱...... ہندستان و پاکستان کی جو غیر مملوک اور سرکاری زمینیں بنجر تھیں، اور وہ انگریزوں کے زیرِ تسلّط ہونے کی حالت میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو دی گئیں، اور مسلمانوں نے ان کو آباد کیا، ایسی زمینوں پر عشر واجب ہوگا (فتاویٰ عثمانی، ج ۲، ص ۱۲۷، کتاب الزکاۃ، فصل فی العشر والخراج) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

انگریزی حکومت نے ان میں آب رسانی کے ذرائع مہیا کر کے لوگوں میں مالکانہ طور پر تقسیم کیں (مثلاً فیصل آباد، سرگودھا کے علاقہ کی، دریائے چناب، جہلم، اور سندھ کی نہری زمینیں) ان میں جو زمینیں مسلمانوں کو حسبِ شرائطِ مجوزہ مالکانہ طور پر حاصل ہوئیں، وہ (بوجہ دوسری زمینوں کے عشری ہونے کے) عشری ہیں (وھٰذا عندالامام ابی یوسف وھوالمفتیٰ بہ) اور جو غیر مسلموں کو حاصل ہوئیں، وہ خراجی ہیں۔

(۳)......اسی طرح جن زمینوں کو حکومتِ پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیا، اور مسلمانوں میں بقیمت یا بلا قیمت تقسیم کیا، جیسے پنجاب میں تھل کا علاقہ اور سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ؛ اور اندرون سندھ کا جدید آباد کردہ علاقہ، ان سب زمینوں پر چونکہ ابتدائی ملکیت مسلمانوں کی ہوئی، اس لئے یہ بھی عشری کہلائیں گی، بشرطیکہ ان کی آب پاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو، جو قدرتی طور پر جاری ہیں، کسی حکومت کے بنائے ہوئے نہیں۔

(۴)......وہ زمینیں جو پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کی مِلکیت میں تھیں، اور کئی نسلوں سے مسلمانوں کے اندر وراثت در وراثت منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں، اور کسی غیر مسلم مالک سے ان کے خریدنے کا کوئی ثبوت نہیں، وہ زمینیں بھی عشری ہیں۔

(۵)...... پاکستان کی جو زمینیں غیر مسلموں کی مِلک میں ہیں، یہ خراجی ہیں۔

(۶)......جو زمینیں اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں، لیکن یقین سے معلوم ہے کہ یہ زمینیں پہلے کسی کافر کی ملکیت میں تھیں، اس سے مسلمانوں نے خریدی ہیں، وہ زمینیں خراجی ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۵۸ تا ۲۶۵؛ واسلام کا نظامِ اراضی ص ۱۷۲ تا ۱۷۸؛ واسلام کا مالیاتی نظام، صفحہ ۷۸ تا صفحہ ۸۰، مصنفہ: مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، مطبوعہ: کتب خانی جمیلی، لاہور)

[1] مندرجہ بالا حکم امام ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے، جو کہ بعض مشائخِ حنفیہ کی تصریح کے مطابق مفتیٰ بہ، راجح اور مختار ہے۔

المسلم إذا أحيا الأراضي الميتة بإذن الإمام وهي من توابع الأراضي العشرية، أو تسقى بماء العشر، وهو ماء السماء وماء العيون المستنبط من الأراضي العشرية(الفقه الاسلامي و ادلته للزحيلي، ج ٦، ص ٤٦٣٠، الباب الثاني، الفصل الثاني :المبحث الخامس، المطلب الثاني)

وقدمنا على الدر المنتقى أن المفتى به قول أبي يوسف إنه يعتبر القرب، وهو ما مشى عليه المصنف أولا كالكنز وغيره وقدمه في متن الملتقى، فأفاد ترجيحه على قول محمد .وقال ح :وهو المختار كما في الحموي على الكنز عن شرح قراحصاري، وعليه المتون واعتبار الماء قول محمد(رد المحتار، ج ٤ ص ١٨٥، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية)

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر کوئی زمین ایسی ہو کہ جس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہو، اور پھر کوئی ایسی زمین کو تجارت کی نیت سے خریدے، دراں حالیکہ اس کی پیداوار پر عشر کا بھی حکم عائد ہورہا ہے، تو کیا وہ تجارت کے مال میں داخل ہوگی، یا وہ زمین عشری ہی کہلائے گی، اور اس میں زکاۃ کے بجائے اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا؟

اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ زمین تجارت کے مال میں شامل ہوجائے گی۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک وہ زمین عشری ہی کہلائے گی، اور اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، زکاۃ واجب نہیں ہوگی، اور اس بات پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ ایسی زمین پر زکاۃ اور پیداوار پر عشر دونوں اکٹھے واجب نہ ہوں گے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... رہائش گاہ کے صحن یا باغیچہ وغیرہ میں کاشت کاری کی، یا درخت لگائے گئے،

---

[1] ج -الأراضی الزراعية التی للتجارة وما يخرج منها:
ذهب الحنفية إلى أنه تجب الزكاة فی الخارج من الأرض الزراعية من ثمر أو زرع، ولا يجب الزكاة فی قيمة الأرض العشرية ولو كانت للتجارة، وهذا إن كان قد زرع الأرض العشرية فعلا ووجب فيها العشر، لئلا يجتمع حقان لله تعالى فی مال واحد .فإن لم يزرعها تجب زكاة التجارة فيها لعدم وجوب العشر، فلم يوجد المانع، بخلاف الخراج الموظف فإنه يجب فيها ولو عطلت أی لأنه كالأجرة.
أما عند المالكية والشافعية والحنابلة فيجب زكاة رقبة الأرض كسائر عروض التجارة بكل حال.
ثم اختلف الجمهور فی كيفية تزكية الغلة.
فمذهب المالكية أن الناتج من الأرض الزراعية التی للتجارة لا زكاة فی قيمته فی عامه اتفاقا إن كانت قد وجبت فيه زكاة النبات، فإن لم تكن فيه لنقصه عن نصاب الزرع أو الثمر، تجب فيه زكاة التجارة، وكذا فی عامه الثانی وما بعده.
وقال الشافعية على الأصح عندهم والقاضی من الحنابلة :يزكی الجميع زكاة القيمة، لأنه كله مال تجارة، فتجب فيه زكاة التجارة، كالسائمة المعدة للتجارة .قال الشافعية :ويزكی التبن أيضا والأغصان والأوراق وغيرها إن كان لها قيمة، كسائر مال التجارة.
وذهب الحنابلة وأبو ثور إلى أنه يجتمع فی العشرية العشر وزكاة التجارة، لأن زكاة التجارة فی القيمة، والعشر فی الخارج، فلم يجتمعا فی شیء واحد، ولأن زكاة العشر فی الغلة أحظ للفقراء من زكاة التجارة فإنها ربع العشر، ومن هنا فارقت عندهم زكاة السائمة المتجر بها، فإن زكاة السوم أقل من زكاة التجارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۷۱، مادة "زكاة")

تو اس سے حاصل ہونے والی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جگہ رہائش گاہ کے تابع ہے، اور رہائش گاہ پر عشر نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر کسی نے اپنے عشری زمین میں واقع رہائشی مکان کو مسمار کر کے مستقل باغ سے تبدیل کر دیا، تو اس باغ میں آنے والے پھلوں پر بھی عشر واجب ہوگا۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] (قوله :جعلت بستانا) هو أرض يحوط عليها حائط وفيها أشجار متفرقة كذا فى المعراج قيد بجعلها بستانا؛ لأنه لو لم يجعلها بستانا وفيها نخل تغل أكرارا لا شيء فيها بحر، وكذلك ثمر بستان الدار؛ لأنه تابع لها(رد المحتار، ج۲ص ۳۳۰، كتاب الزكاة، باب العشر)

(قوله :ولا شيء فى دار) ؛ لأن عمر -رضى الله تعالى عنه -جعل المساكن عفوا وعليه إجماع الصحابة ولأنها لا تستمنى(رد المحتار، ج۲ص ۳۳۱، كتاب الزكاة، باب العشر)

[2] والأراضى العشرية خمسة أنواع:

۱ . أرض العرب. ۲ . كل أرض أسلم أهلها عليها طوعا. ۳. الأراضى التى فتحت عنوة وقهرا وقسمت بين الغانمين. ۴. المسلم إذا اتخذ داره بستانا أو كرما(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۶ص ۴۶۳۰، القسم الرابع، الباب الثانى، الفصل الثانى، المبحث الخامس، المطلب الثانى)

المسلم إذا جعل داره بستانا، أو أحيا أرضا ميتة فهى أرض عشرية(المبسوط للسرخسى، ج۳ص۷، كتاب الزكاة، باب عشر الارضين)

د ـ دار المسلم إذا اتخذها بستانا، وكان يسقى بماء العشر، فإن كان يسقى بماء الخراج فهو خراجى(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۰۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

(فصل نمبر ۶)

وجوبِ عشر کے لئے ملکیت کے احکام

(وجوبِ عشر کے لئے زمین یا پیداوار کی ملکیت سے متعلق احکام)

حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ پیداوار کا مالک مسلمان ہو، غیر مسلم پر ابتداءً عشر واجب نہیں۔ [۱]

البتہ حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے عاقل، بالغ ہونا شرط نہیں، بلکہ نابالغ بچہ اور مجنون پر بھی عشر واجب ہے۔ [۲]

---

[۱] شرط الأهلية فنوعان:
أحدهما الإسلام وأنه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على مسلم بلا خلاف؛ لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه (بدائع الصنائع، ج۲، ص۵۴، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

[۲] وأما العقل والبلوغ فليسا من شرائط أهلية وجوب العشر حتى يجب العشر في أرض الصبي والمجنون لعموم قول النبي -صلى الله عليه وسلم -ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب، أو دالية ففيه نصف العشر ؛ ولأن العشر مؤنة الأرض كالخراج (بدائع الصنائع، ج۲، ص۵۶، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

أن الشرط ملك الخارج؛ لأنه يجب فيه لا في الأرض حتى وجب في الخارج من أرض الصغير والمجنون، والمكاتب، والوقف ولأن سببه الأرض النامية بالخارج تحقيقا (ردالمحتار، ج۲ص ۳۲۶، كتاب الزكاة ، باب العشر)

وبأنه زكاة الثمار والزروع وبأنه يجب في الأرض الغير الخراجية، وبأنه يجب فيما ليس بعشري ولا خراجي كالمفاوز والجبال، وبأن سبب وجوبه الأرض النامية بالخارج حقيقة، بأنه يجب في أرض الصبي والمجنون والمكاتب لأنه مؤنة الأرض، وبأن الملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج، فيجب في الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى -(أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض)وقوله تعالى -(وآتوا حقه يوم حصاده)وقوله -صلى الله عليه وسلم -ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض، فكان ملك الأرض وعدمه سواء كما في البدائع (ردالمحتار، ج۴ص۱۷۸، كتاب الجهاد ، باب العشر والخراج والجزية)

اور حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے زمین کا کسی کی ملکیت یعنی مملوکہ ہونا شرط نہیں، اسی وجہ سے بعض صورتوں میں مملوکہ زمین کے علاوہ دوسری زمین پر بھی عشر واجب ہوجاتا ہے۔ [1]

لیکن شافعیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عشر واجب ہونے والا مال کسی متعین مالک کی ملکیت ہو، اور اسی وجہ سے ان کے نزدیک وقف شدہ اور اسی طرح جنگل کی مباح اشیاء پر عشر واجب نہیں۔ [2]

اور اسی طرح حنابلہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عشر واجب ہونے والی چیز عشر واجب ہونے کے وقت آزاد مسلمان کی ملکیت ہو۔ [3]

---

[1] وكذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى (يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض) وقوله عز وجل (وآتوا حقه يوم حصاده) وقول النبي -صلى الله عليه وسلم -ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب، أو دالية ففيه نصف العشر ؛ ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة. ويجب في أرض المأذون والمكاتب لما قلنا.(بدائع الصنائع، ج۲، ص۵۷، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

[2] واشترط الشافعية ثلاثة شروط: ۱. أن يكون الناتج الذي تخرجه الأرض مما يقتات ويدخر وينبته الآدميون :فمن الحب :الحنطة والشعير والدخن والذرة والأرز والعدس والحمص وما أشبه ذلك، ومن الثمار :التمر والزبيب .ولا زكاة في الخضروات والبقول والفواكه كالقثاء والبطيخ والرمان والقصب .والزكاة على الحبوب بعد تصفيتها من القش والتبن.

۲. أن يكون الناتج نصابا كاملا، وهو خمسة أوسق وهي ألف وست مئة رطل بغدادية، وبالدمشقي في الأصح ثلاث مئة واثنان وأربعون رطلا وستة أسباع رطل، وهي تساوي 653 كغ.

۳. أن يكون مملوكا لمالك معين :فلا زكاة في الموقوف على المساجد على الصحيح، إذ ليس لها مالك معين، ولا زكاة في نخيل الصحراء المباح إذ ليس له مالك معين(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۸۲،۱۸۸۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[3] واشترط الحنابلة شروطا ثلاثة :

۱. أن يكون الناتج قابلا للادخار والبقاء مما يجمع هذه الأوصاف :الكيل والبقاء واليبس في الحبوب والثمار، مما ينبته الآدميون إذا نبت في أرضه، سواء أكان قوتا كالحبوب، أم من القطنيات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تمہید کے بعد اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبرا...... عشری زمین اگر مزارعت (یعنی بٹائی) پر دی جائے (جس میں زمیندار اورکاشت کار دونوں کا پیداوار میں حصہ ہوتا ہے) تو اس صورت میں صاحبین (یعنی امام ابوحنیفہ کے شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد) اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک زمیندار اور کاشت کار دونوں فریق پر اپنے اپنے حصہ کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے، اور اگر ایک فریق مسلمان ہو، دوسرا غیر مسلم، تو صرف مسلمان پر اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوتا ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں اسی وقت عشر واجب ہوگا، جبکہ ہر ایک فریق کے حصہ میں عشر کے نصاب کے بقدر پیداوار آئے گی، اور اگر کسی ایک فریق کے حصہ میں نصاب کے بقدر پیداوار آئے، تو صرف اسی پر عشر واجب ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كالعدس والحمص والباقلا (الفول)، أم من المقبلات كالكمون والكراويا وحب القثاء وحب الخيار، أم من حب البقول كحب الفجل والقرطم والترمس والسمسم، وسائر الحبوب.
وتجب أيضا فى الثمار مما جمع هذه الأوصاف كالتمر والزبيب واللوز والفستق والبندق.
ولا زكاة فى الفواكه كالخوخ والدراق والكمثرى والتفاح، ولا فى الخضر، كالقثاء والخيار والباذنجان واللفت والجزر.
۲. أن يبلغ الناتج نصابا وهو خمسة أوسق بعد التصفية فى الحبوب والجفاف فى الثمار، وهى (۱۴۲۸ و۴/۷)رطلا مصريا أو (۵۰ كيلة)أو۴ أرادب، والأردب المصرى ۱۲۸ التر ماء ، أو۹۶ قدحا.
۳. أن يكون النصاب مملوكا للحر المسلم وقت وجوب الزكاة فيه :وهو وقت اشتداد الحب وبدو صلاح الثمر، فتجب الزكاة فيما نبت بنفسه مما يزرعه الآدمى، كمن سقط له حب فى أرضه، فنبت؛ لأنه يملكه وقت الوجوب، وفعل الزرع ليس شرطا، ولا زكاة فيما يكتسبه اللقاط، أو يوهب له بعد بدو صلاحه، أو يشتريه ونحوه بعد ذلک، أو يأخذه الحصاد ونحوه أجرة لحصاده ودياسه ونحوه، كأجرة تصفيته أو نطارته، ولا فيما يملک من زرع وثمرة بعد بدو صلاحه بشراء أو إرث أو غيرهما كصداق وعوض خلع وإجارة وعوض صلح؛ لأنه لم يكن مالكا له وقت الوجوب .ولا زكاة فيما يجتنيه من مباح، سواء نبت فى أرضه أو أخذه من موات؛ لأنه لا يملک إلا بأخذه، فلم يكن وقت الوجوب فى ملكه(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] اگر مزارعین میں دینداری نہ ہونے کی وجہ سے ان کے خود سے عشر ادا کرنے کی امید نہ ہو تو زمیندار کو چاہیئے کہ مشترک پیداوار سے عشر نکالنے کے بعد مزارع کو اس کا حصہ تقسیم وسپرد کرے (کذا فی احسن الفتاویٰ ج۴ص ۳۶۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر عشری زمین ٹھیکہ یعنی کرائے پر دی جائے، تو اس صورت میں اس زمین کے اندر پیدا ہونے والی فصل کا عشر زمین کے مالک کے ذمہ ہوگا، یا ٹھیکے یعنی کرائے پر لینے والے کے ذمہ؟

تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر زمین کے مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر کے لئے نصاب مقرر نہیں، اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق زمین کے مالک پر ہی عشر واجب ہے، مگر حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ زمیندار اور کاشت کار دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عشر واجب ہے۔

ج -الأرض التی تستغل بالمزارعة أو المساقاة:

ذهب الحنابلة والصاحبان من الحنفية إلى أن العشر فی هاتين الحالتين على كل من المالک والعامل كل بحسب نصيبه من الغلة إن بلغ نصيبه نصابا، ومن كان نصيبه منهما أقل من نصاب فلا عشر عليه، ما لم يكن له من أرض غيرها ما يكمل به النصاب .

وهذا عند الحنابلة على الرواية التی لا تجعل الخلطة مؤثرة فی زكاة الزروع.

أما على الرواية التی تجعل الخلطة مؤثرة فيها، فإذا بلغت غلة الأرض خمسة أوسق يكون فيها الزكاة فيؤخذ من كل من الشريكين عشر نصيبه، ما لم يكن أحدهما ممن لا عشر عليه، كالذمی.

وعند أبی حنيفة العشر فی المزارعة على رب الأرض؛ لأن المزارعة عنده فاسدة، فالخارج منها له، تحقيقا أو تقديرا .

ويرى المالكية أنه يجب إخراج زكاة الحائط (البستان) المساقى عليه من جملة الثمرة إن بلغت نصابا، أو كان لرب الحائط ما إن ضمه إليها بلغت نصابا، ثم يقتسمان ما بقی، ولا بأس أن تشترط الزكاة فی حظ رب الحائط أو العامل؛ لأنه يرجع إلى جزء معلوم ساقاه عليه فإن لم يشترطا شيئا فشأن الزكاة أن يبدأ بها ثم يقتسمان ما بقی.

وقال اللخمی نقلا عن مالک :إن المساقاة تزكى على ملک رب الحائط فيجب ضمها إلى ماله من ثمر غيرها، ويزكى جميعها ولو كان العامل ممن لا تجب عليه، وتسقط إن كان رب الحائط ممن لا تجب عليه والعامل ممن تجب عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۸۵،مادة زكاة)

والحاصل أن العشر عند الإمام على رب الأرض مطلقا وعندهما كذلک لو البذر منه ولو من العامل فعليهما وبه ظهر أن ما ذكره الشارح هو قولهما اقتصر عليه لما علمت من أن الفتوى على قولهما بصحة المزارعة فافهم، لكن ما ذكر من التفصيل يخالفه ما فی البحر والمجتبى والمعراج والسراج والحقائق الظهيرية وغيرها من أن العشر على رب الأرض عنده عليهما عندهما من غير ذكر التفصيل وهو الظاهر لما فی البدائع من أن المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب فی الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما اهـ (رد المحتار، ج۲، ص۳۳۵، كتاب الزكاة، فروع فی زكاة العشر)

جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک عشر زمین کو کرائے پر لینے، اور اس میں کاشت کرنے والے یعنی کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے۔

اور آج کل کئی حضرات کا فتویٰ اس پر ہے کہ موجودہ حالات میں عشر کرائے دار کے ذمہ ہے، کیونکہ پیداوار اسی کے پاس آتی ہے، یہی قابلِ عمل اور قابلِ ترجیح بات ہے (ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ، جلد۲ صفحہ۶۰، اسلام کا نظامِ اراضی، صفحہ۱۸۹، احسن الفتاویٰ، جلد۴، صفحہ۳۴۷) [1]

---

[1] والعشر على المؤجر كخراج موظف وقالا على المستأجر كمستعير مسلم :وفي الحاوى وبقولهما نأخذ(الدرالمختار)

(قوله وبقولهما نأخذ) قلت :لكن أفتى بقول الإمام جماعة من المتأخرين كالخير الرملي في فتاواه وكذا تلميذ الشارح الشيخ إسماعيل الحائك مفتي دمشق وقال حتى تفسد الإجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستأجر كما في الأشباه، وكذا حامد أفندى العمادى وقال في فتاواه قلت :عبارة الحاوى القدسي لا تعارض عبارة غيره فإن قاضي خان من أهل الترجيح فإن من عادته تقديم الأظهر والأشهر وقد قدم قول الإمام فكان هو المعتمد وأفتى به غير واحد منهم زكريا أفندى شيخ الإسلام وعطاء الله أفندى شيخ الإسلام، وقد اقتصر عليه في الإسعاف والخصاف .اهـ.

قلت :لكن في زماننا عامة الأوقاف من القرى والمزارع لرضا المستأجر بتحمل غراماتها ومؤنها يستأجرها بدون أجر المثل بحيث لا تفي الأجرة، ولا أضعافها بالعشر أو خراج المقاسمة، فلا ينبغي العدول عن الإفتاء بقولهما في ذلك؛ لأنهم في زماننا يقدرون أجرة المثل بناء على أن الأجرة سالمة لجهة الوقف ولا شيء عليه من عشر وغيره أما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وأن المستأجر ليس عليه سوى الأجرة فإن أجرة المثل تزيد أضعافا كثيرة كما لا يخفى فإن أمكن أخذ الأجرة كاملة يفتى بقول الإمام وإلا فبقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذى لا يقول به أحد والله تعالى أعلم(رد المحتار ج ۲، ص ۳۳۴، كتاب الزكاة، فروع في زكاة العشر)

تاسعا ـ زكاة الأرض المستأجرة :اختلف الفقهاء على رأيين في هذه الزكاة، أهي على المؤجر، أم على المستأجر .

قال أبو حنيفة :زكاة الأرض على المؤجر؛ لأنه من مؤنتها فهي كالخراج الموظف؛ لأن بدله وهو الأجرة له، فصار كأنه زرع بنفسه، ولأن الأرض أصل الوجوب.

وخالفه الصاحبان، فقالوا :الزكاة على المستأجر؛ لأن العشر يجب في الخارج، والخارج ملك المستأجر، فكان العشر عليه كالمستعير .لكن الفتوى على قول الإمام، وعليه العمل؛ لأنه ظاهر الرواية .فإن كان إيجاب الزكاة على المستأجر أنفع للفقراء ، وجبت عليه، وبه أفتى المتأخرون.

وقال الجمهور :إذا استأجر إنسان أرضا، فزرعها، أو استعار أرضا فزرعها، أو غرسها ثمرا تجب فيه الزكاة، فالعشر على المستأجر والمستعير دون مالك الأرض؛ لأنه واجب في الزرع، فكان على مالكه، وهو المستأجر أو المستعير، لقوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده)وقوله صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تنبیہ: آج کل دوسرے سے زمین کرایہ یا عاریت پر لے کر اس زمین میں فارمی طریقہ پر شہد تیار وحاصل کیا جاتا ہے، تو جن حضرات کے نزدیک شہد پر عشر واجب ہے، ان کے نزدیک کھیتی پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح کے شہد میں عشر واجب ہونے کا حکم وہی ہونا چاہئے، جو حکم پیچھے زمین کرایہ پر لے کر پیدا ہونے والی فصل پر عشر کا گزرا کہ کرایہ پر لے کر عشر تیار کرنے والے کے ذمہ ہو۔

اور اگر دوسرے سے عاریت پر لی ہوئی زمین سے شہد حاصل کیا، یا غیر مملوکہ مثلاً جنگل و پہاڑ یا وقف جگہ سے شہد حاصل کیا، یا کسی کی مملوکہ زمین سے مالک کی اجازت کے بغیر غصب کے طور پر حاصل کیا، یا کسی نے اپنی عشری زمین کا شہد فروخت کیا، تو ان تمام صورتوں کے احکام ''فصل اور پھل'' کی طرح ہوں گے، جن کا حکم الگ الگ مسائل کے ذیل میں آگے آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۳...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو عشری زمین نہ تو مزارعت پر دی، اور نہ ہی ٹھیکہ پر دی، بلکہ ویسے ہی عاریتاً بغیر معاوضہ کے دے دی، جس میں اس عاریت پر لینے والے نے کھیتی باڑی کی، تو اس طرح پیدا ہونے والی فصل میں جمہور فقہائے کرام یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک پیداوار کا عشر مالک پر نہیں ہوگا، بلکہ زمین عاریت پر لے کر کاشتکاری کرنے والے کے ذمہ ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم: فيما سقت السماء العشر ـ الحديث وفي إيجاب الزكاة على المالك إجحاف ينافي المواساة، وهي من حقوق الزرع، بدليل أنها لا تجب إن لم تزرع، وتتقيد بقدره (الفقه الاسلامي وادلته، ج۳ص ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] البتہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق اس صورت میں عشر زمین کے مالک کے ذمہ ہوگا۔

ولو أعارها من مسلم، فزرعها، فالعشر على المستعير، بالاتفاق، لان الخارج له صورة ومعنى، ولو هلك يهلك بما فيه (تحفة الفقهاء لعلاء الدين سمرقندى ج ا ص ۳۲۳، باب العشر والخراج)

ولو أعارها من مسلم فزرعها فالعشر على المستعير عند أصحابنا الثلاثة (بدائع الصنائع، ج۲ص ۵۶، كتاب الزكاة، فصل سبب فرضيته زكاة الزروع والثمار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴...... وقف (مثلاً مدرسہ و مسجد) کی عشری زمین اور وقف شدہ پیداوار میں حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہوتا ہے۔

اور حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک وقف شدہ پیداوار میں عشر واجب نہیں ہوتا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب -الأرض المستعارة والمستأجرة:

ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة والصاحبان) إلى أن من استعار أرضا أو استأجرها فزرعها، فالزكاة على المستعير والمستأجر لأن الغلة ملكه، والعبرة في الزكاة بملكية الثمرة لا بملكية الأرض أو الشجر.

وذهب أبو حنيفة إلى أن العشر على المؤجر لأن الأرض كما تستنمى بالزراعة تستنمى بالإجارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۸۵،مادة "زكاة")

وأما المستعير إذا زرع، فعليه العشر دون صاحب الأرض، في ظاهر رواية أصحابنا.

وروى المبارك عن أبي حنيفة أنه أوجب على المستعير، فأبو حنيفة على رواية ابن المبارك .لا يحتاج إلى الفرق بين المستعير وبين الآجر، وعلى ظاهر الرواية يحتاج .ووجه الفرق أن الخارج سلم للمستأجر بعوض، وكأنه اشترى الزرع بعد الإدراك، ولا كذلك المستعير، فإن الخارج سلم له بغير عوض (المحيط البرهاني، ج۲، ص ۳۳۱، كتاب العشر، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر وفيمن لا يجب عليه)

۱؎ البتہ حنابلہ کے نزدیک جو زمین متعین شخص پر وقف ہو، اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوتا ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہو۔

وكذلك الخارج من الأراضي الموقوفة على الرباطات والمساجد يجب فيها العشر عندنا(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۴،۵، كتاب الزكاة، باب عشر الارضيين)

ثامنا ـ زكاة الثمار الموقوفة :للفقهاء رأيان في زكاة الموقوف بالنظر لاشتراط ملك الأرض أو عدم اشتراطه، رأي يوجب الزكاة، ورأي يعفي منها

قال الحنفية :الشرط ملك الخارج من الأرض، فيجب العشر في الأراضي التي لا مالك لها، وهي الأراضي الموقوفة، لعموم قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم، ومما أخرجنا لكم من الأرض)وقوله عز وجل :(وآتوا حقه يوم حصاده)وقول النبي صلى الله عليه وسلم :ما سقته السماء ففيه العشر، وماسقى بغرب أو دالية، ففيه نصف العشر ولأن العشر يجب في الشيء الخارج، لا في الأرض نفسها، فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة .

وقال المالكية كالحنفية :يجب على الواقف أو متولي الوقف زكاة عين :ذهب أو فضة وقفت للسلف أي القرض، إن مر عليها حول من يوم ملكها، أو كانت هي مع ما لم يوقف نصابا؛ إذ وقفها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... جو پہاڑ اور جنگل کسی کی ملکیت نہیں، اور وہ عشری زمین میں واقع ہیں، ان میں اُگنے والے پھل اور فصل پر عشر واجب ہونے نہ ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جو بھی اس زمین کے پھل یا فصل کو حاصل کرے گا، اس پر عشر ادا کرنا ضروری ہوگا، خواہ وہ حکومت ہو، یا کوئی عام شخص، یہاں تک کہ چور اور ڈاکو ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن امام محمد کے نزدیک اس وقت عشر واجب ہوگا، جبکہ وہ پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو۔

اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک، اس طرح کی زمین سے پیدا ہونے والے پھل اور فصل میں عشر واجب نہیں ہوتا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لا يسقط زكاتها عليه منها كل عام .كما يزكى نبات وقف ليزرع كل عام فى أرض مملوكة أو مستأجرة، ويزكى حيوان من الأنعام وقف ليفرق لبنه أو صوفه أو ليحمل عليه أو يركب، ونسله تبع له، ولو سكت عنه، على مساجد أو على فقراء غير معينين أو معينين، إن تولى المالك تفرقته وسقيه وعلاجه بنفسه أو نائبه .فإن لم يتول المالك القيام به، وإنما تولاه المعينون الموقوف عليهم الذين وضعوا أيديهم عليه وحازوه، وصاروا يزرعون النبات ويفرقون ما حصل على أنفسهم، فعليهم الزكاة إن حصل لكل واحد منهم نصاب، وإلا فلا، ما لم يكن عنده ما يضمه له ويكمل به النصاب.

وقال الشافعية :لا تجب الزكاة على الصحيح فى ثمار البستان وغلة القرية الموقوفين على المساجد والقناطر والرباطات والفقراء والمساكين، إذ ليس لها مالك معين.

وفصل الحنابلة، فأوجبوا الزكاة فى موقوف على معين من سائمة أو غلة أرض وشجر، إن بلغت حصة كل واحد نصابا، ولم يوجبوها فى موقوف على غير معين أو مسجد. (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۹۹ و ۱۹۰۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] وما يجمع من ثمار الأشجار التى ليست بمملوكة كأشجار الجبال يجب فيها العشر كذا فى الظهيرية(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۸۶، كتاب الزكاة، الباب السادس فى زكاة الزرع والثمار)

زكاة الزرع والثمر المأخوذين من الأرض المباحة:

من أخذ من الأرض المباحة ما فى جنسه الزكاة، وبلغ نصابا .فقد ذهب المالكية والحنابلة وأبو يوسف إلى أنه لا زكاة عليه، وهو لمن أخذه .قال الحنابلة :لكن لو زرع فى أرض مباحة ففيه الزكاة.

وذهب أبو حنيفة ومحمد إلى أن ثمر الجبال والمفاوز فيه العشر، إن حماه الإمام أى من أهل الحرب والبغاة وقطاع الطريق، ولو كان الشجر غير مملوك ولم يعالجه أحد؛ لأن المقصود النماء ، وقد حصل بأخذه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۸۷، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۶ ...... اگرکسی شخص نے دوسرے شخص کی عشری زمین غصب کرلی، اور پھراس میں کاشت کاری کی،توامام ابویوسف اورامام محمد کےنزدیک غصب کرنے والے پرعشر واجب ہوگا۔

اورامام ابوحنیفہ کےنزدیک اگرزمین میں نقصان کے باعث غاصب پرتاوان لازم ہواہو،تو زمین کامالک عشراداکرےگا،ورنہ غاصب عشراداکرےگا۔ [1]

اوردیگرفقہائےکرام کاقول اس سےمختلف ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۷...... اپنی عشری فصل یاپھل کوفروخت کیا،توعشرواجب ہونے کےاعتبارسے حنفیہ کےنزدیک یہ تفصیل ہےکہ اگرزمین پرکھڑی فصل کوتیارہونےاوردرخت پرلگےپھل کو

---

[1] اورآج کےدورمیں جبکہ غصب کنندہ سےتاوان کاحصول مشکل ہے،ایسی صورت میں صاحبین کےقول کےمطابق غاصب پرعشرکاوجوب زیادہ راجح معلوم ہوتاہے۔

وأما الغاصب، إذا زرع فإن نقصت الزراعة الأرض غرم الغاصب النقصان، وعلى رب الأرض العشر عند أبي حنيفة؛ لأن ضمان النقصان بمنزلة الأجر، وإن لم توجب زراعته نقصانا فی الأرض، فالعشر على الغاصب، لا على رب الأرض استحسانا؛ لأنه لم يسلم لرب الأرض الخارج لا بعينه، ولا بيد له، إنما سلم ذلک للغاصب، فتكون المؤن على الغاصب لا على رب الأرض.

وعلى قول أبي يوسف، ومحمد رحمهما الله :العشر على الغاصب، أوجب زراعته نقصانا فی الأرض، أو لم يوجب؛ لأن ضمان النقصان ليس بإزاء الخارج، بل بإزاء منفعة الأرض، فقد سلم الخارج للغاصب بغير عوض، فيكون الخراج عليه كما لو كان مستأجرا، فإن فی الإجارة العشر على المستأجر لأن الأجرة بإزاء منفعة الأرض لا بإزاء الخارج، كذا ههنا (المحيط البرهانی، ج۲، ص ۳۳۱، كتاب العشر، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر وفيمن لا يجب عليه)

[2] وذهب المالكية إلى أن النخل إذا غصبت ثم ردت بعد أعوام مع ثمرتها، فإنها تزكى لكل عام بلا خلاف إذا لم تكن زكيت أی يزكی ما يخرج منها إذا رد الغاصب جميعها .فإن رد بعض ثمارها وكان حصل فی كل سنة نصاب ولم يرد جميعه بل رد منه قدر نصاب فأكثر وكان بحيث لو قسم على سنين الغصب لم يبلغ كل سنة نصابا ففی زكاته قولان .

وصرح الحنابلة بأن زكاة الزرع على مالک الأرض إن تملک الزرع قبل وقت الحصاد وبعد اشتداده، وذلک لأنه يتملكه بمثل بذره وعوض لواحقه، فيستند ملكه إلى أول زرعه .أما إن حصد الغاصب الزرع بأن لم يتملكه ربها قبل حصاده، فزكاة الزرع على الغاصب لاستقرار ملكه عليه.

ولم نجد للشافعية نصا فی هذه المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۸۶، ۲۸۷،مادة "زكاة")

پکنے کے بعد فروخت کیا گیا، تو اس کا عشر فروخت کرنے والے کے ذمہ ہوگا (کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے، اور پیداوار فروخت کرنے والے کی ملکیت میں مکمل و پختہ ہوچکی تھی)

اور اگر فصل یا پھل کو تیار ہونے اور پکنے سے پہلے فروخت کیا گیا، تو اس کا عشر خریدار کے ذمہ ہوگا (کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے، جو خریدنے والے کی ملکیت میں آکر مکمل ہوئی ہے)

البتہ اگر خریدنے والے نے فصل کو تیار ہونے اور پھل پکنے سے پہلے کاٹ وتوڑ لیا؛ تو اس صورت میں اس کا عشر فروخت کرنے والے پر ہوگا (کیونکہ اس صورت میں خریدار کی ملکیت میں آنے کے بعد اس کی تکمیل نہیں ہوئی)

اور اگر پیداوار (یعنی کھیتی یا باغ) کے ساتھ زمین بھی فروخت کرے، تو اس زمین میں موجود پیداوار کے عشر کا حکم بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق ہے (کذافی: احسن الفتاویٰ ج۴ص۳۶۹) [1]

---

[1] یہ سب حکم اس وقت ہے جب مالک نے فصل اور پھل کو لگے ہوئے ہونے کی حالت میں فروخت کیا ہو، اور اگر اس نے فصل کو کاٹ کر اور پھل کو توڑ کر کچی یا پکی جس حالت میں بھی فروخت کیا، تو اس کا عشر بہرحال بعض حضرات کی تصریح کے مطابق مالک یعنی فروخت کرنے والے کے ذمہ ہوگا۔

وإذا باع الأرض العشرية، وفيها زرع قد أدرك مع زرعها أو باع الزرع خاصة فعشره على البائع دون المشترى، ولو باعها والزرع بقل إن فصله المشترى فى الحال يجب على البائع، ولو تركه حتى أدرك فعشره على المشترى كذا فى شرح الطحاوى(الفتاوى الهندية، ج ١، ص١٨٧، كتاب الزكاة ،الباب السادس فى زكاة الزرع والثمار)

ولو باع الزرع إن قبل إدراكه فالعشر على المشترى ولو بعده فعلى البائع(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب العشر)

ولو باع الأرض العشرية وفيها زرع قد أدرك مع زرعها أو باع الزرع خاصة فعشره على البائع دون المشترى؛ لأنه باعه بعد وجوب العشر وتقرره بالإدراك.

ولو باعها والزرع بقل فإن قصله المشترى للحال فعشره على البائع أيضا لتقرر الوجوب فى البقل بالقصل.

وإن تركه حتى أدرك فعشره على المشترى فى قول أبى حنيفة ومحمد لتحول الوجوب من الساق إلى الحب.

وروى عن أبى يوسف أنه قال :عشر قدر البقل على البائع وعشر الزيادة على المشترى.

وكذلك حكم الثمار على هذا التفصيل (بدائع الصنائع، ج٢، ص٥٧، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

اور حنابلہ ومالکیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر اس فصل یا پھل کی صلاحیت پیدا اور ظاہر ہونے کے بعد فروخت کیا یا ہبہ کیا، تو اس کا عشر فروخت یا ہبہ کنندہ کے ذمہ واجب ہوگا۔ [1]

اور فصل یا کھیتی کو ضائع وہلاک کرنے یا اس میں سے کچھ کھا لینے کا حکم پہلے فصل نمبر ۴ میں گزر چکا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ویصح تصرف المالک فی النصاب قبل الخرص وبعده بالبیع والهبة وغیرهما، فإن باعه أو وهبه بعد بدو صلاحه، فصدقته على البائع والواهب .وهذا قول الحنابلة والمالکیة.
وقال الحنفیة :إذا باع الزرع قبل إدراكه، وجبت الزکاة على المشتری .وقال الشافعیة :تجب الزكاة على مالک الزرع عند الوجوب(الفقه الاسلامی وادلتہٗ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۹۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

(فصل نمبر۷)

عشر کے مصارف اور ادائیگی سے متعلق احکام

(عشر کے مصارف اور ادا وقضا سے متعلق احکام)

عشر کے مصارف و مستحق وہی ہیں جو زکاۃ کے مصارف و مستحق ہیں۔ [1]

اور ہم نے اپنی کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' میں اُن مصارف کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

البتہ یہاں چند ضروری مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... عشر جس پیداوار میں واجب ہو، کیا عشر کی ادائیگی میں اسی پیداوار کو دینا ضروری ہے، یا اتنی مالیت کی رقم، یا کوئی اور چیز بھی اس کے بدلہ میں دینا جائز ہے؟

تو حنفیہ کے علاوہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک تو بشرطِ قدرت عشر میں اسی پیداوار کو دینا ضروری ہے، اور قیمت یا کسی اور چیز کا دینا جائز نہیں۔ [2]

---

[1] واعلم أن مصارف العشر والزكاة ما يتلى فى كتاب الله عز وجل فى قوله تعالى (إنما الصدقات للفقراء والمساكين)الآية(المبسوط،للسرخسى، ج۳،ص۸، كتاب الزكاة)

[2] وأما ما عدا ذلك كزكاة المواشى والزروع وإخراج زكاة الذهب أو الفضة عن غيرهما أو العكس، فقد اختلف الفقهاء فى إخراج القيمة على مذاهب :فذهب الجمهور (الشافعية، والمالكية على قول، والحنابلة فى رواية وهى المذهب) إلى أنه لا يجوز إخراج القيم فى الزكاة، واستثنى بعض أصحاب هذا القول نحو إخراج بنت لبون عن بنت مخاض .واحتجوا بحديث فى أربعين شاة شاة، وفى مائتى درهم خمسة دراهم فتكون الشاة المذكورة والدراهم المذكورة هى المأمور بها، والأمر يقتضى الوجوب .واحتجوا أيضا بما فى حديث كتاب أبى بكر هذه الصدقة التى فرضها رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين وأمر بها أن تؤدى، وكان فيه :فى خمس وعشرين من الإبل بنت مخاض، فإن لم تكن فابن لبون ذكر وهذا يدل على أنه أراد عينها .وبحديث معاذ أن النبى صلى الله عليه وسلم بعثه إلى اليمن فقال خذ الحب من الحب، والشاة من الغنم، والبعير من الإبل، والبقرة من البقر .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک جس طرح عشر میں اس پیداوار کو عشر میں دینا جائز ہے، اسی طرح اتنی مالیت کی نقدی یا کوئی اور چیز بھی زکاۃ وعشر میں دینا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... زکاۃ وعشر کو اس کے صحیح شرعی مصرف میں لگانا، زکاۃ وعشر ادا کرنے والے فرد کی شرعی ذمہ داری ہے، اگر وہ اس سلسلہ میں غفلت وکوتاہی اختیار کرے گا، اور شرعی ہدایات کو نظر انداز کرے گا، جس کی وجہ سے زکاۃ وعشر کی ادائیگی صحیح طریقہ پر نہ ہو سکے گی، تو اس کا وبال سر پر ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قالوا :ولأن الزكاة فرضت دفعا لحاجة الفقير، وحاجاته متنوعة، فينبغي أن يتنوع الواجب ليتنوع ما يصل إليه، ووجبت شكرا لنعمة المال، ويحصل ذلك بالمواساة مما أنعم الله به عليه .ولأن الزكاة قربة لله تعالى وما كان كذلك فسبيله الاتباع، ولو جازت القيمة لبينها النبي صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۹۸ و ۲۹۹،مادة "زكاة")

[1] وذهب الحنفية، وهو القول المشهور عند المالكية، والرواية الأخرى عند الحنابلة وقول الثورى إلى أن إخراج القيمة جائز، وروى ذلك عن عمر بن عبد العزيز .لكن قال المالكية :يجوز، ويجزء مع الكراهة؛ لأنه من قبيل شراء الإنسان الصدقة التى أخرجها لله تعالى.

واحتج القائلون بإجزاء القيمة، بما روى أن معاذا قال لأهل اليمن :ائتونى بعرض ثياب آخذه منكم مكان الذرة والشعير، فإنه أهون عليكم، وخير للمهاجرين بالمدينة .وقال عطاء " :كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه يأخذ العروض فى الصدقة من الدراهم أى عنها؛ ولأن الغرض منها سد خلة المحتاج، وذلك معنى معقول؛ ولأن حاجاته مختلفة، وبالقيمة يحصل ما شاء من حاجاته .وقياسا على الجزية فإن القيمة مجزئة فيها اتفاقا، والغرض منها كفاية المقاتلة، ومن الزكاة كفاية الفقير.

واحتجوا أيضا بما فى حديث أنس المرفوع من بلغت عنده من الإبل صدقة الجذعة وليست عنده جذعة وعنده حقة فإنها تؤخذ منه الحقة، ويجعل معها شاتين إن استيسرتا له، أو عشرين درهما

قال ابن الهمام :فانتقل إلى القيمة فى موضعين، فعلمنا أن ليس المقصود خصوص عين السن المعين وإلا لسقط إن تعذر، أو لوجب عليه أن يشتريه فيدفعه.

ثم قال المالكية :إن أكره على دفع القيمة فدفعها أجزأت، قولا واحدا.

وقال ابن تيمية :لا تجزء القيم إلا عند الحاجة، مثل من يبيع عنبه ورطبه قبل اليبس .قال :وهذا هو المنصوص عن أحمد صريحا، فإنه منع من إخراج القيم وجوزه فى مواضع للحاجة (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۳،ص۲۹۸ و ۳۰۰،،مادة "زكاة")

قلت :وفى البدائع أن الواجب فى الخراج جزء من الخارج؛ لأنه عشر الخارج أو نصف عشره وذلك جزؤه إلا أنه واجب من حيث إنه مال لا من حيث إنه جزء عندنا حتى يجوز أداء قيمته .اهـ (ردالمحتار، ج۲ص ۳۳۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

اس بارے میں آج کل بعض لوگوں کی طرف سے کوتاہی سامنے آرہی ہے، جس کی اصلاح کرنی چاہئے (ماخوذ از: زکاۃ کے فضائل واحکام)

مسئلہ نمبر۳...... جس شخص کو عشر دیا جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فقیر وغریب ہو، مالدار اور امیر آدمی کو عشر دینا جائز نہیں (ایضاً)

مسئلہ نمبر۴...... زکاۃ وعشر کا مصرف ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کو زکاۃ وعشر دیا جائے، وہ مسلمان ہو۔

کسی غیر مسلم وکافر کو زکاۃ وعشر دینا جائز نہیں، خواہ وہ اصلی کافر ہو یا مرتد ہو، یا کوئی ایسا شخص ہو جو اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہو، لیکن اس کے عقائد صریح کفر والے ہوں، جن میں تاویل ممکن نہ ہو، جیسا کہ قادیانی وغیرہ (ایضاً)

مسئلہ نمبر۵...... امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکاۃ وعشر کا مستحق وہ مسلمان شخص ہے کہ جس پر نہ تو خود زکاۃ وعشر فرض ہو، اور نہ ہی اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت وحاجت کی چیزوں) سے زیادہ اتنا سامان ہو کہ تنہا اس کی مالیت یا اس کے ساتھ زکاۃ کے مال (یعنی سونا، چاندی، سامانِ تجارت اور کرنسی) یا ان چار میں سے کسی ایک مال کے ملانے سے سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت بنتی ہو۔

اب ہم آسانی کے طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکاۃ وعشر کا مستحق ہونے نہ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ قسم کی چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(نمبر ایک) سونا (نمبر دو) چاندی (نمبر تین) کرنسی مثلاً روپیہ پیسہ (نمبر چار) تجارت کا مال (نمبر پانچ) ضرورت سے زیادہ سامان۔

پس زکاۃ کے واجب ہونے کے نصاب میں تو صرف چار قسم کے مالوں (یعنی سونا، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت) کا اعتبار کیا جاتا ہے، لیکن زکاۃ وعشر کا مستحق ہونے کے لئے ان چار چیزوں کے علاوہ پانچویں چیز (ضرورت سے زیادہ سامان) کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو افراد مالدار شمار ہوتے ہیں، اور جن افراد کو زکاۃ وعشر دینا جائز نہیں ہوتا، وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو۔

(۲)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو۔

(۳)......جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف کرنسی مثلاً روپیہ پیسہ ہو۔

(۴)......جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف تجارت کا مال ہو۔

(۵)......جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف ضرورت سے زیادہ کسی بھی قسم کی کوئی چیز ہو۔

(۶)......جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی پانچوں چیزیں یا ان پانچ میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جائیں (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۶......جس شخص کی ملکیت میں مال تو ہو، لیکن وہ مال اس کے پاس نہ ہو، اور وہ اس سے نفع اٹھانے پر قادر نہ ہو (مثلاً وہ خود سفر میں ہو، اور مال اس کے وطن میں ہو، یا دوسرے پر قرض ہو، مگر مقروض ادا کرنے سے قاصر ہو یا قاصر تو نہ ہو، مگر انکاری ہو، اور اس کے پاس کوئی گواہ وغیرہ نہ ہوں، یا اسی طرح کوئی اور صورت ہو) تو ایسے شخص کو زکاۃ وعشر دینا جائز ہوتا ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۷......مسلمان حکومت کی طرف سے عشر حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ زکاۃ وعشر کے عاملین کو بھی عشر دینا جائز ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر۸...... اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ لوگوں سے زکاۃ وعُشر وغیرہ حاصل کرنے کے لئے عامل ونمائندے مقرر کرے (ایضاً)

مسئلہ نمبر۹...... مسلمان حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے عشر وغیرہ حاصل کرے، اور عشر کے صحیح مستحقین کو یہ عشر کا مال پہنچائے، اور اس سلسلہ میں پوری دیانت وذمہ داری سے کام لے (ایضاً)

مسئلہ نمبر۱۰...... زکاۃ وعشر کا عامل وہ شخص اور زکاۃ وعشر کے عاملین وہ اشخاص کہلاتے ہیں کہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکاۃ، صدقات اور عُشر وغیرہ حاصل کرکے بیتُ المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔

اور بعض اوقات یہ عاملین، مستحقین تک زکاۃ وعشر پہنچانے کی خدمت پر بھی مامور ہوتے ہیں۔

یہ لوگ چونکہ اپنے اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، اور ان کا حقُّ الخدمت زکاۃ وعشر سے دینا جائز ہے، خواہ وہ امیر ومالدار ہوں یا غریب، مگر مسلمان ہوں (ایضاً)

مسئلہ نمبر۱۱...... اگر کہیں اسلامی حکومت نہ ہو، یا اس کی طرف سے زکاۃ وعشر وصول کرنے کا مناسب انتظام نہ ہو، تو پھر عشر واجب ہونے والے لوگوں پر خود سے عشر کا مستحقین تک پہنچانا ضروری ہوجاتا ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کوئی مقروض ہے تو سونا، چاندی، تجارت کا مال، ضرورت سے زیادہ سامان کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض کو علیٰحدہ کرے، قرض نکالنے کے بعد اگر مال زکاۃ کے نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو زکاۃ کی طرح عشر دینا جائز نہیں، اور اگر قرض نکالنے کے بعد نصاب کے برابر مال باقی نہیں بچتا، تو اس کو زکاۃ کی طرح عشر دینا جائز ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۱۴۳...... اگر کوئی شخص مسلمان، مگر فاسق یعنی کبیرہ گناہ کا عادی (مثلاً شرابی، جواری، زانی وغیرہ) ہو، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس کو زکاۃ وعشر دینے سے ادائیگی ہو جاتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ کسی دیندار شخص کو دینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

البتہ حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہاء بدعتی اور فاسق وفاجر شخص کو زکاۃ وعشر دینے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ ایسے شخص کو دینے سے ان کے ساتھ تعلق ومحبت کا اظہار اور ان کا گناہوں پر تعاون یا حوصلہ افزائی کرنا پایا جاتا ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۱۴۴...... بعض لوگ پیشہ ور بھکاریوں ہی کو زکاۃ وصدقہ اور عشر کا اصل مستحق سمجھتے ہیں اور جو لوگ سوال نہیں کرتے ان کو مستحق نہیں سمجھتے۔

حالانکہ آج کل بہت سے پیشہ ور سائلین مستحق نہیں ہوتے، بلکہ وہ امیر اور مالدار ہوتے ہیں، اور پیشہ ور سائلوں کو تو مانگنے پر ویسے بھی دینا جائز نہیں، خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پیشہ ور سائل سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا پیشہ مانگنا، کھانا ہی بنا رکھا ہو۔

اور آج کل مانگنے، کھانے کا پیشہ معاشرے میں بہت قبولیت اختیار کر گیا ہے، اور اس کو پیسہ کمانے کا ایک آسان ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے، بلکہ اس پیشہ کی خاطر قصداً وعمداً بچوں وغیرہ کو معذور بنا دینے کو بہت بڑا ہنر اور فن سمجھا جانے لگا ہے۔

مانگنے کے ایسے نئے رنگ وڈھنگ چل گئے ہیں کہ جن کی طرف لوگوں کی توجہ بھی نہیں جاتی۔

بے شمار پیشہ ور بھکاری آج کے معاشرے میں درحقیقت لکھ پتی اور کروڑ پتی ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو فقیر اور غریب ظاہر کرتے ہیں، اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان پیشہ ور سائلوں اور بھکاریوں کی مدد کرنے والا خود ان سے زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

ایسے پیشہ ور سائلوں کو زکاۃ وصدقات اور عشر کے نام سے دینا دراصل اپنے قیمتی مال کو ضائع کرنا اور ثواب کے بجائے ان پیسوں کے عوض گناہوں کو خریدنا ہے، کیونکہ مانگنے کو پیشہ بنانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے اور یہ پیشہ تعاون کرنے والوں کے سہارے ہی چلتا ہے۔

آج کل بہت سے لوگ خود تحقیق کرنے اور اپنے اردگرد کے ماحول میں سفید پوش مستحق غریبوں کو تلاش کرنے کے بجائے اپنی زکاۃ وصدقات اور عشر کو پیشہ ور بھکاریوں اور سائلوں کی بھینٹ چڑھا کر اس پیشہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

لٰہذا زکاۃ وعشر ادا کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مستحقین کی جُستجو اور ان تک براہِ راست یا معتبر ذریعہ سے زکاۃ وصدقہ اور عشر کو پہنچانے کا اہتمام کیا کریں (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۱۵...... جس شخص پر عشر واجب ہے، اگر وہ عشر کا مصرَف بھی ہے (یعنی وہ غریب مستحق ہے) تو وہ شخص دوسرے مستحق کو اپنا عشر ادا کرے گا، اور اس کو اپنے لئے دوسرے کا عشر لینا بھی جائز ہوگا (ماخوذ عن فتاویٰ رشیدیہ، سوالاً وجواباً، صفحہ ۴۲۷ ''کتاب زکاۃ کے مسائل کا بیان'' مطبوعہ: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی)

مسئلہ نمبر ۱۶...... اکثر فقہائے کرام اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرُ الروایۃ کے مطابق بنو ہاشم کو زکاۃ وعشر دینا جائز نہیں، اور فقہ حنفی میں بہت سے حضرات کی طرف سے اسی قول کو راجح قرار دیا جاتا رہا ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے اور کئی اہلِ علم حضرات کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ موجودہ زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاۃ وعشر دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو ہاشم، غریب اور تنگ دستوں کی ضرورت کے لئے زکاۃ کے عوض میں مالِ غنیمت وغیرہ دیا جاتا تھا، اور اب مالِ غنیمت اور اسلامی حکومتوں کی طرف سے اس کا نظم موجود نہیں، اس لئے اب ان کو زکاۃ یا عشر دینا جائز ہے، اور کئی حضرات کا فتویٰ اسی پر ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور بعض حضرات کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو زکاۃ وعشر دینا جائز ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی راجح یہ ہے کہ موجودہ دور میں جبکہ بنو ہاشم کو مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ نہیں ملتا، ایسے حالات میں ضرورت مند فقراء ومساکین بنو ہاشم کو زکاۃ وعشر کا دینا ولینا

جائز ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنے ایک مستقل رسالہ ''بنو ہاشم اور سید کو زکاۃ کا حکم'' میں ذکر کردی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۷...... زکاۃ وعشر دینے والے کو اپنے اصولی رشتہ داروں کو (یعنی جن افراد سے یہ شخص خود بلاواسطہ یا بالواسطہ پیدا ہوا ہے، مثلاً اپنے والدین اور والدین کے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک کے سلسلہ کے لوگوں کو) زکاۃ وعشر دینا جائز نہیں۔

اور اسی طرح زکاۃ وعشر دینے والے کو اپنے فروعی رشتہ داروں کو (یعنی جو افراد بلاواسطہ یا بالواسطہ اس سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی نیچے تک کے سلسلہ کے لوگوں کو) زکاۃ وعشر دینا جائز نہیں (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۱۸...... زوجین کے ایک دوسرے کو زکاۃ وعشر دینے کے مسئلہ میں فقہائے کرام کے نزدیک کچھ تفصیل ہے۔

چنانچہ شوہر کا اپنے مال کی زکاۃ اور اپنا عشر اپنے نکاح میں موجود بیوی کو دینا تو فقہائے کرام کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں، الَّا یہ کہ اس عورت کو طلاق دے دی ہو، اور عدت بھی گزر گئی ہو۔

اور بیوی کے اپنے مال کی زکاۃ اور اپنا عشر اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعی اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، اور امام احمد اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اور اپنا عشر اپنے شوہر کو دینا جائز ہے، جبکہ اس کا شوہر مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اور اپنا عشر اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ شوہر نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی ہو، اور اس کی عدت بھی ختم ہوگئی ہو، اور حنفیہ کی عام کتبِ فقہ وفتاویٰ میں اسی کے مطابق حکم مذکور ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۱۹...... اپنے اُصولی وفروعی رشتہ داروں اور زوجین (جن کی تفصیل پہلے ذکر کی گئی) کے علاوہ دوسرے ہر قسم کے رشتہ داروں کو حنفیہ کے نزدیک زکاۃ وعشر دینا جائز ہے، جبکہ وہ غریب و مستحق ہوں۔

چنانچہ اپنے بھائی، بہن، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اور ان سب کی اولادیں، اور رضاعی یعنی دودھ کے رشتے کے والدین اور دودھ کے رشتے والی اولاد، اور اسی طرح سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو، داماد، ساس، سسر وغیرہ، ان سب طرح کے رشتہ داروں کو غریب ومستحق ہونے کی صورت میں اپنے مال کی زکاۃ اور اپنا عشر دینا جائز ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۲۰...... زکاۃ وعشر کی ادائیگی کے لئے دل میں نیت کا ہونا شرط اور ضروری ہے، لیکن زبان سے کچھ کہنا بلکہ مستحق کو یہ بتانا بھی ضروری نہیں کہ یہ زکاۃ یا عشر کا مال ہے (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۲۱...... حکومت کی طرف سے جو مخصوص لوگوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، یہ چونکہ زکاۃ وعشر کی طرح عبادت نہیں ہے، اس لئے اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ٹیکس دینے سے زکاۃ وعشر ادا نہیں ہوتا، اور یہ ٹیکس، زکاۃ وعشر کا متبادل نہیں بنتا، اگرچہ ٹیکس دینے والا، ٹیکس دیتے وقت زکاۃ وعشر کی نیت ہی کیوں نہ کرلے (ایضاً)

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت زمینداروں سے جو رقم آبیانہ کی صورت میں وصول کرتی ہے یہ عشر کے حکم میں نہیں، اس لئے اس میں عشر کی نیت کرنے سے بھی عشر ادا نہ ہوگا، کیونکہ یہ تو حکومت کی جانب سے فراہم کردہ نہری (یا غیر نہری) پانی کا محصول اور عوضانہ ہے، البتہ اس آبیانہ کی وجہ سے پیداوار پر بجائے عشر کے، نصف عشر لازم ہوگا، بوجہ پانی پر اخراجات ہونے کے۔

اور اگر حکومت کی طرف سے کھیتی اور فصل پر کچھ ٹیکس وغیرہ لگایا جاتا ہو، تب بھی عشر کل پیداوار میں واجب ہوگا، اور عشر ادا کرنے سے پہلے ٹیکس کو منہا نہیں کیا جائے گا، اور عشری زمینوں کا لگان حکومت کو ادا کرنے سے عشر ساقط نہ ہوگا (احسن الفتاویٰ ج۴ص ۳۵۳،ص ۳۸۲، باب العشر والخراج)

مسئلہ نمبر۲۲...... زکاۃ وعشر کی ادائیگی کے لئے تملیک بھی شرط ہے، تملیک کے معنیٰ ہیں ''مالک بنانا'' ۱؎

پس زکاۃ وعشر ادا کرنے والے کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ زکاۃ وعشر کا مال غریب کو مالکانہ طریقہ پر دے، اور اگر وہ زکاۃ وعشر کا مال غریب کو مالکانہ طریقہ پر نہ دے، بلکہ اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کے لئے مباح وجائز کردے، یا اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کو، اس طریقہ سے کھلا پلا دے کہ غریب کو اس مال کے بارے میں کھانے پینے کے علاوہ کوئی اور اختیار حاصل نہ ہو، تو زکاۃ وعشر کی ادائیگی نہیں ہوتی (ماخوذ از: زکاۃ کے فضائل واحکام) ۲؎

۱؎ (فصل): وأما بيان ركن هذا النوع وشرائط الركن، أما ركنه فهو التمليك؛ لقوله تعالى (وآتوا حقه يوم حصاده) والإيتاء هو التمليك لقوله تعالى (وآتوا الزكاة) فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك رأسا من بناء المساجد ونحو ذلك مما ذكرنا فى النوع الأول وبما ليس بتمليك من كل وجه وقد مر بيان ذلك كله.

وأما شرائط الركن فإننا ذكرناها فى النوع الأول مما يرجع بعضها إلى المؤدى وبعضها إلى المؤدى وبعضها إلى المؤدى إليه فلا معنى للإعادة والله تعالى أعلم (بدائع الصنائع، فصل زكاة الزرع والثمار، فصل بيان ركن إخراج العشر وشرائط الركن)

۲؎ ملحوظ رہے کہ جس پر عشر واجب ہے؛ اگر وہ خود مستحق ہو؛ تو اس کو اپنے عشر کا اپنی ذات کے لئے رکھنا جائز نہیں، بلکہ اس پر واجب ہے کہ کسی دوسرے غریب مستحق کو ادا کرے۔

بدائع کی اس سے پہلے حاشیہ میں مذکور عبارت میں تملیک کو عشر کا رکن قرار دیا گیا ہے، اور ''ایتاء'' کو تملیک قرار دیا گیا ہے۔

اور ''ایتاء'' کا لفظ ''اعطاء'' کے ہم معنیٰ ہے، جس کے معنیٰ ''دے دینے'' کے ہیں، اور یہ تین عناصر سے مکمل ہوتا ہے۔

ایک دینے والا یعنی معطی، دوسرے جس کو دیا جائے یعنی معطیٰ لہٗ، اور تیسرے جو چیز دی جائے یعنی شیئِ معطیٰ۔

لہٰذا عشر دینے والے کا عشر ایسے طریقہ پر دینا ضروری ہے، کہ جو چیز عشر میں دی جارہی ہے، وہ غریب مستحق کی ملکیت میں پہنچ جائے۔

پس بعض حضرات کا یہ موقف کہ ایسا مسکین جو خود عُشر کا مصرف ہو (یعنی ایسا غریب ہو جس کو زکاۃ لینا جائز ہو) تو اس پر عشر نکالنا واجب نہیں (کمافی احسن الفتاویٰ ج۴ص ۳۷۴)

اس سے اتفاق کیا جانا محلِ نظر ہے۔

کیونکہ جن جزئیات سے استدلال کیا گیا ہے، وہ خراج سے متعلق ہیں، جس کا حکم عشر سے مختلف ہے۔

قال محمد رحمه الله فى الأصل: من عليه العشر إذا صرف العشر إلى نفسه لا يجوز، ولا يبرأ عن العشر فيما بينه، وبين الله تعالى، ومن عليه الخمس، إذا صرف الخمس إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۲۳...... عشر کا مال مسجد یا مدرسہ یا شفاخانہ یا کسی اور رفاہی یا وقف وٹرسٹ کی تعمیر میں لگانا درست نہیں، کیونکہ اس میں کسی غریب کا مالک بننا نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح عشر کا مال ایسے خیر کے کاموں یا رفاہی کاموں (مثلاً کنویں کی کھدائی، پُل کی تعمیر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ نفسه، وكان فقيراً يجوز، ويخرج عن عهدة الخمس فيما بينه وبين الله تعالى، وكذلك إذا صرف من عليه العشر العشر إلى أبيه، أو ابنه، فإنه لا يجوز؛ لأن صرفه إلى هؤلاء كالصرف إلى نفسه (المحيط البرهانى، ج۲ص ۳۳۷، كتاب العشر، الفصل السادس فى التصرف فيما يخرج من الأرض من الطعام)

اصل کی اس عبارت میں عشر کو اپنی ذات اور اپنے اصول وفروع کی طرف خرچ کرنے کو دیانۃً مطلقاً ناجائز اور خمس کو فقیر ہونے کی صورت میں جائز قرار دیا گیا ہے۔

امام محمد کی کتاب الاصل میں تو مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ عبارت نہیں مل سکی، البتہ ''الاصل'' میں اس سلسلہ میں جو عبارت دستیاب ہوئی، وہ مندرجہ ذیل ہے:

قلت أرأيت الرجل إذا كانت له أرض من أرض العشر فأعطى عشر ما خرج من أرضه أباه أو أمه أو ابنه أيجزيه ذلك فيما بينه وبين الله تعالى قال لا قلت فإن أعطاه أخاه أو أخته أو ذا رحم محرم غير ولد أو والد أو جد أو جدة أو ولد وولد ولد هل يجزيه ذلك قال نعم وهو فى ذلك بمنزلة الزكاة (الاصل المعروف بالمبسوط للشيبانى، ج۲ص ۱۷۲، باب عشر الارض)

اس عبارت میں اپنی ذات کے لئے تو عشر کے خرچ کرنے کا ذکر نہیں، البتہ اپنے اصول وفروع کے لئے عدمِ جواز کا ذکر ہے، اور ساتھ ہی عشر کو زکاۃ کے درجہ میں قرار دیا گیا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ زکاۃ کا جس طرح اپنے اصول وفروع پر خرچ کرنا جائز نہیں، اسی طرح خود اپنے اوپر خرچ کرنا بھی جائز نہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ عشر کا بھی اپنے اوپر خرچ کرنا جائز نہ ہو۔

اور جہاں تک سلطان یا عامل کے خراج اور عشر کے کسی سے ترک کردینے یا معاف کردینے کے مسئلے کا تعلق ہے تو وہ مختلف فیہ ہے عام کتبِ فقہ میں خراج معاف کرنے پر خود مصرف ہونے کی صورت میں جواز پر فتویٰ کا حکم مذکور ہے اور عشر معاف کرنے کی صورت میں بالاجماع معاف نہ ہونے اور اس کی خود سے ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے، خواہ وہ شخص بذاتِ خود فقیر ہی کیوں نہ ہو۔

تمليك حقوق بيت المال قبل توريدها إليه:

ذهب الحنفية إلى أن للإمام أن يترك الخراج للمالك لا العشر، ثم يحل ذلك للمالك عند أبى يوسف، إن كان المالك ممن يستحق شيئا من بيت المال، وإلا تصدق به .ولو ترك الإمام العشر ونحوه من أموال الزكاة فلم يأخذه لا يجوز إجماعا، ويخرجه المالك بنفسه للفقراء ونحوهم من مصارف الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۲۶۰، مادة "بيت المال")

وفى الخلاصة، ولو جعل السلطان العشر لصاحب الأرض لا يجوز، ولو جعل الخراج له جاز عند أبى يوسف وعليه الفتوى إذا كان من أهل الخراج وقال محمد لا يجوز (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۱ص ۲۱۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وغیرہ) میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں، جن میں غریب یا غریبوں کا مالک بننا نہیں پایا جاتا، اگرچہ غریب لوگ مالک بنے بغیر ان چیزوں سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتے ہوں (ایضاً)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وفی الخلاصة :لو جعل السلطان العشر لصاحب الأرض، لا يجوز، ولو جعل الخراج له جاز عند أبي يوسف، وعليه الفتوى إذا كان من أهل الخراج .وقال محمد :لا يجوز.(شرح النقاية، ج۲،ص ۱۴۱،كتاب الزكاة)

السلطان إذا جعل الخراج لصاحب الأرض وتركه عليه جاز فى قول أبى يوسف رحمه الله تعالى خلافاً لمحمد رحمه الله تعالى والفتوى على قول أبى يوسف رحمه الله تعالى إذا كان صاحب الأرض من أهل الخراج وعلى هذا التسويغ للقضاء والفقهاء ولو جعل العشر لصاحب الأرض لا يجوز فى قولهم السلطان إذا لم يطلب الخراج ممن هو عليه كان لصاحب الأرض أن يتصدق فإن تصدق بعد الطلب لا يحرج عن العهدة(فتاوى قاضي خان، ج ۱،ص۱۸۷، كتاب الزكاة)

وفى الظهيرية السلطان إذا جعل خراج الأرض لصاحب الأرض وتركه له جاز فى قول أبى يوسف خلافا لمحمد والفتوى على قول أبى يوسف إذا كان صاحب الأرض من أهل الخراج وعلى هذا التسويغ للقضاة والفقهاء ولو جعل العشر لصاحب الأرض لم يجز فى قولهم وفى الحاوى القدسى ما يخالفه وأنه قال وإذا ترك الإمام خراج أرض رجل أو كرمه أو بستانه ولم يكن أهلا لصرف الخراج إليه عند أبى يوسف يحل له وعليه الفتوى وعند محمد لا يحل له وعليه رده(البحر الرائق، ج۵،ص۱۲۸، كتاب السير،فصل فى الجزية)

(قوله :يجوز ترك الخراج للمالك إلخ) سيأتى الجهاد متنا وشرحا ما نصه ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه ولو بشفاعة جاز عند الثانى وحل له لو مصرفا وإلا تصدق به به يفتى وما فى الحاوى من ترجيح حله لغير المصرف خلاف المشهور ولو ترك العشر لا يجوز إجماعا ويخرجه بنفسه للفقراء سراج خلافا لما فى قاعدة :تصرف الإمام منوط بالمصلحة من الأشباه معزيا للبزازية فتنبه .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص۳۳۷، كتاب الزكاة، فروع فى زكاة العشر)

(ترك السلطان) أو نائبه (الخراج لرب الارض) أو وهبه له ولو بشفاعة (جاز) عند الثانى وحل له لو مصرفا، وإلاتصدق به، به يفتى،وما فى الحاوى من ترجيح حله لغير المصرف خلاف المشهور (ولو ترك العشر لا) يجوز إجماعا ويخرجه بنفسه للفقراء سراج، خلافا لما فى قاعدة تصرف الإمام منوط بالمصلحة من الأشباه معزيا للبزازية فتنبه(الدرالمختار)

(قوله أو وهبه له) بأن أخذه منه ثم أعطاه إياه (قوله عند الثانى) أى عند أبى يوسف وقال محمد :لا يجوز بحر ولم يظهر لى وجه قول محمد إن كان مراده أنه لا يجوز ولو كان مصرفا للخراج (قوله وحل له لو مصرفا) أعاده لأن قوله :جاز أى جاز ما فعله السلطان بمعنى أنه لا يضمن، ولا يلزم من ذلك حله لرب الأرض، وفى القنية ويعذر فى صرفه إلى نفسه إن كان مصرفا كالمفتى، والمجاهد والمعلم والمتعلم والذاكر والواعظ عن علم، ولا يجوز لغيرهم، وكذا إذا ترك عمال السلطان الخراج لأحد بدون علمه .اهـ .(قوله خلاف المشهور) أى مخالف لما نقله العامة عن أبى يوسف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۴۸...... زکاۃ وعشر ادا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کسی مزدوری یا خدمت کے معاوضہ میں نہ دی جائے، اسی وجہ سے کسی مسجد کے امام، مؤذن یا مدرسہ کے مدرس یا گھر یا دوکان یا شفاخانے وہسپتال وغیرہ کے ملازم کو ان کی خدمات کے صلہ وتنخواہ میں زکاۃ وعشر دینا جائز نہیں۔

بعض لوگ کسی غریب مزدور کی مزدوری یا اس کی خدمات کے صلہ میں زکاۃ وعشر دینے کی غلطی کرتے ہیں، یا اگر زکاۃ وعشر کو محنت، مزدوری یا خدمت کا پورا معاوضہ نہ سمجھیں، تو اس سے اپنی دنیوی اغراض وابستہ رکھتے ہیں، مثلاً اس لئے زکاۃ وعشر دیتے ہیں، تاکہ یہ ہمارے فرمانبردار و تابعدار رہیں، اور ہمارا کام ٹھیک کرتے رہیں، اور ہمارے احسان مند رہیں۔

اس قسم کی اغراض درست نہیں، اگر مزدوری یا حقُ الخدمت کا معاوضہ بنا کر زکاۃ وعشر کا مال دیا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نهر (قوله لا يجوز إجماعا) لعل وجهه أن العشر مصرفه مصرف الزكاة لأنه زكاة الخارج، ولا يكون الإنسان مصرفا لزكاة نفسه بخلاف الخراج، فإنه ليس زكاة ولذا يوضع على أرض الكافر هذا ما ظهر لي تأمل (ردالمحتار، ج۴ص ۱۹۳، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب في خراج المقاسمة)

مذکورہ عبارات میں عشر کے ترک کی صورت میں خود رکھنے کے بالاجماع ناجائز ہونے کا حکم مذکور ہے، اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی گئی ہے کہ انسان اپنی زکاۃ کی طرح عشر کا خود مصرَف نہیں ہوسکتا؛ بخلاف خراج کے۔

مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''اسلام کا نظامِ اراضی'' صفحہ ۱۹۷ پر عشر کے احکام ومسائل اور خراج کے مصارف کے ضمن میں اور رسالہ ''نور السراج فی احکام العشر والخراج'' یعنی ''عشر وخراج کے احکام'' ملحقہ جواہرُ الفقہ جلد سوم، صفحہ ۳۷۹، میں خراج کے مصارف کے ضمن میں بھی مذکورہ تفصیل کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور بعض حضرات نے جو سلطان یا عامِل کے فقیر سے عشر نہ لینے کو جائز قرار دیا ہے، اولاً تو اس کا مرجوح ہونا مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوچکا، اور دوسرے ان حضرات نے اس کی بھی یہ تعلیل بیان کی ہے کہ سلطان کا ترک کرنا ایسا ہے، جیسا کہ اس سے لے کر اس کی طرف صرف کردینا۔

وإن كان من عليه العشر فقيرا محتاجا إلى العشر، فترك ذلك عليه جائز وكان صدقة عليه، فيجوز كما لو أخذ منه، ثم صرفه إليه كذا في الذخيرة (الفتاوىٰ الهندية، ج۲ص ۲۴۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في العشر والخراج)

لہٰذا اس سے سلطان کے معاف کئے بغیر خود سے رکھ لینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

پس بعض حضرات کا فقیر ہونے کی صورت میں خود سے اپنے عشر کو استعمال کرلینے اور اس سے عشر کے معاف ہونے کا قول درست معلوم نہیں ہوتا، اور خراج کے خود رکھنے کا حکم آگے ''خراج کے بیان'' میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

گیا، تب تو زکاۃ وعشر کی ادائیگی ہوگی ہی نہیں، اور اگر باقاعدہ معاوضہ تو نہیں بنایا، لیکن دنیاوی اغراض وابستہ رکھیں، تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل نہ کر سکے گا، اگرچہ بعض صورتوں میں زکاۃ وعشر کا فریضہ ذمہ سے ادا ہو جائے گا (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۲۵...... اگر مسجد کے امام ومؤذن مالدار وصاحبِ نصاب ہیں، تو ان کو زکاۃ وعشر دینا بہرحال جائز نہیں، اور اگر وہ فقیر وغریب ہوں، تو اگر اذان وامامت کی تنخواہ ومعاوضہ کے طور پر ان کو زکاۃ وعشر دیا جائے، تو بھی ناجائز ہے، کیونکہ زکاۃ وعشر کو معاوضہ میں دینا جائز نہیں، اور اگر معاوضہ کے بغیر دیا جائے، تو پھر جائز ہے، جبکہ وہ مستحق ہوں۔

ملحوظ رہے کہ جن علاقوں میں مؤذن اور امام کی تقرری کے وقت زکاۃ وعشر کا لینا دینا طے ہوتا ہے، وہ تو بہرحال ناجائز ہے ہی، اور جہاں طے نہ ہو، مگر اس طرح معروف اور رائج ہو کہ دینے والے امام یا مؤذن کو دینا لازم سمجھتے ہوں، اور امام ومؤذن اس کو اپنا حق سمجھتے ہوں، کہ اگر انہیں نہ ملے، تو اعتراض ہوتا ہو، اور وہ اپنا کام جاری رکھنے پر آمادہ نہ ہوتے ہوں، تو یہ بھی جائز نہیں "لان المعروف کالمشروط" (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۲۶...... جو مال غریب کو زکاۃ وعشر میں مالکانہ طریقہ پر دے دیا گیا، اور پھر وہ غریب اپنی خوشی سے وہ مال کسی مالدار کو ہبہ کرے، تو مالدار کے لئے وہ مال جائز ہے، اور اگر ہبہ کئے بغیر ویسے ہی مباح کرے یا کھلائے پلائے، تو مالدار کے لئے اس کے جائز وناجائز ہونے کے دونوں قول ہیں، ایک قول کی رُو سے گنجائش ہے، جس کی دلیل بھی مضبوط ہے، اور اس پر عمل کرنا بھی آسان ہے، اور اس کے جواز اور دلائل کی تفصیل ہم نے اپنے مستقل رسالہ "غریب کو حاصل شدہ مالِ زکاۃ کا امیر کو استعمال کرنا" میں ذکر کر دی ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۷...... اکثر فقہائے کرام یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکاۃ وعشر کا مال جس علاقہ یا جس جگہ میں ہو، عام حالات میں اس مال کی زکاۃ وعشر اسی علاقہ یا جگہ میں رہنے والے فقراء ومستحقین کو دینا چاہئے، اگرچہ اس مال کا مالک کسی اور علاقہ وجگہ میں کیوں نہ رہتا

ہو، یعنی اس سلسلہ میں اعتبار زکاۃ وعشر کے مال والے علاقہ وجگہ کا ہوتا ہے، اس مال کے مالک کے علاقہ وجگہ کا اعتبار نہیں ہوتا (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۲۸...... جس علاقہ وجگہ میں زکاۃ وعشر کا مال ہے، اگر اس علاقہ وجگہ میں زکاۃ وعشر کے مستحق لوگ نہ ہوں، تو ایسی صورت میں زکاۃ وعشر کو دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ میں منتقل کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔

لیکن اگر اس علاقہ وجگہ میں ضرورت مند، مستحق موجود ہوں، تو انہیں چھوڑ کر، دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ کے لوگوں کو زکاۃ وعشر دینے سے حنفیہ کے نزدیک زکاۃ وعشر کی ادائیگی تو ہو جاتی ہے، مگر یہ مکروہ ونامناسب طریقہ کہلاتا ہے۔

البتہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ کے لوگوں کو زکاۃ وعشر دے، مثلاً جن کو زکاۃ وعشر دے، وہ لوگ اس کے غریب و مستحق رشتہ دار ہوں، یا وہ لوگ زیادہ ضرورت مند یا زیادہ نیک صالح ہوں، یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہو، تو دوسرے علاقہ وجگہ کے ان لوگوں کو زکاۃ وعشر بھیجنے اور دینے میں کوئی حرج وخرابی نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان غیر مسلم ملک میں رہتا ہے، اگر وہ زکاۃ وعشر اسلامی ملک میں بھیج کر ادا کرے یا کوئی شخص دوسرے علاقہ وجگہ کے زیادہ ضرورت مند دینی مدارس کے طلبہ کے لئے بھیج دے، تو بھی بلا کراہت جائز ہے۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مخصوص صورتوں کے علاوہ عام حالات میں زکاۃ وعشر کو کسی دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ میں ادا کرنا یا بھیجنا جائز نہیں، بالخصوص جبکہ وہ جگہ شرعی مسافت سے زیادہ مقدار کے فاصلہ پر ہو (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۲۹...... پیداوار پر عشر ادا نہ کیا تو پیداوار غلہ وغیرہ حرام تو نہ ہوگا، لیکن عشر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا (ایضاً)

مسئلہ نمبر ۳۰...... اگر کسی شخص پر عشر واجب تھا، اور اس نے عشر ادا نہیں کیا تھا، پھر وہ فوت

ہو گیا، اور اس نے عشر ادا کرنے کی وصیت بھی نہیں کی، تو وہ حنفیہ کے نزدیک گناہ گار ہو کر فوت ہوتا ہے، لیکن وارثوں پر اس کے مال میں سے عشر ادا کرنا لازم نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ مال کہ جس میں عشر واجب تھا، موجود ہو، تو پھر اس میں سے بغیر وصیت کے بھی عشر ادا کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۱...... اگر وقت پر عشر ادا نہیں کیا، تو جتنی پیداوار عشر کی بنتی تھی؛ حساب کر کے اتنی مقدار میں وہ جنس یا غلہ ہی ادا کر دے، اور اگر نقدی کی شکل میں اس کا عشر ادا کیا جائے، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر واجب ہونے والے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے عشر واجب ہوگا۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عشر ادا کرنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے عشر واجب ہوگا۔ [2]

مسئلہ نمبر ۳۲...... عشر واجب ہونے کے وقت کا اصول سونے چاندی کی زکاۃ واجب ہونے کی طرح نہیں ہے کہ سال میں ایک مرتبہ واجب ہو، بلکہ اس کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے، جب بھی زمین سے قابلِ عشر پیداوار حاصل ہوگی، اسی وقت عشر واجب ہوگا، خواہ سال میں ایک مرتبہ حاصل ہو، یا دو مرتبہ حاصل ہو یا ایک سال سے زیادہ عرصہ میں صرف ایک مرتبہ حاصل ہو۔

پس اس بنا پر اگر کوئی درخت سال میں کئی مرتبہ قابلِ عشر پھل دیتا ہو، تو جتنی مرتبہ پھل حاصل

---

[1] وكـذلک تسقط هذه الزكاة عند الحنفية خلافا للجمهور بموت المالک من غير وصية، إذا كـان استهـلک الخارج، كما في بقية أنواع الزكاة .أمـا إن كـان الخارج قائما بعينه، فيؤدي العشر مـنـه فی ظاهر الرواية عند الحنفية(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج۳ص ۱۹۱۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[2] حنفیہ کے مشہور قاعدہ کے مطابق اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح حاصل ہے، لیکن بعض حضرات نے صاحبین (یعنی امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ) کے قول کو اظہر وراجح قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت ان میں سے کسی ایک قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ہماری دوسری کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'')

ہوگا، ہر مرتبہ اس کا عشر واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی زمین میں سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ، ایک قسم کی یا ایک سے زیادہ اقسام کی قابلِ عشر کاشت کی جائے، تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۲/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ 27/اکتوبر/2014ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] حدثنا ابن مبارک، عن ابن لهيعة، قال: حدثني عبد الله بن أبي جعفر؛ أن عمر بن عبد العزيز كتب: إذا أخذ من الزرع العشر، فليس فيه زكاة، وإن مكث عشر سنين(مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۰۲۰۵، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في مال اليتيم زكاة؟ ومن كان يزكيه؟)

شروط وجوب الزكاة في الزروع والثمار:

لا يشترط الحول في زكاة الزروع والثمار اتفاقا، لقوله تعالى: (وآتوا حقه يوم حصاده)ولأن الخارج نماء في ذاته فوجبت فيه الزكاة فورا كالمعدن، بخلاف سائر الأموال الزكوية فإنما اشترط فيها الحول ليمكن فيه الاستثمار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۸۱،مادة "زكاة")

وزكاة الزروع والثمار تدفع من غلاتها عند تكرر الإنتاج ولو تكرر مراراً في العام الواحد، فلا يشترط حولان الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۸۳،۲۸۴،مادة "زكاة")

(قوله: وحولان حول) حتى لو أخرجت الأرض مرارا وجب في كل مرة لإطلاق النصوص عن قيد الحول ولأن العشر في الخارج حقيقة فيتكرر بتكرره وكذا خراج المقاسمة؛ لأنه في الخارج فأما خراج الوظيفة فلا يجب في السنة إلا مرة؛ لأنه ليس في الخارج بل في الذمة بدائع (رد المحتار، ج۲ص ۳۲۶، كتاب الزكاة، باب العشر)

والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو أخرجت الأرض في السنة مرارا يجب العشر في كل مرة؛ لأن نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولأن العشر في الخارج حقيقة فيتكرر الوجوب بتكرر الخارج.

وكذلك خراج المقاسمة؛ لأنه في الخارج فأما خراج الوظيفة فلا يجب في السنة إلا مرة واحدة؛ لأن ذلك ليس في الخارج بل في الذمة عرف ذلك بتوظيف عمر -رضي الله عنه- وما وظف في السنة إلا مرة واحدة(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲،ص ۶۲، كتاب الزكاة)

وإن أخرجت الأرض مثلي الخراج فصاعدا يؤخذ منه جميع الخراج، وإن أخرجت قدر الخراج يؤخذ نصفه تحرزا عن الإجحاف بأحد الجانبين(الاختيار لتعليل المختار، ج۴،ص ۱۴۳، كتاب السير، فصل الخراج)

کتابِ دوم

زمین یا اس کی پیداوار

کے

خراج کے احکام

زمین یا اس کی پیداوار کے خراج کی حقیقت
خراج کے احکام اور خراج کے مصارِف سے متعلق فقہی مباحث

مصنّف

مفتی محمد رضوان

خراج اور اس کے مترادف الفاظ کے معنیٰ

''خراج'' کا لفظ عربی زبان میں لفظِ ''خروج'' سے بنا ہے، جس کے لغت میں معنیٰ ''نکلنے'' کے آتے ہیں۔

اور خراج کا اطلاق ''اجرت'' یا ''کرائے'' کے لئے بھی ہوتا ہے۔

اور خراج کا لفظ بول کر ''ٹیکس'' بھی مراد لیا جایا کرتا ہے۔ [1]

اور فقہی زبان میں خراج کے عام معنیٰ ''اس مال کے آتے ہیں، جس کو حکومت کی طرف سے لوگوں پر بطور ٹیکس کے مقرر کیا جاتا ہے''۔

اور فقہی زبان میں خراج کے خاص معنیٰ ''اس ٹیکس کے آتے ہیں، جو حکومت کی طرف سے خراجی زمین پر عائد کیا جاتا ہے''۔

اور یہاں خراج سے ہماری مراد یہی ہے۔ [2]

---

[1] الخراج لغة، من خرج يخرج خروجا أى برز والاسم الخراج، وأصله ما يخرج من الأرض . والجمع أخراج، وأخاريج، وأخرجة .
ويطلق الخراج على الغلة الحاصلة من الشيء كغلة الدار، والدابة، ومنه قول النبى صلى الله عليه وسلم :الخراج بالضمان .
ويطلق الخراج أيضا على الأجرة، أو الكراء ، ومنه قوله تعالى :(فهل نجعل لک خرجا على أن تجعل بيننا وبينهم سدا)وقوله تعالى :(أم تسألهم خرجا فخراج ربک خير).
والخرج والخراج بمعنى واحد عند أبى عبيدة والليث وهو الأجرة .وفرق أبو عمرو بن العلاء بينهما، فقال الخرج ما تبرعت به أو تصدقت به، والخراج ما لزمک أداؤه.
ويطلق الخراج أيضا على الإتاوة، أو الضريبة التى تؤخذ من أموال الناس، فيقال خارج السلطان أهل الذمة، إذا فرض عليهم ضريبة يؤدونها له كل سنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۱و ۵۲، مادة ''خراج'')

[2] للخراج فى اصطلاح الفقهاء معنيان عام وخاص.
فالخراج -بالمعنى العام -هو الأموال التى تتولى الدولة أمر جبايتها وصرفها فى مصارفها .وأما الخراج -بالمعنى الخاص -فهو الوظيفة أو (الضريبة) التى يفرضها الإمام على الأرض الخراجية النامية .وعرفه كل من الماوردى وأبى يعلى بأنه (ما وضع على رقاب الأرض من حقوق تؤدى عنها)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۲، مادة ''خراج'')

اور اس خراج کو فقہی زبان میں ''زمین کا ٹیکس'' بھی کہا جاتا ہے۔

اور اس کو دوسرے لفظوں میں ''زمین کا مخصوص کرایہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ [1]

اور عربی زبان میں ایک لفظ ''فیٔ'' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، مگر یہ لفظ خراج کے مقابلے میں زیادہ عام ہے، جس میں ''جزیہ'' بھی داخل ہے۔

جزیہ اور خراج میں یہ فرق ہے کہ خراج زمین کے رقبہ پر لاگو کیا جاتا ہے، اور جزیہ عموماً اشخاص و افراد پر لاگو کیا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] الألفاظ التي تطلق على الخراج:
أطلق الفقهاء على الخراج -بالمعنى الخاص -عدة ألفاظ ومصطلحات منها:
أ -جزية الأرض:
يطلق على الخراج جزية الأرض كما يطلق على الجزية خراج الرأس، وذلک لأن اللفظين يشتركان فی معنى، وهو أن كلا منهما مال يؤخذ من الذمی.
ب -أجرة الأرض:
أطلق أبو عبيد وغيره من العلماء على الخراج "أجرة الأرض "وذلک لأن الخراج المفروض على الأرض الخراجية النامية بمثابة الأجرة لها .فالإمام يقف الأرض المفتوحة عنوة على جميع المسلمين، ويتركها فی أيدی أهلها يزرعونها بخراج معلوم.
ج -الطسق:
أول من استعمل هذه اللفظة فی الإسلام الإمام عمر بن الخطاب رضى الله عنه حيث كتب إلى عثمان بن حنيف رضى الله عنه فی رجلين من أهل الذمة أسلما، كتابا جاء فيه :(ارفع الجزية عن رء وسهما وخذ الطسق عن أرضيهما) وبوب أبو عبيد فی كتاب الأموال بابا باسم (أرض العنوة تقر فی يد أهلها ويوضع عليها الطسق وهو الخراج).
والطسق كلمة فارسية معربة يراد بها الوظيفة المقررة على الأرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۵۲،و۵۳،مادة "خراج")

[2] أ -الغنيمة:
الغنيمة فی الاصطلاح :اسم للمأخوذ من أهل الحرب على سبيل القهر والغلبة، والخراج كما تقدم، الوظيفة التی يفرضها الإمام على الأرض الخراجية.
ب -الفیء :
الفیء فی الاصطلاح :هو كل مال صار للمسلمين من الكفار من غير قتال .والفیء ضربان: أحدهما :ما انجلوا عنه أی هربوا عنه :خوفا من المسلمين، أو بذلوه للكف عنهم والثانی :ما أخذ من غير خوف كالجزية، والخراج الصلحی، والعشور.والفیء أعم من الخراج.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراج کا اجراء و مشروعیت

خراج کا باضابطہ اجراء حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا، جس پر بعد کے فقہائے کرام اور امت نے اتفاق کیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج -الجزية:

الجزية مال يوضع على الرء وس لا على الأرض، والخراج يوضع على رقبة الأرض.

د -الخمس:

الخمس فى الاصطلاح :هو اسم للمأخوذ من الغنيمة، والركاز وغيرهما مما يخمس.

هـ -العشر:

العشر فى الاصطلاح :هو اسم للمأخوذ من المسلم فى زكاة الأرض العشرية .والعشر يتفق مع خراج المقاسمة فى أنهما يجبان فى الخارج من الأرض الزراعية.

ويختلفان فى محلهما، فمحل العشر الأرض العشرية التى يملكها مسلم، ومحل الخراج الأرض الخراجية.(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۵۳،مادة "خراج")

[1] الخراج فى الإسلام:

لما آلت الخلافة إلى عمر بن الخطاب رضى الله عنه، وازدادت الفتوحات الإسلامية، واتسعت رقعة الدولة، وزادت نفقاتها، رأى عمر رضى الله عنه أن لا يقسم الأرض المفتوحة عنوة بين الفاتحين، بل يجعلها وقفا على جميع المسلمين ويضرب على من يقوم بزراعتها خراجا معلوما . فوافقه بعض الصحابة، وخالفه آخرون فى بداية الأمر.

قال أبو يوسف:وشاورهم فى قسمة الأرضين التى أفاء الله على المسلمين من أرض العراق والشام فتكلم قوم فيها، وأرادوا أن يقسم لهم حقوقهم وما فتحوا .فقال عمر رضى الله عنه :فكيف بمن يأتى من المسلمين فيجدون الأرض بعلوجها قد اقتسمت وورثت عن الآباء وحيزت، ما هذا برأى. فقال له عبد الرحمن بن عوف رضى الله عنه :فما الرأى؟ ما الأرض والعلوج إلا مما أفاء الله عليهم. فقال عمر :ما هو إلا كما تقول، ولست أرى ذلك، والله لا يفتح بعدى بلد فيكون فيه كبير نيل، بل عسى أن يكون كلا على المسلمين .فإذا قسمت أرض العراق بعلوجها،وأرض الشام بعلوجها، فما يسد به الثغور، وما يكون للذرية والأرامل بهذا وبغيره من أرض الشام والعراق؟ فأكثروا على عمر رضى الله عنه، وقالوا :أتقف ما أفاء الله بأسيافنا على قوم لم يحضروا ولم يشهدوا، ولأبناء القوم ولآباء أبنائهم ولم يحضروا؟ .

وقد ذكر أبو يوسف رحمه الله أن بلال بن رباح كان من أشد الصحابة وأكثرهم تمسكا بالرأى المخالف، حتى قال عمر رضى الله عنه :اللهم اكفنى بلالا وأصحابه "ومكثوا فى ذلك يومين أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورخراج اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں باضابطہ عملی طریقہ پر جاری کیا گیا،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ثلاثة أو دون ذلك وعمر رضی الله عنه يحاجهم إلى أن وجد ما يؤيد رأيه في كتاب الله تعالى، فقال :قد وجدت حجة، قال تعالى في كتابه :(وما أفاء الله على رسوله منهم فما أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شيء قدير)حتى فرغ من شأن بنی النضير فهذه عامة في القرى كلها .ثم قال تعالى :(ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كى لا يكون دولة بين الأغنياء منكم وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب)ثم قال (للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون)ثم لم يرض حتى خلط بهم غيرهم فقال :(والذين تبوء وا الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون)فهذا فيما بلغنا -والله أعلم- للأنصار خاصة، ثم لم يرض حتى خلط بهم غيرهم فقال :(والذين جاء وا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رء وف رحيم)فكانت هذه عامة لمن جاء بعدهم، فقد صار الفيء بين هؤلاء جميعا فكيف نقسمه لهؤلاء، وندع من تخلف بعدهم بغير قسم؟ .قالوا :فاستشر .فاستشار المهاجرين الأولين فاختلفوا، فأما عبد الرحمن بن عوف رضی الله عنه فكان رأيه أن يقسم لهم حقوقهم .ورأى عثمان وعلى وطلحة وابن عمر رضی الله عنهم رأى عمر .فأرسل إلى عشرة من الأنصار :خمسة من الأوس، وخمسة من الخزرج من كبرائهم وأشرافهم فلما اجتمعوا حمد الله وأثنى عليه بما هو أهله ثم قال :إنى لم أزعجكم إلا لأن تشتركوا في أمانتى فيما حملت من أموركم، فإنى واحد كأحدكم، وأنتم اليوم تقرون بالحق، خالفنى من خالفنى، ووافقنى من وافقنى، ولست أريد أن تتبعوا هذا الذى هو هواى، معكم من الله كتاب ينطق بالحق، فوالله لئن كنت نطقت بأمر أريده ما أريد به إلا الحق ."قالوا: نسمع يا أمير المؤمنين .قال :قد سمعتم كلام هؤلاء القوم الذين زعموا أنى أظلمهم حقوقهم .وإنى أعوذ بالله أن أركب ظلما، لئن كنت ظلمتهم شيئا هو لهم وأعطيته غيرهم لقد شقيت ولكن رأيت أنه لم يبق شيء يفتح بعد كسرى، وقد غنمنا الله أموالهم، وأرضهم، وعلوجهم، فقسمت ما غنموا من أموال بين أهله وأخرجت الخمس فوجهته على وجهه وأنا في توجيهه، وقد رأيت أن أحبس الأرضين بعلوجها، وأضع عليهم فيها الخراج، وفي رقابهم الجزية يؤدونها فتكون فيئا للمسلمين، المقاتلة والذرية ولمن يأتى من بعدهم .أرأيتم هذه الثغور لا بد لها من رجال يلزمونها، أرأيتم هذه المدن العظام -كالشام، والجزيرة والكوفة، والبصرة، ومصر -لا بد لها من أن تشحن بالجيوش، وإدرار العطاء عليهم، فمن أين يعطى هؤلاء إذا قسمت الأرضون والعلوج؟ فقالوا جميعا :الرأى رأيك فنعم ما قلت وما رأيت إن لم تشحن هذه الثغور وهذه المدن بالرجال وتجرى عليهم ما يتقوون به رجع أهل الكفر إلى مدنهم فقال :قد بان لي الأمر، فمن رجل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس کے دلائل قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔ [1]

اوراس کے علاوہ مصلحت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ خراج کا حکم لاگو کیا جائے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

له جزالة، وعقل، يضع الأرض مواضعها، ويضع على العلوج ما يحتملون؟ فاجتمعوا على عثمان بن حنيف وقالوا :تبعثه إلى أهم من ذلك، فإن له بصرا وعقلا وتجربة فأسرع إليه عمر فولاه مساحة أرض السواد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٩ ص ٥٤،الیٰ ،ص ٥٦،مادة "خراج")

[1] أدلة مشروعية الخراج:

يستند اجتهاد الإمام عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى تشريع الخراج إلى القرآن الكريم والسنة النبوية والمصلحة.

القرآن الكريم :بينت الآيات السابقة التى احتج بها الإمام عمر بن الخطاب رضى الله عنه، حكم مسألة وقف أرض السواد على جميع المسلمين.

السنة النبوية:

أ -روى مسلم عن أبى هريرة رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم منعت العراق درهمها وقفيزها، ومنعت الشام مديها ودينارها، ومنعت مصر إردبها ودينارها، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم شهد على ذلك لحم أبى هريرة ودمه.

وهذا الحديث من أعلام النبوة لإخباره بما سيكون من ملك المسلمين هذه الأقاليم ووضعهم الجزية والخراج، ثم بطلان ذلك ووجه الاستدلال بهذا الحديث أن النبى صلى الله عليه وسلم قد علم أن الصحابة رضوان الله عليهم سيضعون الخراج على الأرض ولم يرشدهم إلى خلاف ذلك، بل قرره وحكاه لهم، ولذلك قال يحيى بن آدم :يريد من هذا الحديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر القفيز والدرهم قبل أن يضعه عمر على الأرض .

ب -روى أبو داود عن سهل بن أبى حثمة قال :قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر نصفين، نصفا لنوائبه وحاجته، ونصفا بين المسلمين قسمها بينهم على ثمانية عشر سهما.

فالحديث فيه تصريح بما وقع من النبى صلى الله عليه وسلم فى شأن خيبر حيث وقف نصفها لمصلحة المسلمين .وكذلك الحكم بالنسبة للأرض المفتوحة عنوة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٩ ص ٥٦،٥٧،مادة "خراج")

[2] المصلحة:

رأى أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه أن من المصلحة عدم تقسيم الأراضى المفتوحة عنوة، ووقفها على جميع المسلمين وضرب الخراج عليها .وأهم ما تقضى به المصلحة فى ذلك.

أ -تأمين مورد مالى ثابت للأمة الإسلامية بأجيالها المتعاقبة ومؤسساتها المختلفة:

نظر عمر بن الخطاب رضى الله عنه إلى مستقبل الأمة الإسلامية وأجيالها القادمة، فرأى أن كثيرا منها سيقع فى شظف العيش والحرمان، إذا ما قسمت تلك الأراضى المفتوحة عنوة ووزعت على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراج کے لئے اہلیت

خراج اس زمین پر واجب ہوتا ہے، جو کہ خراجی کہلاتی ہے، خواہ اس کا مالک مسلم ہو یا غیر مسلم، بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ہو یا مجنون، عورت ہو یا مرد۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الفاتحين .ولهذا رأى عدم التقسيم، ووقف الأرضين، وضرب الخراج عليها ليكون موردا ماليا ثابتا للأجيال القادمة.

وقال :لولا أن أترك آخر الناس ببانا ليس لهم من شيء ما فتحت على قرية إلا قسمتها كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر، ولكن أتركها خزانة لهم.

ب -توزيع الثروة وعدم حصرها في فئة معينة:

كما أشار إليه قوله تعالى :(كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم)

وقد أشار معاذ بن جبل رضي الله عنه على عمر رضي الله عنه، لما رأى إصرار بعض الصحابة على التقسيم بقوله :والله إذا ليكونن ما تكره .إنك إن قسمتها صار الريع العظيم في أيدي القوم يبيدونه فيصير ذلك إلى الرجل الواحد، أو المرأة الواحدة، ثم يأتي من بعدهم قوم يسدون من الإسلام مسدا، فلا يجدون شيئا، فانظر أمرا يسع أولهم وآخرهم فرضي عمر قول معاذ، فوقف الأرض على المسلمين وضرب عليها الخراج، وأصبح ينفق منه على مصالح المسلمين جميعا بما فيهم الفقراء والأغنياء .

ج -عمارة الأرض بالزراعة وعدم تعطيلها:

إن عمارة الأرض بالزراعة والانتفاع بما في باطنها من معادن مطلوب من الناس عامة، ومن المسلمين خاصة، فهو من مقتضيات الاستخلاف العام للناس في الأرض (وإذ قال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة).

وكان قصد عمر بن الخطاب رضي الله عنه من ضرب الخراج أن تبقى الأرض عامرة بالزراعة فأهلها أقدر من الغانمين على ذلك لتوفر الخبرة والقدرة على الزراعة، ولذلك قال في أهلها : يكونون عمار الأرض فهم أعلم بها وأقوى عليها .

وقد سلك عمر رضي الله عنه في ذلك مسلك النبي صلى الله عليه وسلم فلما فتحت خيبر وصارت الأرض والأموال المغنومة تحت يده ولم يكن له من العمال ما يكفون عمارة الأرض وزراعتها، دفعها إلى أهلها على أن يزرعوها ولهم نصف ثمرتها .وبقيت على ذلك طيلة حياة النبي صلى الله عليه وسلم وحياة أبي بكر الصديق رضي الله عنه .حتى أجلاهم عمر رضي الله عنه إلى الشام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۷،۵۸،مادة "خراج")

[۱] الحكم التكليفي للخراج:

الخراج واجب على كل من بيده أرض خراجية نامية سواء أكان مسلما، أم كافرا، صغيرا أم كبيرا، عاقلا، أم مجنونا، رجلا، أم امرأة، وذلك لأن الخراج مئونة الأرض النامية، وهم في حصول النماء سواء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۶،مادة "خراج")

زمین سے خراج لئے جانے کی دو قسمیں

(خراجِ وظیفہ، خراجِ مقاسمہ)

فقہائے کرام نے مختلف جہات سے خراج کی متعدد قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

پس زمین سے جو خراج لیا جاتا ہے، اس کے اعتبار سے خراج کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ کہ جس میں نقدی وغیرہ کی شکل میں متعین رقم مقرر کی جایا کرتی ہے۔

اور دوسرے وہ کہ جس میں ایسے مخصوص رقبہ کی اجرت ومعاوضہ میں زمین کی پیداوار کو مقرر کیا جاتا ہے۔ [1]

پہلی قسم کے خراج کو عربی زبان میں ''خراجُ الوظیفہ'' اور ''خراجُ المقاطعہ'' کہا جاتا ہے۔

اور ''خراجُ المساحۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

یہ خراج وہ ہوتا ہے، جس میں ایسی زمین پر کہ جس میں فصل و پیداوار ممکن ہو، ایک مخصوص مقدار سالانہ حساب سے رقم کی شکل میں مقرر کردی جاتی ہے، خواہ عملی طور پر اس زمین میں فصل و پیداوار نہ بھی ہو۔ [2]

---

[1] أنواع الخراج: قسم الفقهاء الخراج -باعتبارات مختلفة -إلى أنواع:
فقسموه -باعتبار المأخوذ من الأرض -إلى خراج وظيفة، ومقاسمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۸، مادة "خراج")

[2] خراج الوظيفة والمقاسمة:
أ -خراج الوظيفة:
يسمى هذا النوع أيضا خراج المقاطعة وخراج المساحة؛ لأن الإمام ينظر إلى مساحة الأرض ونوع ما يزرع عند توظيف الخراج عليها.
وهو أن يكون الواجب شيئا فى الذمة يتعلق بالتمكن من الزراعة، حتى لو لم يقع الزرع بالفعل فيجب الخراج على مالك الأرض؛ لأن التمكن من الانتفاع قائم وهو الذى قصر فى تحصيله . فيتحمل نتيجة تقصيره.
وهذا النوع من الخراج هو الذى وظفه أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه على أرض السواد، ومصر، والشام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۸، ۵۹، مادة "خراج")

اور دوسری قسم کے خراج کو عربی زبان میں ''خراج المقاسمہ'' کہا جاتا ہے۔

یہ خراج زمین سے عملی طور پر پیداوار ہونے کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے، اور پیداوار کا کوئی مخصوص حصہ، مثلاً چوتھائی یا پانچواں حصہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ [1]

پہلی قسم کا خراج سال میں ایک مرتبہ وصول کیا جاتا ہے، خواہ سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ اس زمین میں فصل پیدا ہو، کیونکہ اس کا تعلق زمین سے ہے، پیداوار سے نہیں ہے۔

جبکہ دوسری قسم کا خراج اس وقت وصول کیا جاتا ہے، جب زمین سے فصل پیدا ہو، خواہ سال میں ایک مرتبہ پیدا ہو، یا ایک سے زیادہ مرتبہ، کیونکہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے، زمین سے نہیں ہے۔ [2]

---

[1] ب -خراج المقاسمة:هو :أن يكون الواجب جزء ا شائعا من الخارج من الأرض، كالربع والخمس وما أشبه ذلك.

وهذا النوع من الخراج يتعلق بالخارج من الأرض لا بالتمكن، فلو عطل المالك الأرض لا يجب الخراج .

وقد حدث هذا النوع فى عهد المهدى بن المنصور العباسى (عام ۱۶۹ھـ) حيث قرره بدلا من خراج الوظيفة الذى كان معمولا به منذ زمن عمر بن الخطاب رضى الله عنه.قال يحيى بن آدم فى كتاب الخراج :(أما مقاسمة السواد فإن الناس سألوها السلطان فى آخر خلافة المنصور (عام ۱۵۸ھـ) فقبض قبل أن يقاسموا، ثم أمر المهدى بها فقوسموا فيها دون عقبة حلوان)

أما الماوردى وأبو يعلى الفراء فقد ذكرا وجها آخر فى سبب تغيير خراج الوظيفة الذى فرضه عمر بن الخطاب رضى الله عنه إلى خراج مقاسمة حيث قالا :(ولم يزل السواد على المساحة والخراج إلى أن عدل بهم الخليفة المنصور فى الدولة العباسية عن الخراج إلى المقاسمة؛ لأن السعر نقص، فلم تف الغلات بخراجها، وخرب السواد، فجعله مقاسمة، وأشار وزير المهدى أن يجعل أرض الخراج مقاسمة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۵۹،مادة ''خراج'')

[2] والفرق بين خراج الوظيفة، وخراج المقاسمة أيضا، أن خراج الوظيفة يؤخذ مرة واحدة فى السنة، ولا يتكرر بتكرر الخارج من الأرض.

أما خراج المقاسمة فيتكرر أخذه بتكرر الخارج من الأرض(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۵۹،مادة ''خراج'')

زمین کے اعتبار سے خراج کی دو قسمیں
(خراجِ صلحی، خراجِ عنوی)

اور زمین کے اعتبار سے جو خراج مقرر کیا جاتا ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔[1]

پس زمین کے اعتبار سے خراج مقرر کئے جانے کی ایک قسم تو یہ ہے کہ مسلمان، کسی جگہ کے غیر مسلموں سے اس بات پر صلح کرلیں کہ غیر مسلم اپنی زمینوں پر قائم وقابض رہیں گے، اور وہ اس کے عوض میں مسلمانوں کو مخصوص مقدار میں خراج ادا کریں گے۔

اس طرح کے خراج کو عربی زبان میں **''خراجِ صلحی''** کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ خراج دراصل صلح کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے۔[2]

اور زمین کے اعتبار سے خراج مقرر کئے جانے کی دوسری قسم یہ ہے کہ مسلمان، غیر مسلموں کے کسی علاقہ کو غلبہ پاکر فتح حاصل کرلیں، اور اس علاقہ کی جگہ کو امیرُ المومنین مسلمانوں پر وقف کردے۔

اس قسم میں وہ خراج بھی داخل ہے، جو غیر مسلموں کے اس علاقہ کی زمین پر لاگو کیا جاتا ہے کہ جن غیر مسلموں کو مسلمانوں کی طرف سے خوف وگھبراہٹ لاحق ہونے کی وجہ سے جلاوطن کردیا جائے۔

نیز اس قسم میں وہ خراج بھی داخل ہے کہ جو غیر مسلموں سے صلح کے نتیجہ میں اس شرط پر مقرر کیا

---

[1] وقسموه -باعتبار الأرض التي تخضع للخراج إلى خراج عنوی، وصلحي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۸،مادة "خراج")

[2] الخراج الصلحي والعنوى:

أ -الخراج الصلحي:

هو :(الخراج الذى يوضع على الأرض التى صولح عليها أهلها على أن تكون الأرض لهم، ويقرون عليها بخراج معلوم) قال الباجي :(فما صالحوا على بقائه بأيديهم من أموالهم فهو مال صلح، أرضا كان أو غيره)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۵۹، ۶۰،مادة "خراج")

جائے کہ ان کی زمین مسلمانوں کے لئے ہوگی، اور وہ غیر مسلم لوگ اس زمین کو اپنی تحویل میں رکھتے ہوئے ایک مقرر خراج ادا کریں گے۔

اس طرح کے خراج کو عربی زبان میں ''خراجِ عنوی '' کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ غلبہ حاصل کرنے کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے۔ [1]

خراجی زمین کی انواع

فقہائے کرام نے خراجی زمین کی تین انواع بیان کی ہیں۔

خراجی زمین کی ایک نوع وہ ہے کہ غیر مسلموں سے ان کی زمین پر مسلمان صلح کرلیں، اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک وہ کہ خراج غیر مسلموں سے اس طرح کی صلح کے نتیجہ میں مقرر کیا جائے کہ اس زمین کے مالک وہی غیر مسلم شمار ہوں گے، اور مسلمانوں کو اس کے عوض میں خراج ادا کریں گے، تو اس طرح کی زمین کے مالکان وہی غیر مسلم کہلاتے ہیں، اور یہ زمین خراجی کہلاتی ہے۔

---

[1] اور عربی زبان میں ''عنوۃ'' غلبہ کو کہا جاتا ہے۔

ب -الخراج العنوی:

هو الخراج الذی یوضع علی الأرض التی افتتحت عنوة بعد أن وقفها الإمام علی جمیع المسلمین. ویدخل فی هذا النوع الخراج الذی یوضع علی الأرض التی جلا عنها أهلها خوفا وفزعا من المسلمین .وكذا الخراج الذی یوضع علی الأرض التی صولح أهلها علی أن تكون للمسلمین ویقرون علیها بخراج معلوم.

قال الباجی :(وما صالحوا به أو أعطوه علی إقرارهم فی بلادهم وتأمینهم كان أرضا أو غیره) ، فإنه لیس بمال صلح، ولو أن أهل حرب قوتلوا حتی صالحوا علی أن لا یكون لهم فی الأرض حق ویؤمنون علی الخروج من البلد أو المقام به علی الذمة، لما كانت تلك أرض صلح، وإنما تكون أرض صلح ما صولحوا علی بقائها بأیدیهم سواء تقدم ذلك حرب، أو لم یتقدمه حرب.

وأما العنوة فهی الغلبة، فكل مال صار للمسلمین علی وجه الغلبة من أرض أو عین دون اختیار من غلب علیه من الكفار فهو أرض عنوة سواء دخلنا الدار غلبة، أم أجلوا عنها مخافة المسلمین، تقدمت فی ذلك حرب، أم لم تتقدم، أقر أهلها فیها أم نقلوا عنها . .وقال أیضا :(ومرادنا بالصلح والعنوة أن الأرض آل حالها إلی أن استقرت بأیدی أربابها بصلح صالحوا علیها أو زال عنها ملكهم بالعنوة والغلبة)(الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج ۱۹ ص ۶۰ ،مادة "خراج")

اور دوسری صورت یہ ہے کہ خراج غیر مسلموں سے اس طرح کی صلح کے نتیجہ میں مقرر کیا جائے کہ ان کی زمین مسلمانوں کی مملوک ہوگی، لیکن وہ غیر مسلم لوگ اس زمین پر قائم رہیں گے، اور متعین خراج ادا کریں گے، یہ زمین بھی خراجی کہلاتی ہے۔ ۱

خراجی زمین کی دوسری نوع وہ ہے کہ جس زمین کے مالکان غیر مسلم ہوں، اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو خوف وگھبراہٹ لاحق ہونے کی وجہ سے بغیر قتال کے جلاوطن کردیا جائے، تو یہ زمین بھی خراجی کہلاتی ہے، اور یہ زمین حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک صرف غلبہ پالینے کے نتیجہ میں تمام مسلمانوں پر وقف شمار ہوتی ہے۔ ۲

خراجی زمین کی تیسری نوع وہ ہے کہ جس کو مسلمانوں نے غلبہ پاکر فتح کیا ہو، ایسی زمین کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض فقہائے کرام اس طرح کی زمین کو فاتحین وغانمین میں تقسیم کے واجب ہونے کے قائل ہیں، اور بعض اس کو وقف کرنے کے وجوب کے قائل ہیں، جبکہ بعض ان دونوں باتوں میں امیر المومنین کو اختیار حاصل ہونے

---

۱ أنواع الأرض الخراجية:
النوع الأول :الأرض التى صالح المسلمون أهلها عليها وهى نوعان:
الأول :أن يقع الصلح على أن الأرض لأهلها، وللمسلمين الخراج، فهى مملوكة لأهلها وتعتبر أرضا خراجية.
والثانى :أن يقع الصلح على أن الأرض للمسلمين ويقر أهلها عليها بخراج معلوم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۶۰ ،مادة "خراج")

۲ النوع الثانى :الأرض التى جلا عنها أهلها خوفا وفزعا وبدون قتال .فهى أرض خراجية وتصير وقفا على جميع المسلمين بمجرد الاستيلاء عليها عند جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية وأحمد فى رواية، وذلك لأنها فىء وليست غنيمة .
وذهب أحمد فى رواية ثانية إلى أن حكمها حكم الأرض المفتوحة عنوة فلا تصير وقفا على المسلمين إلا بوقف الإمام لها؛ لأنها مال ظهر عليه المسلمون بقوتهم فلا يكون وقفا بنفس الاستيلاء كالمنقول .
أما أرض العرب فكلها أرض عشرية، لأن النبى عليه الصلاة والسلام والخلفاء الراشدين لم يأخذوا الخراج من أرض العرب، ولأنه بمنزلة الفىء فلا يثبت فى أراضيهم، كما لا تثبت الجزية فى رقابهم، وانظر مصطلح :(أرض، وأرض العرب)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۶۰، ۶۱ ،مادة "خراج")

کے قائل ہیں۔ [1]

زمین پر خراج لاگو ہونے کی شرائط

(خراجی و نامی ہونا)

جس زمین پر خراج لاگو کیا جائے، اس کے لئے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط:...... کسی زمین پر خراج لاگو ہونے کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ زمین خراجی ہو۔

اور جو زمین خراجی نہ ہو، بلکہ عشری ہو، جیسا کہ غیر مسلموں کی وہ زمین کہ جن کے مالکان خود اپنی رضا وخوشی سے اسلام لے آئیں، تو ایسی زمین پر خراج لاگو نہیں ہوا کرتا۔ [2]

دوسری شرط:...... کسی زمین پر خراج لاگو ہونے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ زمین ''نامی'' ہو۔

اور نامی کے معنیٰ ہیں بڑھوتری والی۔

اور زمین کا نامی یعنی بڑھوتری والی ہونا بعض اوقات حقیقی ہوتا ہے، بایں طور کہ اس زمین میں

---

[1] النوع الثالث :الأرض التی افتتحها المسلمون عنوة:
اختلف الفقهاء فی تقسیم الأرض التی افتتحت عنوة بین الفاتحین.
فیری بعضهم وجوب تقسیمها، ویری آخرون وقفها، ویری بعضهم تخییر الإمام بین هذین الأمرین (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۹ ۱ ص ۱ ۲ ،مادة ''خراج'')

[2] شروط الأرض التی تخضع للخراج:
الشرط الأول :أن تکون الأرض خراجیة.
اتفق الفقهاء علی أن الأرض التی تخضع لوظیفة الخراج، لا بد أن تکون خراجیة، ولذا فلا تجب وظیفة الخراج علی الأرض العشریة، کالأرض التی أسلم علیها أهلها طوعا.
والأرض الخراجیة :هی الأرض التی صولح علیها أهلها، وکذا الأرض التی جلا عنها أهلها خوفا وفزعا من المسلمین، والأرض التی فتحت عنوة وترکها الإمام فی أیدی أهلها یزرعونها وینتفعون بها بخراج معلوم، سواء أسلم أهلها بعد فتحها أو لم یسلموا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۹ ۱ ص ۱ ۲ ،مادة ''خراج'')

بالفعل غلہ موجود ہو، جیسا کہ وہ زمین جس میں پھلدار درخت موجود ہوں۔

اور بعض اوقات زمین کا نامی یعنی بڑھوتری والی ہونا حقیقی کے بجائے تقدیری (یعنی قدرت والی ہونا) ہوتا ہے، بایں طور کہ وہ زمین صاف ستھری، قابلِ زراعت ہو اور اس کی مٹی میں کھیتی اُگنے کی صلاحیت ہو اور اس کو پانی بھی پہنچتا ہو۔ ۱؎

اور اسی وجہ سے خراج ایسی زمین پر واجب نہیں ہوا کرتا، جس میں رہائش گاہیں اور گھر وغیرہ قائم ہوں، اور نہ ہی خراج ایسی بنجر زمین پر واجب ہوا کرتا ہے کہ جس میں کھیتی کی صلاحیت نہ ہو، بایں طور کہ وہ پانی والی جگہ سے دور واقع ہو، جہاں پانی نہ پہنچتا ہو، یا دلدل والی جگہ ہو، جس میں کاشت کاری کر کے انتفاع حاصل نہ کیا جا سکتا ہو، تو ایسی زمین پر خراج واجب نہیں ہوا کرتا۔ ۲؎

۱؎ الشرط الثانی :أن تكون الأرض الخراجية نامية.
اتـفـق الـفـقـهاء على اشتراط هذا الشرط، فلا تخضع الأرض الخراجية لوظيفة الخراج إلا إذا كانت نامية.
والـنـمـاء إما أن يكون حقيقيا، بأن تكون الأرض مغلة بالفعل، كأن تكون مزروعة بالأشجار المثمرة كالنخيل والعنب وغيرهما.
وإمـا أن يـكـون الـنماء تقديريا، بأن تكون الأرض بيضاء صالحة للزراعة .وصـلاحيتها للزراعة بأن تـكـون تـربتهـا قـابـلـة للزراعة، وأن ينالها الماء (الـمـوسـوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۶۱، مادة "خراج")

۲؎ ولـذا فـلا يـجـب الـخـراج فى الأرض المبنية مساكن ودورا، ولا فى الأرض الموات التى لا تـصلح للزراعة، كأن تكون نزة -لا تمسک الماء -أو سبـخة، لعدم الانتفاع بها فى الزراعة، ولأن عمر رضى الله عنه لم يدخلها فى الوقف، ولم يفرض عليها الخراج .
روى أبو عبيد عن عبد الله الثقفى قال :وضع عمر بن الخطاب رضى الله عنه على أهل السواد على كـل جـريـب عامر أو غامر درهما وقفيزا، وعلى جريب الرطبة خمسة دراهم وخمسة أقفزة، وعلى جريب الشجرة عشرة دراهم وعشرة أقفزة
وقد علق أبو عبيد على هذا الحديث بقوله :(وفى تأويل حديث عمر من العلم أنه جعل الخراج على الأرضين التى تغل من ذوات الحب والثمار، والتى تصلح للغلة من العامر والغامر، وعطل من ذلک المساكن والدور التى هى منازلهم فلم يجعل عليها فيها شيئا).
ولأن الـخـراج بـمـثـابة أجـرة الأرض ومـا لا مـنفعة فيـه لا أجر لـه (الـمـوسـوعة الـفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۶۱، ۶۲، مادة "خراج")

غیر مسلم کا عشری اور مسلم کا خراجی زمین خریدنا

عشری زمین کے غیر مسلم کی طرف منتقل ہونے کی تحقیق پہلے عشر کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی عشری زمین مسلمان کی ملکیت ہو، تو اس زمین کا غیر مسلم کو فروخت کرنا اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ [1]

جہاں تک غیر مسلم کے اس زمین کو خریدنے کے بعد اس سے پیدا ہونے والی فصل یا پیداوار پر عشر یا خراج واجب ہونے نہ ہونے کا تعلق ہے، تو شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق نہ تو اس پر خراج واجب ہوگا، اور نہ ہی عشر واجب ہوگا۔ [2]

جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے نزدیک وہ زمین خراجی بن جائے گی، اور اس پر خراج واجب

---

[1] البتہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک مسلمان کو اپنی عشری زمین کا غیر مسلم کو فروخت کرنا مکروہ یا ممنوع ہے۔

انتقال الأرض العشرية إلى الذمي، وما يجب فيها:

ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة إلى جواز بيع الأرض العشرية من الذمي، إلا أن الحنابلة قالوا بالجواز مع الكراهة لإفضائه إلى إسقاط عشر الخارج منها.

واستدلوا لما ذهبوا إليه من جواز بيع الأرض العشرية للذمي؛ بأنها مال مملوك للمسلم كسائر أملاكه فلا يمنع من بيعه للذمي أو غيره.

وذهب مالك وأحمد في رواية إلى منع المسلم من بيعها إلى الذمي؛ لأن بانتقالها إلى الذمي يسقط العشر فيتضرر الفقراء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

[2] وأما بالنسبة إلى الوظيفة المفروضة على أهل الذمة إذا تملكوا الأرض العشرية، فقد اختلف الفقهاء فيها على النحو التالي:

ذهب الشافعية والحنابلة في الرواية الراجحة عندهم، والثوري، وشريك وأبو عبيد إلى أن الأرض لا تصير خراجية بمجرد انتقالها إلى الذمي ولا يفرض عليها عشر، ولا خراج لفقد موجبهما.

فالخراج يجب على الأرض التي خضعت للمسلمين بالغلبة، أو الصلح ولا يجب بالبيع ولا بمجرد انتقالها إلى ذمي.

والعشر يجب في الخارج من الأرض العشرية على المسلم، ولا يجب على الذمي؛ لأن العشر عبادة، والذمي ليس من أهلها.

كما قاسوا هذه المسألة على مسألة انتقال الحيوانات السائمة إلى الذمي فكما تسقط زكاة السائمة بانتقالها إلى الذمي، يسقط العشر عن الأرض العشرية بانتقالها إلى الذمي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۶۳، "مادة: خراج")

ہوگا، عشر واجب نہیں ہوگا۔ [1]

اور امام مالک کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اور امام ابو یوسف کے نزدیک مذکورہ صورت میں دوہرا عشر یا دو عشر واجب ہوں گے، ایک اس زمین کے بنیادی طور پر عشری ہونے کی وجہ سے، دوسرے اس زمین کے غیر مسلم کی ملکیت میں داخل ہونے کی وجہ سے۔ [2]

اور امام محمد کے نزدیک مذکورہ صورت میں بنیادی طور پر عشری ہونے کی حیثیت سے ایک ہی عشر واجب ہوگا، نہ تو دو عشر واجب ہوں گے، اور نہ ہی خراج واجب ہوگا۔ [3]

---

[1] وذهب أبو حنيفة وزفر إلى أنها تصير خراجية، ويؤخذ من الذمي الذى انتقلت إليه الخراج لا العشر؛ لأن العشر في معنى العبادة، والذمي ليس من أهلها فلا يجب عليه العشر كما لا تجب عليه الزكاة المعهودة، ولهذا لا تجب عليه ابتداء .وإذا تعذر إيجاب العشر وجب الخراج إذ لا بد من فرض وظيفة على الأرض في دار الإسلام.

واختلفت الرواية عن أبي حنيفة في وقت صيرورتها خراجية، ففي رواية تصير خراجية بالشراء . وفي رواية أخرى لا تصير خراجية ما لم يوضع عليها الخراج، وإنما يؤخذ الخراج إذا مضت من وقت الشراء مدة يمكنه أن يزرع فيها، سواء زرع أم لم يزرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩، ص ٦٣، "مادة: خراج")

[2] وذهب مالك وأحمد في رواية وأبو يوسف إلى أنها تعتبر خراجية ويؤخذ من الذمي العشر مضاعفا، كما فعل عمر رضي الله عنه مع نصارى تغلب .ولأن انتقالها إلى الذمي يؤدي إلى إسقاط العشر، وهذا يؤدي إلى الإضرار بالفقراء ، فإذا تعرض أهل الذمة لذلك ضوعف عليهم العشر كما لو اتجروا بأموالهم إلى غير بلدهم ضوعفت عليهم الزكاة فأخذ منهم نصف العشر .ويوضع المأخوذ منهم موضع الخراج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩، ص ٦٣، "مادة: خراج")

[3] البتہ امام محمد کے نزدیک اس عشر کے مصرف میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت کے مطابق اس کا مصرف حقیقی عشر والا ہوتا ہے، یعنی اس کو صدقہ کے مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے، اور دوسری روایت کے مطابق اس کا مصرف خراج والا ہوتا ہے۔

وذهب محمد بن الحسن الشيباني إلى أنها تبقى عشرية، ولا يؤخذ منهم سوى العشر، وذلك لأن الأصل أن كل أرض ابتدأت بضرب حق عليها لا يتبدل الحق بتبدل المالك، كالخراج، والجامع بينهما أن كل واحد منهما مئونة الأرض لا تعلق له بالمالك، حتى يجب في أرض غير مملوكة، فلا يختلف باختلاف المالك.

واختلفت الرواية عن محمد بن الحسن في موضع المأخوذ ومصرفه، فقيل :يوضع موضع الصدقة لأنه قدر الواجب لم يتغير عنده، فلم تتغير صفته أيضا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ مسئلہ بھی پہلے عشر کے بیان میں گزر چکا ہے کہ اگر کوئی زمین غیر مسلم کی ملکیت میں خراجی تھی، جس کو مسلمان نے خرید لیا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ زمین خراجی ہی رہتی ہے، عشری نہیں بنتی۔ [1]

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس طرح کی زمین سے پیدا ہونے والی فصل میں عشر اور خراج دونوں واجب ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وروى عنه أنه يوضع موضع الخراج، لأن مال الصدقة لا يؤخذ منه لكونه مالا مأخوذا من كافر، فيوضع موضع الخراج.

وذهب ابن أبى ليلى إلى وجوب العشر والخراج معا، فأما العشر فاستصحابا، وأما الخراج فغرم يلحقه بمصيرها إليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۶۳، ۶۴، "مادة: خراج")

[1] ولو اشترى مسلم من ذمى أرضا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية؛ لأن الأصل أن مؤنة الأرض لا تتغير بتبدل المالك إلا لضرورة وفى حق الذمى إذا اشترى من مسلم أرض عشر ضرورة؛ لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر فأما المسلم فمن أهل وجوب الخراج فى الجملة فلا ضرورة إلى التغيير بتبدل المالك (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۵۵، كتاب الزكاة، فصل زكاة الزروع و الثمار، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية)

زكاة الأرض الخراجية :اختلف الفقهاء فى الأرض الخراجية إذا صارت ملكا لمسلم، هل تبقى وظيفتها الخراج فقط، أو يجتمع فيها العشر والخراج أو يبدل خراجها بعشر؟

قال الحنفية:إن كانت الأرض خراجية يجب فيها الخراج، ولا يجب فى الخارج منها العشر، فالعشر والخراج لا يجتمعان فى أرض واحدة(الفقه الاسلامى وادلتہٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۰۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[2] وقال الأئمة الثلاثة:يجتمع فى الخارج من أرض الخراج العشر والخراج.

الأدلة:

استدل الحنفية بما يأتى:

أـ ما روى عن ابن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :لا يجتمع عشر وخراج فى أرض مسلم .

ب ـ لم يأخذ أحد من أئمة العدل وولاة الجور من أرض سواد العراق عشرا، فالقول بوجوب العشر مع الخراج يخالف الإجماع، فيكون باطلا.

جـ ـ إن سبب كل من الخراج والعشر واحد، وهو الأرض النامية، فلا يجتمعان فى أرض واحدة، كما لا يجتمع زكاتان فى مال واحد، وهى زكاة السائمة والتجارة.

واستدل الجمهور بما يأتى:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بنجر زمین کے آباد کرنے پر خراج کا حکم

جو زمین بنجر ہو، اور اس میں کاشت کاری کی صلاحیت نہ ہو، اگر اس کو غیر مسلم شخص، مسلمان حکومت کی اجازت سے آباد کر لے، تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ زمین غیر مسلم کی ملکیت میں داخل ہونے کی وجہ سے خراجی کہلائے گی۔

جبکہ بعض فقہائے کرام اسلامی ملک کی بنجر زمین کو غیر مسلم کی طرف سے آباد کر کے اس کے مالک ہونے کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أــ بعموم الآيات والأحاديث المتقدمة التي ذكرتها في فرضية زكاة الأرض، والتي تدل على الوجوب، سواء أكانت الأرض خراجية أم عشرية.

ب ــ بأن الخراج والعشر حقان مختلفان ذاتا ومحلا وسببا ومصرفا ودليلا، أما اختلافهما ذاتا فلأن العشر فيه معنى العبادة، والخراج فيه معنى العقوبة، وأما اختلافهما محلا فلأن العشر يجب في الخارج، والخراج يتعلق بالذمة .أما اختلافهما سببا فلأن سبب العشر نفس الخارج، فلا يجب بدونه، وسبب الخراج :الأرض النامية أي الصالحة للزراعة، بدليل وجوبه وإن لم تزرع الأرض.

وأما اختلافهما مصرفا :فلأن مصرف العشر الفقراء، ومصرف الخراج المصالح العامة أو المقاتلة.

وأما اختلافهما دليلا، فلأن دليل العشر النص، ودليل الخراج الاجتهاد المبني على مراعاة المصالح.

وإذا ثبت اختلافهما من هذه الوجوه، فلا مانع من اجتماعهما، فوجوب أحدهما لا يمنع وجوب الآخر، كاجتماع الجزاء والقيمة في الصيد الحرمي المملوك.

والراجح هو رأي الجمهور بسبب ضعف حديث الحنفية، ولأن الخراج واجب اجتهادي لتقوية جماعة المسلمين وسد الحاجات العامة، وأن العشر واجب ديني على المسلمين، فلا تنافي بينهما .

وليس في الخراج معنى العقوبة، إذ لو كان عقوبة لما وجب على المسلم كالجزية.

وصرح الحنفية كابن عابدين (رد المحتار ۲/ ۶۷) وغيره بأن الأراضي الخراجية في مصر والشام، حيث صارت لبيت المال سقط عنها الخراج، لعدم من يجب عليه، والمأخوذ منها الآن أجرة لا خراج، ويصير العشر هو الواجب فيها(الفقه الاسلامي وادلتہٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۰۴ الیٰ ۱۹۰۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

[1] إحياء الأرض الموات:

إذا كان المحيي للأرض الموات ذميا، فيرى بعض الفقهاء جواز ذلک -بإذن الإمام -سواء أكانت هذه الأرض ضمن دار الإسلام، أم دار العهد، ولا فرق بينه وبين المسلم في ذلک إلا في وظيفة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراجِ وظیفہ ومقاسمہ کی مقدار

حنفیہ کے نزدیک جو ٹیکس زمین کی مقدار کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے، اس کی مقدار ایک جریب (جس کا ذکر آگے آتا ہے) زمین پر عام دانہ دار اجناس پیدا ہونے کی صورت میں ایک درہم (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی یا اس کی مالیت) اور ایک قفیز (یعنی تقریباً ساڑھے تین سیر) گندم یا جَو ہے یا اتنی ہی مقدار پیدا ہونے والی اس زمین کی جنس سے ہے، اور سبزی و ترکاری کے ایک جریب پر پانچ درہم (یا اتنی مالیت کی کوئی چیز) اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو، فی جریب دس درہم (یا اتنی مالیت کا) خراج ہوتا ہے۔

اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ جو دوسری اجناس ہوتی ہیں، جیسا کہ زعفران اور روئی وغیرہ، تو ان میں حسبِ قدرت وطاقت ٹیکس لگایا جائے گا۔

خراج کی اس قسم کو خراجِ مؤظف یا خراجِ وظیفہ بھی کہا جاتا ہے۔

لیکن اس ٹیکس کی مقدار اتنی نہیں ہونی چاہئے کہ جو پیداوار کی مالیت کے نصف حصہ سے زیادہ ہوجائے، بلکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار کے نصف حصہ تک گنجائش ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأرض، فالمسلم يجب عليه فى بعض الحالات العشر، أما الذمى فلا يجب عليه سوى الخراج لأنه أليق بحاله .

ويرى آخرون عدم جواز إحياء الذمى أرض الموات فى بلاد العرب .ويرى بعضهم عدم جواز إحياء الذمى أرض الموات فى دار الإسلام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۶۴،مادة "خراج")

[1] مقدار الخراج :ذهب الحنفية إلى أنه يجب فى كل جريب يصلح للزراعة قفيز ودرهم، وفى جريب الرطبة (الفصفصة) خمسة دراهم، وفى جريب الكرم (العنب) عشرة دراهم.

وما سوى ذلك من الأصناف كالزعفران، والقطن وغيرها، يوضع عليها بحسب الطاقة.

ونهاية الطاقة أن يبلغ الواجب نصف الخارج، ولا يزاد عليه؛ لأن التنصيف عين الإنصاف .

واستدلوا برواية أبى عبيد عن محمد بن عبد الله الثقفى قال :وضع عمر على أهل السواد على كل جريب عامر أو غامر درهما وقفيزا، وعلى جريب الحنطة خمسة دراهم وخمسة أقفزة، وعلى جريب الشجرة عشرة دراهم وعشرة أقفزة، وعلى جريب الكرم عشرة دراهم وعشرة أقفزة -قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح عام حالات میں خراجِ وظیفہ یا خراجِ موظف پیداوار کے پانچویں حصہ سے کم مقرر نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر مثلاً زمین میں پیداوار کے کم اور اس پر محنت یا اخراجات زیادہ آنے کی وجہ سے پانچواں حصہ بھی ادا کرنے کی قدرت نہ ہو، اور پانچواں حصہ ادا کرنے سے ضرر لاحق ہوتا ہو، تو پانچویں حصہ سے کم مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ولم يذكر النخل -وعلى رء وس الرجال ثمانية وأربعين، وأربعة وعشرين، واثنى عشر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۶۴،مادة "خراج")

أناط الفقهاء بالجريب من الأرض مقدار الخراج الموظف، فذهب الحنفية إلى أنه يجب فى كل جريب من الأرض صالح للزراعة فى كل سنة قفيز ودرهم مما يزرع فيها، وفى جريب الرطبة خمسة دراهم، وفى جريب الكرم والنخل المتصل عشرة دراهم، وما سوى ذلك من المزروعات يوضع عليها بحسب الطاقة بما لا يزيد على نصف الناتج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص۳۱۴،۳۱۵، مادة "مقادير")

ل (وينقص مما وظف) عليها (إن لم تطق) بأن لم يبلغ الخارج ضعف الخراج الموظف فينقص إلى نصف الخارج وجوبا وجوازا عند الإطاقة، وينبغى أن لا يزاد على النصف ولا ينقص عن الخمس حدادى (الدر المختار)

(قوله وينبغى أن لا يزاد على النصف إلخ) هذا فى خراج المقاسمة ولم يقيد به لانفهامه من التعبير بالنصف والخمس فإن خراج الوظيفة ليس فيه جزء معين تأمل.

قال فى النهر :وسكت عن خراج المقاسمة، وهو إذا من الإمام عليهم بأراضيهم ورأى أن يضع عليهم جزء ا من الخارج كنصف أو ثلث أو ربع، فإنه يجوز ويكون حكمه حكم العشر ومن حكمه أن لا يزيد على النصف وينبغى أن لا ينقص عن الخمس قاله الحدادى اهـ وبه علم أن قول الشارح : وينبغى مذكور فى غير محله لأن الزيادة على النصف غير جائزة كما مر التصريح به فى قوله ولا يزاد عليه وكأن عدم التنقيص عن الخمس غير منقول فذكره الحدادى بحثا، لكن قال الخير الرملى :يجب أن يحمل على ما إذا كانت تطيق، فلو كانت قليلة الريع كثيرة المؤن ينقص، إذ يجب أن يتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة كما فى أرض العشر (رد المحتار، ج۴، ص۱۸۸، كتاب الجهاد،فصل فى كيفية القسمة ، مطلب فى خراج المقاسمة)

قال الرملى وهو كالموظف مصرفا وكالعشر مأخذا لا فرق فيه بين الرطاب والزرع والكرم والنخل المتصل وغيره فيقسم الجميع على حسب ما تطيق الأرض من النصف أو الثلث أو الربع أو الخمس وقد تقرر أن خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر ويتكرر الخارج فى السنة وإنما يفارقه فى المصرف فكل شيء يؤخذ منه العشر أو نصفه يؤخذ منه خراج المقاسمة وتجرى الأحكام التى قررت فى العشر فيه وفاقا وخلافا ثم بحث أنها لو لم تطق الخمس لقلة الريع وكثرة المؤن ينقص وأنه لو وقع الرضى على دراهم معينة أو على عدد الأشجار ينبغى الجواز (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۵، ص ۱۱۶ ،كتاب السير، باب العشر و الخراج و الجزية)

ملحوظ رہے کہ جریب حنفیہ کے نزدیک ساٹھ مربع ذراع کا ہوتا ہے۔ ۱

اور جو خراج پیداوار کے تناسب سے عائد کیا جاتا ہے، وہ خراجِ مقاسمہ کہلاتا ہے، جیسا کہ پیداوار کا تیسرا یا پانچواں یا چھٹا حصہ، جس مقدار کو بھی امیرُ المومنین طے کرنا مناسب سمجھے۔ ۲

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سے مختلف ہیں۔ ۳

---

۱ الجريب لغة :قال الفيومى :الجريب الوادى، ثم استعير للقطعة المتميزة من الأرض، فقيل : فيها جريب، وجمعها أجربة وجربان بالضم، ويختلف مقدارها بحسب اصطلاح أهل الأقاليم كاختلافهم فى مقدار الرطل والكيل والذراع.

ثم قال :وفى كتاب المساحة للسموء ل :الجريب عشرة آلاف ذراع، وجريب الطعام أربعة أقفزة، قاله الأزهرى.والجريب فى اصطلاح الفقهاء مقدار من المساحة وعامتهم على أن مساحته ثلاثة آلاف وستمائة ذراع.

إلا أن الحنفية قالوا :إن الجريب ستون ذراعا فى ستين ذراعا بذراع كسرى، وهو سبع قبضات، والقبضة أربع أصابع، قال الحصكفى :وقيل :المعتبر فى الذراع فى كل بلدة عرفهم .

وذهب المالكية إلى أن الجريب ستون ذراعا فى ستين ذراعا بالذراع الهاشمية، وهى ذراع وثلث بذراع اليد، والذراع الهاشمى ست قبضات، والقبضة أربع أصابع وقال القليوبى :الجريب هو ثلاثة آلاف ذراع وستمائة ذراع، ولعل هذا فى اصطلاح الفقهاء بناء على أن القصبة ستة أذرع فقط .

وذهب الحنابلة إلى أن الجريب عشر قصبات فى عشر قصبات، والقصبة ستة أذرع بذراع عمر رضى الله عنه، المعروف بالذراع الهاشمية، وهى ذراع وسط أى بيد الرجل المتوسط الطول، وقبضة وإبهام قائمة، فيكون الجريب ثلاثة آلاف ذراع وستمائة ذراع مكسرا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص ۳۱۴، مادة "مقادير")

۲ الخراج :وهو ما وضع على رقاب الأرض من حقوق تؤدى عنها.

وهو إما أن يكون خراج الوظيفة الذى يفرض على الأرض بالنسبة إلى مساحتها ونوع زراعتها، وإما أن يكون خراج المقاسمة الذى يفرض على الخارج من الأرض كالخمس أو السدس أو نحو ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۳۴ ،مادة " أهل")

وأما خراج المقاسمة وهو كون الواجب جزء ا شائعا من الخارج كثلث وسدس ونحوهما فعلى الخلاف كذا فى شرح درر البحار(ردالمحتار، ج۲ص ۳۳۴، كتاب الزكاة، باب العشر)

تقدير خراج المقاسمة مفوض لرأى الإمام(ردالمحتار، ج۴ص ۱۸۵ ، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية)

۳ وذهب مالك إلى عدم التقيد بتقدير إمام من الأئمة السابقين، فلم يأخذ بأى رواية من الروايات السابقة، وإنما قال :المرجع فيه إلى قدر ما تحتمله الأرض من ذلك لاختلافها فى حواصلها، ويجتهد الإمام فى تقدير ذلك مستعينا عليه بأهل الخبرة.واستدلوا برواية أبى عبيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہندوستان و پاکستان کی زمینوں میں خراج کی قسم ومقدار کے متعلق جواہرالفقہ میں ہے کہ:

ہندوستان اور پاکستان میں خراجی زمینوں پر خراج کس قسم کا عائد ہے؟ خراجِ مقاسمہ یا مؤظف ،اس کا مدار اُن احکام کے معلوم ہونے پر ہے کہ جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں، اراضیٔ سندھ کے متعلق تو مستند علمائے سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراجِ مقاسمہ مقرر ہے، جو محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا تھا، اور وہ خراجِ مقاسمہ خمس ہے، یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ (رسالہ'' نور السراج فی احکام العشر والخراج''یعنی'' عشر وخراج کے احکام''ملحقہ جواہرُ الفقہ جلدسوم،صفحہ۳۸۱)

اُس زمانے میں ملتان، بہاولپور اور پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أيضا من حديث الشعبي أن عمر بعث ابن حنيف إلى السواد فطرز الخراج فوضع على جريب القصب ستة دراهم، وعلى جريب النخل ثمانية دراهم، وعلى جريب الكرم عشرة دراهم، وعلى جريب الزيتون اثني عشر .ووضع على الرجل الدرهم والدرهمين في الشهر. وذهب الشافعية إلى أن قدر الخراج في كل سنة، ما فرضه عثمان بن حنيف لما بعثه عمر ماسحا وهو على كل جريب شعير درهمان، وعلى كل جريب حنطة أربعة دراهم .وعلى كل جريب شجر، وقصب سكر ستة دراهم، وعلى كل جريب نخل ثمانية دراهم، وعلى كل جريب كرم عشرة دراهم، وعلى كل جريب زيتون اثنا عشر درهما .

وذهب الحنابلة إلى أنه يجب في كل جريب درهم وقفيز، وعلى جريب النخل ثمانية دراهم، وعلى جريب الرطبة ستة دراهم.

واحتجوا بما رواه عمرو بن ميمون حيث قال :شهدت عمر بن الخطاب رضي الله عنه -وأتاه ابن حنيف -فجعل يكلمه، فسمعته يقول :وضعت على كل جريب من الأرض درهما وقفيزا من طعام لا يشق ذلك عليهم ولا يجهدهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩ ص٦٥ ،مادة "خراج")

وذهب المالكية إلى أن على كل جريب من البر ثمانية وأربعين درهما، وعلى كل جريب من الشعير أربعة وعشرين درهما، وعلى كل جريب من التمر ستة.

وذهب الشافعية إلى أن الخراج الموظف على الأرض في كل سنة هو ما فرضه عثمان بن حنيف، وهو على كل جريب شعير درهمان، وعلى كل جريب حنطة أربعة دراهم، وعلى كل جريب شجر وقصب سكر ستة دراهم، وعلى كل جريب نخل ثمانية دراهم، وعلى كل جريب كرم عشرة دراهم، وقيل النخل عشرة، وعلى كل جريب زيتون اثنا عشر درهما.

وذهب الحنابلة إلى أن الواجب في كل سنة على جريب الزرع درهم وقفيز، وعلى جريب الكرم عشرة دراهم، وعلى كل جريب نخل ثمانية دراهم، وعلى كل جريب رطبة ستة دراهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨ص٣١٥، مادة "مقادير")

تھے، ان کا بھی یہی حکم ہوگا، بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخلِ سندھ اور اس کا جزو قرار دیا گیا تھا۔

اس لئے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا خاص علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجہ کو پہنچ جائے، تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا (ایضاً صفحہ ۳۸۲،۳۸۳) [۱]

خراج کی مقدار میں کمی، زیادتی کرنے کا حکم

خراج کی جو مقدار مقرر کردی گئی، کیا اُس میں حکومتِ وقت کو ضرورت و مصلحت کے تحت کمی یا زیادتی کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق حکومتِ وقت کو اس طرح کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق کمی کرنا تو جائز ہے، اور اضافہ کرنا جائز نہیں۔ [۲]

---

[۱] البتہ موجودہ دور کے بعض علمائے ہند نے حساب کی سہولت کے پیشِ نظر ہندوستان کی تمام خراجی زمینوں میں خراجِ مقاسمہ کا حکم لگایا ہے، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ جن اراضی کے بارے میں خراجِ مقاسمہ کا طے ہونا ثابت ہے، ان میں تو وہی ہوگا، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراجِ مؤظف کی ادائیگی لازم ہوگی (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلے، ص ۶۱، ۶۲، چھٹے فقہی سیمینار کے فیصلے، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

[۲] اور امام احمد کی ایک دوسری روایت کے مطابق اضافہ کرنا جائز ہے، کمی کرنا جائز نہیں۔

یہ بات معلوم ہوچکی کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے اگر مسلم حکومت کی طرف سے مندرجہ بالا کسی ایک قول کے مطابق بھی عمل کیا جائے، تو وہ حکمِ حاکم یا قضائے قاضی کی وجہ سے معتبر ہوجائے گا۔

الزيادة والنقصان على ما وظفه عمر رضى الله عنه :اختلف الفقهاء الذين أخذوا بتقديرات عمر رضى الله عنه للخراج فى جواز الزيادة والنقصان على ما وظفه عمر.فذهب الشافعية والإمام أحمد فى رواية، ومحمد بن الحسن، وأبو يوسف فى رواية إلى جواز الزيادة والنقصان؛ لأن الخراج مبنى على طاقة الأرض وقدرتها على التحمل .واستدلوا لذلک بما روى عن عمر رضى الله عنه حيث قال لعثمان بن حنيف، وحذيفة بن اليمان :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراج کی مقدار مقرر کرنے میں قابلِ لحاظ امور

فقہائے کرام نے خراج کی مقدار مقرر کرتے وقت کئی باتوں کا لحاظ کرنے کا ذکر فرمایا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی بات جس کا خراج مقرر کرتے وقت لحاظ کرنا چاہئے، وہ زمین کی نوعیت کا لحاظ ہے کہ زمین کی نوعیت کیسی ہے؟ آیا کہ عمدہ اور زرخیز ہے، یا ردی اور کمزور ہے؟

دوسری بات جس کا خراج مقرر کرتے وقت لحاظ کرنا چاہئے، یہ ہے کہ جس زمین میں سال بھر کاشت کاری ہوتی ہو، اس کا خراج ایسی زمین کے مقابلہ میں زیادہ ہونا چاہئے کہ جس زمین میں سال میں ایک مرتبہ ہی کاشت کاری ہوتی ہو۔

پھر اس کے بعد یا تو پیداوار کا ایک مخصوص حصہ خراج کے لئے مقرر کردیا جائے، یا پھر زمین کے ایک مخصوص حصہ کی پیداوار کو خراج کے لئے مقرر کردیا جائے، اور یا زمین کے ایک مخصوص حصہ پر خراج کی مقدار کو نقدی وغیرہ کی شکل میں مقرر کردیا جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(لعلكما حملتما الأرض ما لا تطيق) فإذا كانت الأرض تطيق الزيادة يزاد بقدر الطاقة، كما إذا كانت لا تطيق تلك الوظيفة لقلة ريعها فتنقص .

وذهب أبو حنيفة وأبو يوسف فى رواية ثانية إلى جواز النقصان دون الزيادة، لقول عثمان بن حنيف، وحذيفة لعمر بن الخطاب :(ولو زدنا لأطاقت) فلم يزد عمر مع أنه أخبر بأن الأرض تطيق الزيادة .

وذهب أحمد فى رواية ثانية إلى جواز الزيادة دون النقصان، لقول عثمان بن حنيف لعمر :والله لو زدت عليهم لأجهدتهم فدل على إباحة الزيادة ما لم يجهدهم، ولأن الإمام ناظر فى مصالح المسلمين كافة، فجاز له الزيادة فيه دون النقصان وذهب أحمد فى رواية ثالثة، إلى عدم جواز الزيادة والنقصان لأن اجتهاد عمر رضى الله عنه أولى من غيره، إذ هو كالإجماع لعدم إنكار الصحابة عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩ ص٦٥،٦٦،مادة "خراج")

[1] ما يراعى عند تقدير الخراج:

ينبغي لواضع الخراج أن ينظر إلى تربة الأرض، ومدى إنتاجيتها وخصوبتها، فما يوضع على الأرض الجيدة يختلف عما يوضع على الأرض الرديئة.

وما يوضع على الأرض التى تزرع فى كل عام، يختلف عما يوضع على الأرض التى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تیسری بات جس کا خراج مقرر کرتے وقت لحاظ کرنا چاہئے، یہ ہے کہ خراج مقرر کرتے وقت زمین پر آنے والے اخراجات کو ملحوظ رکھا جائے۔

چنانچہ جو زمین بارانی یا نہری ہو، جس کو سیراب کرنے کے لئے جسمانی و مالی بوجھ لازم نہ آتا ہو، اس کا خراج ایسی زمین کے مقابلے میں زیادہ مقرر کیا جائے گا کہ جس کو سیراب کرنے کے لئے جسمانی یا مالی بوجھ لازم آتا ہو، مثلاً اسے پانی حاصل کرنے کے لئے بجلی وغیرہ کا بل ادا کرنا پڑتا ہو یا کسی سے پانی خرید کر، اس کو سیراب کرنا پڑتا ہو، یا کنویں وغیرہ سے پانی کھینچ کر سیراب کرنا پڑتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ [1]

چوتھی بات جس کا خراج مقرر کرتے وقت لحاظ کرنا چاہئے، یہ ہے کہ خراج کی جتنی مقدار ایسی زمین پر مقرر کی جائے کہ جس میں گندم یا جو وغیرہ کی کاشت کاری کی جائے، اس کی مقدار ایسی زمین سے مختلف ہونی چاہئے کہ جس میں پھل دار درخت کی کاشت کاری کی جائے، مثلاً

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تزرع فی عام، وتراح فی عام .فیراعی عند ابتداء وضع الخراج علی الأرض التی لا تزرع فی کل عام حالها، واعتبر العلماء أصلح الأمور لأرباب هذه الأرض، وأهل الفیء یکون فی خصلة من ثلاث.

أ -إما أن یجعل خراجها علی الشطر من خراج ما یزرع.

ب -وإما أن یمسح کل جریبین منها بجریب لیکون أحدهما للمزروع والآخر للمتروک.

ج -وإما أن یضعه بکماله علی مساحة المزروع والمتروک، ویستوفی من أربابه الشطر من مساحة أرضهم(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹ ص۶۶،مادة "خراج")

[1] خفة مئونة السقی وكثرتها:

من الأمور التی تراعی أیضا عند تحدید وظیفة الأرض العشریة خفة مئونة السقی وكثرتها .فقد أوجب النبی صلی الله علیه وسلم العشر فی الخارج من الأرض العشریة التی تسقی بماء السماء والأنهار، وأوجب نصف العشر فی الخارج من الأرض العشریة التی تسقی بماء الآبار الذی یحتاج فی إخراجه إلی مئونة.

وكذلک الأمر بالنسبة للأرض الخراجیة، فما یوضع علی الأرض التی تسقی بماء الأمطار، أو العیون، أو الأنهار یزید عما یوضع علی الأرض الخراجیة التی تسقی بماء الآبار(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹ ص۶۶،۶۷،مادة "خراج")

انگور اور کھجور وغیرہ۔ [1]

پانچویں بات جس کا خراج مقرر کرتے وقت لحاظ کرنا چاہئے، یہ ہے کہ زمین کے شہر، بازار اور منڈیوں کے قریب اور دور ہونے کے اعتبار سے بھی خراج کی مقدار میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے، کیونکہ شہر، بازار اور منڈیوں (و مارکیٹوں) کے قریب والی زمین سے پیدا ہونے والی فصل اور پھل میں آنے والے اخراجات اور محنت کا تناسب ایسی زمین کی فصل اور پھل سے کم ہوتا ہے کہ جو زمین شہر، بازار اور منڈیوں (و مارکیٹوں) سے دور ہو۔ [2]

خراج واجب ہونے کا وقت

جو خراج پیداوار کی مخصوص مقدار کے تناسب سے مقرر ہو، جس کو خراجِ مقاسمہ کہا جاتا ہے، اس کا خراج تو اس وقت واجب ہوتا ہے، جبکہ وہ کھیتی تیار ہو کر صاف ہو جائے، اور جتنی مرتبہ بھی کاشت کاری کی جائے گی، اتنی مرتبہ ہی اس کا خراج واجب ہوگا۔ [3]

---

[1] نوعية الزروع والثمار المزروعة في الأرض الخراجية:
الخراج الذي يوضع على الأرض التي تزرع بالقمح، أو الشعير، يختلف عما يوضع على الأرض التي تزرع بالأشجار المثمرة كالعنب، والنخيل، وذلك لاختلاف قيمة كل نوع عن الآخر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۶۷، مادة "خراج")

[2] قرب الأرض الخراجية من المدن والأسواق وبعدها عنها:
فما يوضع على الأرض القريبة من المدن والأسواق يختلف عما يوضع على الأرض البعيدة عن المدن والأسواق لأن بعدها عن المدن والأسواق يزيد من المئونة والكلفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۶۷، مادة "خراج")

[3] وقت استيفاء الخراج:
لمعرفة وقت استيفاء الخراج لا بد من بيان وقت الوجوب؛ لأن الاستيفاء -غالبا- ما يكون بعد حلول وقت الوجوب.
أ -وقت وجوب الخراج
م -وقت وجوب الخراج يختلف تبعا لنوع الخراج المفروض على رقبة الأرض.
فإذا كان المفروض خراج مقاسمة، يكون وقت الوجوب عند كمال الزرع وتصفيته، ويتكرر الواجب بتكرر الخارج من الأرض؛ لأن الخراج يتعلق بالخارج من الأرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۶۸، مادة "خراج")

اور جو خراج پیداوار کے تناسب کا لحاظ کئے بغیر مخصوص رقبہ پر مقرر ہو، وہ سال میں صرف ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے، خواہ سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ کاشت کاری کی جائے۔

پھر اس طرح کا خراج بعض اوقات تو زمین کی پیمائش کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے، اور بعض اوقات کھیتی کی پیمائش کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے۔

اور جو خراج زمین کی پیمائش کے اعتبار سے مقرر ہو، اس میں قمری یعنی چاند کے سال کا اعتبار ہوتا ہے۔

اور جو خراج کھیتی کی پیمائش کے اعتبار سے مقرر ہو، اس میں شمسی سال کا اعتبار ہوتا ہے۔ [1]

پیشگی خراج کا حکم

جب تک خراج واجب نہ ہو، اس سے پہلے حنفیہ اور حنابلہ وغیرہ کے نزدیک خراج کی ادائیگی

---

[1] البتہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ خراج سال پورا ہونے پر واجب ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سال کے شروع میں واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے قبضہ میں سال بھر زمین کا نامی ہونا باقی رہا ہو، خواہ حقیقتاً یا تقدیراً، لیکن حکومت کی طرف سے خراج اس وقت لیا جائے گا، جبکہ غلہ حاصل ہو جائے، مگر کسی مصلحت سے پہلے لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ ابھی آگے ذکر آ رہا ہے۔

أما إذا كان المفروض خراج وظيفة، فلا يؤخذ إلا مرة واحدة فى السنة، ولا يتكرر، ولو استغلها صاحبها فى السنة عدة مرات، وذلك لأن عمر رضى الله عنه لم يأخذ الخراج من أهل الذمة إلا مرة واحدة فى السنة؛ ولأن ريع عامة الأراضى يكون فى السنة مرة واحدة، وإنما يبنى الحكم على العام الغالب.

والوظيفة المفروضة، إما أن تكون على مساحة الأرض، وإما أن تكون على مساحة الزرع.

فإذا كانت على مساحة الأرض، فيجب الخراج عند نهاية السنة القمرية؛ لأنها السنة المعتبرة شرعا.

وإذا كانت على مساحة الزرع فيجب الخراج عند نهاية السنة الشمسية؛ لأنها السنة التى تكون عليها الأمطار ويزرع الزرع.

وممن ذهب إلى أن خراج الوظيفة يجب عند نهاية السنة، المالكية والشافعية والحنابلة .

وذهب أبو حنيفة إلى أن الخراج يجب فى أول السنة، ولكن بشرط بقاء الأرض النامية فى يده سنة، إما حقيقة، وإما تقديرا، ويأخذه الإمام عند بلوغ الغلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۶۸،۶۹، مادة "خراج")

اور وصولی جائز ہے۔ [1]

البتہ بعض دیگر فقہائے کرام اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ [2]

خراج میں تاخیر کا حکم

اگر کوئی شخص وقت پر خراج ادا نہ کرے اور اس کو خراج ادا کرنے کی قدرت ہو، مثلاً وہ مالدار ہو، تو اس کا خراج ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اس پر دَین کے طور پر لازم رہتا ہے، جس کی وصولی کے لئے حکومت کی طرف سے اس کو قید بھی کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ویجوز تعجیل الخراج والجزیة؛ لأن سبب وجوب الخراج الأرض النامیة بالخارج تقدیرا بالتمکن من الزراعة لا تحقیقا وقد وجد التمکن وسبب وجوب الجزیة کونه ذمیا وقد وجد والله أعلم(بدائع الصنائع، ج۲ص۵۴، کتاب الزکاة، فصل سبب فرضیته زکاة الزروع والثمار)

ذکر محمد رحمه الله فی نوادر الزکاة :إذا جعل خراج أرضه لسنة أو سنین، فإنه یجوز؛ لأنه أدی الواجب بعد انعقاد سبب الوجوب؛ لأن سبب وجوب الخراج الأرض النامیة، ومحله الذمة، وقد وجدنا بعقد السبب کما فی باب الزکاة(المحیط البرهانی، ج۲ص۳۵۲، کتاب الخراج، الفصل السابع فی تعجیل الخراج)

[2] ب -تعجیل الخراج:

المقصود بتعجیل الخراج استیفاؤه ممن وجب علیه قبل حلول وقت وجوبه .فهل یجوز للإمام مطالبة أهل الذمة بالخراج قبل حلول وقته؟

أجاز الحنفیة والحنابلة تعجیل الخراج لسنة أو سنتین؛ لأن سببه الأرض النامیة، وهو بمثابة الأجرة علی الأرض؛ ولأنه حق مالی عجل رفقا فجاز تقدیمه علی أجله کالدین .

ومقتضی قیاس المالکیة والشافعیة جواز تعجیله لسنة أو سنتین؛ لأن الخراج عندهم أجرة، والأجرة یجوز تقدیمها قبل استیفاء المنفعة.

ولو تعجل الإمام الخراج قبل وجوبه ثم انقطع وجوبه فهل یرد الإمام ما أخذه إلی صاحب الأرض؟

فرق الحنفیة بین ما إذا کان المأخوذ قد صرف، وبین ما إذا کان باقیا .فإن کان باقیا رده الإمام علیه. وإن کان قد صرف فلا شیء له، کالزکاة المعجلة لأن مذهبهم فی الخراج أنه صلة واجبة باعتبار الأرض.

وذهب الحنابلة إلی رده علی صاحب الأرض مطلقا -أی سواء کان المأخوذ باقیا أو قد صرف - لأنه أجرة محضة، ولیس بقربة لیقع نفلا .

أما بالنسبة للمالکیة والشافعیة فالظاهر أنهم یرون الرد علی صاحب الأرض مطلقا، لأن الخراج عندهم أجرة .ولم نجد نصا لهم بذلک (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹ ص ۶۹،۷۰،مادة "خراج")

لیکن اگر وہ شخص خراج کی ادائیگی پر قادِر نہ رہے، مثلاً وہ تنگدست وفقیر ہوجائے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا خراج ساقط ومعاف ہوجاتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اس کا خراج ساقط ومعاف نہیں ہوتا، البتہ قدرت ہونے تک اس کی ادائیگی مؤخر کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ [1]

خراج کس شخص یا فریق پر واجب ہوتا ہے؟

خراج اس شخص سے وصول کیا جائے گا، جس کے قبضہ میں خراجی زمین ہو، خواہ وہ زمین ابتداء سے اس کے قبضہ میں ہو، یا اس کی طرف منتقل ہوئی ہو۔ [2]

---

[1] ج -تأخير الخراج:

إذا تأخر صاحب الأرض الخراجية عن أداء ما وجب عليه، فإما أن يكون موسرا، وإما أن يكون معسرا.

فإن كان موسرا ومطل حبس به، إلا أن يوجد له مال فيباع في خراجه كالمديون .وإذا لم يوجد له غير أرض الخراج فيترك الأمر للإمام، إما أن يبيع منها بقدر الخراج، وإما أن يؤجرها عليه، ويستوفي الخراج من أجرتها ويرد الباقي إلى صاحب الأرض .وإن نقصت الأجرة عن الخراج كان على صاحب الأرض نقصانها .

وإذا كان صاحب الأرض معسرا وجب إنظاره ويكون دينا في ذمته، ولا يسقط عنه الخراج عند الشافعية، والحنابلة، والصاحبين من الحنفية، لقوله تعالى :(وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة) ، ولأن الخراج أجرة للأرض، والأجرة لا تسقط بالإعسار كأجرة الدار والحوانيت .

وذهب أبو حنيفة إلى أن الخراج يسقط بالإعسار كما تسقط الجزية، لأنه صلة واجبة باعتبار الأرض -أي ليس بدلا عن شيء وبالنسبة للمالكية، فالظاهر أن رأيهم موافق لرأي الشافعية والحنابلة بناء على أصلهم في أن خراج الأرض أجرة، ولم نجد لهم نصا في ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۰،مادة "خراج")

[2] پھر حنفیہ کے نزدیک خراج وصول کرنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے قبضہ میں اتنی مدت تک زمین رہی ہو کہ جس میں کاشت کاری ممکن ہو، جس کی کم از کم مدت حنفیہ کے نزدیک تین ماہ ہے، اور اسی وجہ سے اگر کسی نے اپنی خراجی زمین دوسرے کو فروخت کردی، پھر خریدار نے ایک مہینہ کے بعد دوسرے کو فروخت کردی، پھر اس دوسرے خریدار نے یہ زمین کسی اور کو فروخت کردی، جس کی وجہ سے اس زمین پر تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا، لیکن کسی ایک فرد کے قبضہ میں تین ماہ کا عرصہ نہیں گزرا، تو ان میں سے کسی فرد پر خراج واجب نہیں ہوگا۔

الشخص الذي يستوفى منه الخراج:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض صورتوں میں تفصیل ہے، جس کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... اگر کوئی شخص اپنی خراجی زمین کسی کو کرایہ (ٹھیکہ) پر یا عاریتاً دے دے، تو حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کا خراج کرایہ (ٹھیکہ) یا عاریت پر دینے والے شخص یعنی زمین کے مالک کے ذمہ واجب ہوگا، نہ کہ کرایہ (ٹھیکہ) یا عاریت پر لینے والے شخص پر۔ [1]

(۲)...... حنفیہ وغیرہ کے نزدیک خراجی زمین کو مزارعت (یعنی بٹائی) پر دینے کی صورت میں خراج، مزارعت یعنی بٹائی پر دینے والے یا بالفاظِ دیگر زمیندار کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المطالب بالخراج هو من بيده الأرض الخراجية سواء أكانت بيده ابتداء أم انتقلت إليه .
واشترط الحنفية لمطالبة المشترى بالخراج، أن تبقى الأرض فى يده مدة يتمكن فيها من الانتفاع بالزراعة أو غيرها .وقدروا هذه المدة بثلاثة أشهر .ولذلك قالوا :إذا باع رجل أرضا خراجية من غيره، فباعها المشترى من غيره بعد شهر، ثم باعها المشترى الثانى من غيره كذلك حتى مضت السنة، ولم تكن هذه الأرض فى ملك أحدهم ثلاثة أشهر، لا خراج على أحد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۰ ،مادة "خراج")

[1] البتہ امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اس کا خراج عشر پر قیاس کرتے ہوئے کرایہ یا عاریت پر لینے والے شخص کے ذمہ ہوتا ہے۔

وإذا آجر من بيده الأرض الخراجية أرضه، أو أعارها، أو أعطاها مزارعة، فخراجها على المؤجر أو المعير، لا على المستأجر أو المستعير عند جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية وأحمد فى رواية، لأن الخراج يتعلق بنماء الأرض وهو للمالك، وما يأخذه المالك أو المؤجر من الأجرة عوض عن ذلك النماء ، أو المنفعة الحاصلة من الأرض .فلا يكون النفع له والخراج على غيره.
وكذلك المستعير إنما دخل على أن ينتفع بالأرض مجانا فلا يؤخذ منه الخراج .
وذهب أحمد فى رواية ثانية إلى أن الخراج يجب على المستأجر أو المستعير قياسا على العشر؛ ولأن الخراج من تمام تربة الأرض فهو بمنزلة السقى والحرث، وتهيئتها للزراعة؛ ولأن المستأجر هو المنتفع بالأرض حقيقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۱،مادة "خراج")

[2] على صاحب الأرض خراجها عند الحنفية والحنابلة ، ولا يجوز عندهم اشتراطه على المزارع، ولا دفعه من المحصول والباقى يقسم عليهما، ووجه ذلك كما قال الحنفية :إن الخراج مبلغ معين من المال، فاشتراط دفع هذا المبلغ من الخارج من الأرض بمنزلة اشتراط ذلك القدر من الخارج لصاحب الأرض، وهذا شرط فاسد، لأنه يؤدى إلى قطع الشركة فى الريع مع حصوله،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)...... اگر کوئی شخص دوسرے کی خراجی زمین کو غصب کرلے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر غصب کرنے والا اس زمین کو ویسے ہی چھوڑے رکھے، اور اس میں کھیتی باڑی نہ کرے، تو کسی فریق پر بھی خراج واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر غصب کرنے والے نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور اس میں کھیتی باڑی کی، مگر اس کی وجہ سے زمین میں نقص وضرر لاحق نہیں ہوا، تو اس کا خراج غصب کرنے والے پر واجب ہوگا۔

اور اگر زمین میں نقص وضرر لاحق ہوا، تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین کے مالک پر خراج واجب ہوگا، اور غصب کرنے والے کے ذمہ اس نقص وضرر کا تاوان واجب ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لجواز ألا يحصل إلا ذلك القدر أو دونه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٧ص ٧١، مادة "مزارعة")

ولو كانت الأرض خراجية فخراجها على رب الأرض في الوجوه كلها بالإجماع إلا في الغصب (البحر الرائق، ج٢ ص ٢٥٥، كتاب الزكاة، باب العشر)

(قوله أو المستأجر أو المستعارة) يعني وكانت الأرض عشرية، فإن العشر على المستعير اتفاقا وعلى المستأجر على قولهما المأخوذ به .وأما إذا كانتا خراجيتين فإن الخراج على رب الأرض (ردالمحتار، ج٢ ص ٣٦٨، كتاب الزكاة)

[1] اور امام محمد کے نزدیک زمین کے نقص وضرر کی مقدار اور خراج کی مقدار میں تقابل کرکے دیکھا جائے گا، اگر نقص وضرر کے تاوان کی مقدار خراج سے زیادہ ہو، تو خراج زمین کے مالک پر واجب ہوگا، اور وہ غصب کرنے والے سے نقص وضرر کا تاوان لے کر اس میں سے خراج ادا کرے گا، اور اگر زمین کے نقص وضرر کے تاوان کی مقدار، خراج کی مقدار سے کم ہو، تو خراج غصب کرنے والے کے ذمہ واجب ہوگا، اور اس سے زمین کے نقص وضرر کا تاوان ساقط ہوجائے گا۔

وإذا غصب الأرض الخراجية غاصب، فإما أن يعطلها عن الزراعة، وإما أن يزرعها ويستغلها .فإذا عطلها عن الزراعة فلا خراج على أحد، وإذا زرعها الغاصب واستغلها، فإما أن تنقصها الزراعة، وإما أن لا تنقصها، فإذا لم تنقصها الزراعة فيجب خراجها على الغاصب.

وإذا نقصتها الزراعة، يكون الخراج على صاحب الأرض؛ لأن الغاصب ضامن للنقص، ولما كان ضامنا للنقص صار كالمستأجر.

هذا ما ذهب إليه أبو حنيفة، وأبو يوسف.

وقال محمد بن الحسن الشيباني :ينظر إلى ضمان نقصان الأرض وإلى الخراج .فإن كان ضمان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراج وصول کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

خراج کی وصولی کا حق مسلمانوں کی حکومتِ وقت کو حاصل ہوتا ہے، جس کو وصول کر کے حکومت کی طرف سے ملک کی مصلحتِ عامہ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ [۱]

جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... اگر مسلمانوں کے حکمران دیانت دار ہوں، تو ان کی طرف سے خراج کے مطالبہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النقصان أكثر من الخراج، فالخراج على رب الأرض .فيأخذ من الغاصب غرامة النقصان ويؤدى الخراج منه .وإن كان ضمان النقصان أقل من الخراج، فالخراج على الغاصب ويسقط عنه ضمان النقصان .

ويؤخذ من نصوص المالكية والشافعية والحنابلة فى تضمين الغاصب أجرة الأرض المؤجرة، ومن قواعدهم فى ضمان المنافع، أن غاصب الأرض الخراجية يضمن الخراج، لأن الخراج بمنزلة الأجرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۷۲،مادة "خراج")

ولو كانت الأرض خراجية فخراجها على رب الأرض فى الوجوه كلها بالإجماع إلا فى الغصب إذا لم تنقصها الزراعة فخراجها على الغاصب وإن نقصتها فعلى رب الأرض كذا فى البدائع وغيره، وفى الخلاصة والظهيرية أن الخراج إنما يكون على الغاصب إذا كان جاحدا ولا بينة للمالك وزرعها الغاصب أما إذا كان مقرا، أو للمالك بينة عادلة، ولم تنقصها الزراعة فالخراج على رب الأرض اهـ(البحر الرائق، ج۲ص۲۵۵، كتاب الزكاة، باب العشر)

[۱] من له حق استيفاء الخراج:

قرر الفقهاء أن الخارج من الأموال العامة التى يتولى أمرها الأئمة والسلاطين .فالإمام هو الذى يقدر الخراج ابتداء ، ويطالب به، ويقرر صرفه وفق ما تقتضيه المصلحة العامة، وذلك لأن الإمام وكيل عن الأمة فى استيفاء حقوقها ممن وجبت عليهم، وفى تدبير شؤونها .قال القرطبى :الأموال التى للأئمة والولاة فيها مدخل ثلاثة أضرب :ما أخذ من المسلمين على طريق التطهير لهم كالصدقات والزكوات.

والثانى :الغنائم وما يحصل فى أيدى المسلمين من أموال الكافرين بالحرب، والقهر، والغلبة.

والثالث :الفىء وهو ما رجع للمسلمين من أموال الكفار عفوا صفوا من غير قتال، ولا إيجاف، كالصلح، والجزية، والخراج، والعشور المأخوذة من تجار الكفار .

وبناء على ذلك فالمطالب بالخراج هو الإمام، ويجب على أرباب الأرض الدفع إليه،لأن مصرف الخراج غير معين فيفتقر إلى اجتهاد الإمام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۷۲،مادة "خراج")

کے بعد ان کو خراج حوالہ کرنا واجب ہوتا ہے، اور خود سے کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا، الَّا یہ کہ کسی وقت ان کو حوالہ کرنا متعذر و دشوار ہو جائے، تو پھر خود سے کسی صحیح مصرف میں خرچ کرنا واجب ہوتا ہے۔ [1]

(۲)...... اگر مسلمانوں کے حکمران دیانت دار نہ ہوں، بلکہ ظالم وجابر ہوں، اور ان کی طرف سے خراج وصول کرنے کا مطالبہ ہو، تو بھی حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان کو خراج حوالہ کرنا واجب ہوتا ہے، اور ان کو خراج دینے سے ادائیگی معتبر ہو جاتی ہے۔ [2]

---

[1] دفع الخراج إلى أئمة العدل:

الإمام العادل :هو الذي اتفق المسلمون على إمامته وبيعته، وقام بتدبير شؤون الأمة وفق شرع الله عز وجل، فإذا طلب من ذوي الأموال مالا لا يطلبه إلا بحق، وإذا قسم أموالا عامة قسمها وفق شرع الله، وحسب ما تقتضيه المصلحة العامة، كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما أعطيكم ولا أمنعكم إنما أنا قاسم أضع حيث أمرت .

وقال أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه :إني أنزلت نفسي وإياكم من هذا المال بمنزلة والي اليتيم فإن الله تبارك وتعالى قال :(ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف)

فإذا طلب الإمام العادل الخراج من أرباب الأرض الخراجية، وجب عليهم الدفع إليه، ولا يجوز لأحد توزيع خراج نفسه بنفسه، وإذا أدى شخص الخراج إلى مستحقه بنفسه فللإمام أخذه منه ثانيا، لأن حق الأخذ له.

أما إذا تعذر الدفع إليه فعلى الشخص أن يتصدق به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۲، ۷۳،مادة "خراج")

[2] دفع الخراج إلى أئمة الجور والظلم:

الإمام الجائر :هو الذي يقوم بتدبير شؤون الأمة وفق هواه، فيقع منه الجور والظلم على الناس.

فإذا طلب الإمام الجائر الخراج من أرباب الأرض الخراجية، وجب عليهم دفعه إليه عند جماهير الفقهاء ، وإذا أدوا إليه الخراج سقط عنهم ولا يطالبون به من قبل أئمة العدل .

قال الكاساني :وأما سلاطين زماننا الذين أخذوا الصدقات، والعشور، والخراج، لا يضعونها مواضعها فهل تسقط هذه الحقوق عن أربابها؟ .

اختلف المشايخ فيه، ذكر الفقيه أبو جعفر الهندواني :أنه يسقط ذلك كله وإن كانوا لا يضعونها في أهلها؛ لأن حق الأخذ لهم فيسقط عنهم بأخذهم، ثم إنهم لم يضعوها مواضعها فالوبال عليهم.

وقال الشيخ أبو بكر بن سعيد :إن الخراج يسقط، ولا تسقط الصدقات؛ لأن الخراج يصرف إلى المقاتلة، وهم يصرفون إلى المقاتلة ويقاتلون العدو، ألا ترى أنه لو ظهر العدو، فإنهم يقاتلون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)...... اگر کوئی فرقہ مسلمان حکومت کی ماتحتی کو قبول نہ کرے، اور وہ بغاوت اختیار کر کے مسلمانوں کے کسی علاقہ پر غلبہ حاصل کر لے، اور وہاں کے لوگوں سے جبری طور پر خراج حاصل کرے، تو حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی ان لوگوں کا خراج ادا ہو جاتا ہے، اور ان کے ذمہ مسلمانوں کی باضابطہ حکومت کو دوبارہ خراج دینا واجب نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويذبون عن حريم المسلمين، فأما الزكوات والصدقات فإنهم لا يضعونها في أهلها واستدلوا لوجوب طاعة الإمام الجائر، فيما يجوز من أمره كطلب الخراج، بقول النبي صلى الله عليه وسلم: كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي .وسيكون خلفاء فيكثرون قالوا :فما تأمرنا؟ فقال :أوفوا ببيعة الأول فالأول، أعطوهم حقهم، فإن الله سائلهم عما استرعاهم .

قال الشوكاني -في بيان معنى "ثم أعطوهم حقهم - :"أي ادفعوا إلى الأمراء حقهم الذي لهم المطالبة به وقبضه، سواء كان يختص بهم أم يعم، وذلك من الحقوق الواجبة، كالزكاة، وفي الأنفس كالخروج إلى الجهاد .

واستدلوا أيضا بقوله صلى الله عليه وسلم :إنها ستكون بعدي أثرة وأمور تنكرونها، قالوا :يا رسول الله كيف تأمر من أدرك منا ذلك؟ قال :تؤدون الحق الذي عليكم وتسألون الله الذي لكم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۳، ۷۴،مادة "خراج")

[1] دفع الخراج إلى البغاة:

البغاة :هم الذين يقاتلون الإمام متأولين كالخوارج وغيرهم، والذين يخرجون على الإمام، أو يمتنعون عن الدخول في طاعته، أو يمنعون حقا وجب عليهم كالزكاة وشبهها فيدعون إلى الرجوع للحق

فإذا غلب أهل البغي على بلد، ونصبوا إماما فجبى الخراج من أرباب الأرض الخراجية، فقد وقع ذلك موقعه، وسقط عنهم ولم يطالبهم به إمام أهل العدل مرة ثانية، عند جماهير الفقهاء ، من الحنفية والشافعية والحنابلة وابن الماجشون من المالكية، وذلك لأن عليا رضي الله عنه لما ظهر على أهل البصرة لم يطالبهم بشيء مما جبى منهم .ولأن في ترك احتسابه ضررا عظيما، ومشقة كبيرة فإن البغاة قد يغلبون على البلاد السنين الكثيرة فلو لم يحتسب ذلك لأدى إلى ثني الواجب في تلك المدة؛ ولأن حق الإمام في الجباية مرهون بالحماية، وهي غير موجودة عند تغلب البغاة على بلد معين.

وقال المالكية :يجب على من أخذوا منه الخراج الإعادة؛ لأنه أعطاه إلى من لا ولاية له صحيحة فأشبه ما لو أخذها آحاد الرعية غصبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۴،مادة "خراج")

(۴)...... اگر کسی جگہ ڈاکو یا لوٹ مار کرنے والے لوگ آکر زبردستی خراج وصول کریں، تو اس سے خراج ادا نہیں ہوتا۔ [1]

خراج وصول کرنے کا طریقہ اور متعلقہ آداب واحکام

خراج وصول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومتِ وقت کی طرف سے خراج وصول کرنے کا انتظام کیا جائے، مثلاً اس کے لئے نمائندے وعامل مقرر کردیئے جائیں، جو حکومت کی طرف سے وکیل بن کر خراج وصول کریں، اور پھر اس کو حکومتی خزانہ میں جمع کریں۔ [2]

مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے جس فرد کو عامل ونمائندہ مقرر کیا جائے، اس میں درجِ ذیل چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱)...... مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے والے عامل ونمائندہ کے

---

[1] دفع الخراج إلى المحاربين "قطاع الطريق :"
المحاربون :هم الذين يعرضون للناس بالسلاح، فيغصبون المال مجاهرة، أو يقتلون، أو يخيفون الطريق
فإذا أخذ المحاربون الخراج من أهله لم يقع ذلك موقعه، ولم يسقط عنهم الخراج بأدائه إلى المحاربين، لأنه كالمأخوذ غصبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۷۴،مادة "خراج")

[2] اور حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عامل چونکہ خراج وصول کرنے لئے حکومت کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اس کو اس خراج کا حکومت کی اجازت کے بغیر کسی جگہ صرف کرنا جائز نہیں ہوتا، اور اگر عامل کے قبضہ میں آنے کے بعد اس کی کوتاہی کے بغیر خراج ہلاک ہوجائے، تو اس پر تاوان لازم نہیں ہوتا، اور خراج دینے والوں کا خراج بھی ادا ہوجاتا ہے۔
طرق استيفاء الخراج:
الطريقة الأولى -العمالة على الخراج:
تعيين عامل الخراج من اختصاصات الإمام أو نائبه، ويكون هذا العامل بهذا التعيين وكيلا عن الإمام في استيفاء الخراج وقبضه، فتكون جبايته للخراج محددة بما رسمه له الإمام، ولا يجوز له تقسيم ما جباه من أموال الخراج إلا بإذن الإمام، لأن هذه الأموال لا تصرف إلا باجتهاد الإمام.
وعامل الخراج -باعتبار أنه وكيل -أمين إذا أدى الأمانة فلا يضمن النقصان ولا يملك الزيادة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۷۴،۷۵،مادة "خراج")

لئے ایک شرط یہ پایا جانا ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، کسی غیر مسلم کو عامل ونمائندہ مقرر کرنا جائز نہیں۔ [1]

---

[1] البتہ اگر کوئی غیر مسلم باقاعدہ عامل ونمائندہ نہ ہو، بلکہ خراج وغیرہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ یا بیت المال میں صرف منتقل کرنے والا ہو، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

شروط تعيين عامل الخراج:

يشترط فى عامل الخراج :الإسلام، والحرية، والأمانة، والكفاية، والعلم والفقه.

وبيان ذلك فيما يأتى:

الإسلام:عامل الخراج قد يكون مختصا بتقدير الخراج ووضعه، وقد يكون مختصا بجبايته ونقله من أرض الخراج إلى بيت المال.

فإذا كان مختصا بوضع الخراج وتقديره فيشترط فيه الإسلام؛ لأن هذا العمل ولاية شرعية، ويحتاج إلى الأمانة.

ولذا فلا يولى الذمى تقدير الخراج، ووضعه، عند جمهور الفقهاء .

قال أبو طالب :سألت أبا عبد الله يعنى أحمد بن حنبل -يستعمل اليهودى والنصرانى فى أعمال المسلمين مثل الخراج؟ قال :لا يستعان بهم فى شىء

واستدلوا لذلك بقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفى صدورهم أكبر قد بينا لكم الآيات إن كنتم تعقلون).

قال القرطبى :نهى الله عز وجل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار، واليهود، وأهل الأهواء دخلاء ، وولجاء ، يفاوضونهم فى الآراء ، ويسندون إليهم أمورهم .

وقال إلكيا الهراسى :فى الآية دلالة على أنه لا يجوز الاستعانة بأهل الذمة فى شىء من أمور المسلمين .

وذكر ابن كثير فى تفسيره :قيل لعمر بن الخطاب رضى الله عنه :إن هاهنا غلاما من أهل الحيرة نصرانيا كاتبا، فلو اتخذته كاتبا، فقال :قد اتخذت إذا بطانة من دون المؤمنين

عقب ابن كثير على هذا الأثر بقوله :ففى هذا الأثر مع هذه الآية دليل على أن أهل الذمة لا يجوز استعمالهم فى الكتابة التى فيها استطالة على المسلمين، واطلاع على دواخل أمورهم التى يخشى أن يفشوها إلى الأعداء من أهل الحرب، ولهذا قال تعالى :(لا يألونكم خبالا)

واستدلوا لذلك أيضا بقوله صلى الله عليه وسلم :لا تستضيئوا بنار المشركين أى لا تستنصحوهم، ولا تستضيئوا برأيهم.

وروى عن معاوية رضى الله عنه أنه أرسل إلى أمير المؤمنين عمر رضى الله عنه خطابا جاء فيه :يا أمير المؤمنين، فإن فى عملى كاتبا نصرانيا لا يتم أمر الخراج إلا به فكرهت أن أقلده دون أمرك .

فكتب إليه عافانا الله وإياك، قرأت كتابك فى أمر النصرانى، أما بعد، فإن النصرانى قد مات والسلام .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل ونمائندہ کے لئے دوسری شرط یہ پایا جانا ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو، کسی ایسے شخص کو جو شرعی غلام ہو، اس کو خراج وصول کرنے کا عامل ونمائندہ مقرر کرنا جائز نہیں۔ [1]

(۳)...... حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل ونمائندہ کے لئے تیسری شرط یہ پایا جانا ضروری ہے کہ وہ امانت دار ہو، اور کسی خائن، فاسق وفاجر شخص کو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقد سار الخلفاء الذين لهم ثناء حسن فى الأمة على نهج عمر رضى الله عنه فى استبعاد أهل الذمة عن الوظائف التى فيها اطلاع على دواخل المسلمين.

فقد كتب عمر بن عبد العزيز إلى أحد عماله :أما بعد، فإنه بلغنى أن فى عملك كاتبا نصرانيا يتصرف فى مصالح المسلمين والله تعالى يقول :(يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء واتقوا الله إن كنتم مؤمنين) فإذا أتاك كتابى هذا فادع حسانا -يعنى ذلك الكاتب -إلى الإسلام، فإن أسلم فهو منا، ونحن منه، وإن أبى فلا تستعن به، ولا تتخذ أحدا على غير دين الإسلام فى شىء من مصالح المسلمين .فأسلم حسان وحسن إسلامه .

ولأن من شروط متولى هذا العمل الأمانة والنصح للمسلمين، والحرص على مصالحهم.

وهذه الشروط غير متحققة فى المشركين، وقد نبه الله المسلمين على صفاتهم فهم لا يحبون الخير للمسلمين، ويغشون، ولا ينصحون، قال تعالى فيهم :(ما يود الذين كفروا من أهل الكتاب ولا المشركين أن ينزل عليكم من خير من ربكم)

وقال تعالى :(إن يثقفوكم يكونوا لكم أعداء ويبسطوا إليكم أيديهم وألسنتهم بالسوء وودوا لو تكفرون) .

ولهذا ولغيره منع الفقهاء أن يستعمل الذمى فى عمل يختص بوضع الخراج وتقديره .

أما إذا كان مختصا بجبايته ونقله، فيختلف الحكم.

فإذا كان يجبيه من الذميين جاز أن يكون ذميا، وإن كانت معاملته مع المسلمين الذين بأيديهم الأرض الخراجية ففى جواز ذلك وجهان.

والأصح عدم الجواز كما قال النووى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۵ الىٰ ۷۷،مادة "خراج")

[1] الحرية:

تشترط فى عامل الخراج المختص بتقدير الخراج ووضعه الحرية .ولذا فلا يولى العبد تقدير الخراج ووضعه؛ لأن هذا العمل ولاية شرعية .أما إذا كان العامل جابيا فتشترط الحرية إن لم يستقر فى هذا العمل إلا عن استنابة، ولا تشترط إن استغنى عن الاستنابة، لأنه يكون فى هذه الحالة كالرسول للمأمور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص۷۷،مادة "خراج")

عامل ونمائندہ مقرر کرنا جائز نہیں۔ ۱؎

(۴)......حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل ونمائندہ کے لئے چوتھی شرط یہ پایا جانا ضروری ہے کہ وہ خراج کے ضروری حساب وکتاب سے واقف ہو، اور کسی ایسے شخص کو عامل ونمائندہ مقرر کرنا جائز نہیں کہ جو خراج کے حساب وکتاب کا طریقہ نہ جانتا ہو۔ ۲؎

(۵)......حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل ونمائندہ کے لئے پانچویں شرط یہ پایا جانا ضروری ہے کہ اس کو خراج کے شرعی احکام کا علم ہو، اور کسی خراج کے احکام سے ناواقف ولاعلم شخص کو خراج وصول کرنے کا عامل ونمائندہ مقرر کرنا جائز

۱؎ الأمانة:

تشترط فی عامل الخراج الأمانة .ولذا فلا یولی الخائن وغیر الثقة، لئلا یخون فیما ائتمن علیه، ولا یغش فیما قد استنصح فیه، قال تعالی :(یا أیها الذین آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتکم وأنتم تعلمون) وقال تعالی :(فإن أمن بعضکم بعضا فلیؤد الذی ائتمن أمانته ولیتق الله ربه)

قال أبو یوسف فی کتاب الخراج الذی وجهه إلی أمیر المؤمنین هارون الرشید :ورأیت أن تتخذ قوما من أهل الصلاح، والدین، والأمانة فتولیهم الخراج(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹ ص۷۷،مادة "خراج")

۲؎ الکفایة:

تشترط فی عامل الخراج الکفایة بحیث یکون مضطلعا بالحساب، والمساحة، وکیفیة خرص الثمار، وذلک لأن عمر رضی الله عنه قال :فمن رجل له جزالة وعقل یضع الأرض مواضعها، ویضع علی العلوج ما یحتملون .فأخبر بعثمان بن حنیف فعینه، لأنه کان ذا بصر وعقل، وتجربة.

قال ابن أبی الربیع -فی بیان ما تتحقق به کفایة عامل الخراج :

ینبغی أن یکون خبیرا بحفر الأنهار، ومجاری المیاه، وأن یکون عارفا بالمساحات، وتخمین الغلات، وأن یکون عالما بفصول السنة، ومجاری الشمس، وأن یکون بصیرا بالحساب وکسوره وترتیبه، وأن یکون له دربة بعقد الجسور، والقناطر والمصالح، وأن یکون له خبرة بما یدفع عن الزرع فی الأراضی، وأن یکون خبیرا بأوقات الزرع وأحوال الأسعار، وأن یکون عالما بحقوق بیت المال وما یجب له .

هذا إن تولی وضع الخراج وتقدیره، أما إن اقتصرت مهمته علی طلب جبایته فلا یشترط فیه ذلک(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹ ص۷۷،۷۸،مادة "خراج")

نہیں۔ [1]

فقہائے کرام نے خراج وصول کرنے والے نمائندے و عامل کے لئے کچھ آداب و اوصاف اور متعلقہ پہلو بھی ذکر فرمائے ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۶)...... حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل و نمائندہ کو چاہئے کہ وہ خراج وصول کرنے والوں کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ اختیار کرے، سختی اور ترشی و بداخلاقی سے پرہیز کرے۔ [2]

(۷)...... حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل و نمائندہ کو چاہئے کہ خراج مقرر اور حاصل کرنے میں عدل و انصاف سے کام لے، اور کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی اور ناانصافی اختیار نہ کرے۔ [3]

(۸)...... حکومت کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل و نمائندہ کو چاہئے کہ عفت و پاکدامنی کی صفت کو اختیار کرے، کسی سے رشوت نہ لے، اور بھتہ خوری نہ کرے، اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے۔ [4]

---

[1] العلم والفقه:
إن تولى وضع الخراج اعتبر فيه أن يكون فقيها من أهل الاجتهاد، وإن ولى جباية الخراج صحت ولايته، وإن لم يكن فقيها مجتهدا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۸،مادة "خراج")

[2] آداب عامل الخراج:
الرفق بأهل الخراج:ينبغى لعامل الخراج أن يكون رفيقا بأهل الخراج .ومن مظاهر الرفق فى استيفاء الخراج أيضا أن يأخذهم بالخراج كلما خرجت غلة، فيأخذهم بقدر ذلك حتى يستوفى تمام الخراج فى آخر الغلة، ومعنى ذلك أن يوزع الخراج على قدر الغلة، حتى إن الأرض إذا كانت تزرع فى الربيع والخريف قسم الخراج نصفين، فيأخذ نصف الخراج من غلة الربيع، ويؤخر النصف الثانى إلى غلة الخريف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۸،مادة "خراج")

[3] العدل والإنصاف:يجب على عامل الخراج أن يكون عادلا فى وضع الخراج، وتقديره، فيساوى بين الناس فى هذه المعاملة، ولا يحابى القريب على البعيد، ولا الشريف على الوضيع، ويأخذ منهم القدر الواجب عليهم بلا زيادة ولا نقصان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۸،مادة "خراج")

[4] العفة:يجب على عامل الخراج أن يكون عفيف النفس، فلا يطلب رشوة من أحد، ولا يقبل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)......حکومت کی طرف سے بھی عامل ونمائندوں کی اصلاح وتربیت اوران کی نگرانی کا انتظام کیا جانا چاہیے، تا کہ وہ ہر قسم کی کوتاہیوں سے اجتناب کر کے، خراج کے نظم کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر قائم کریں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هدية من أهل الخراج، لما روى عبد الله بن عمرو قال :لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي .

قال الخطابي :الراشي المعطي، والمرتشي الآخذ .وإنما يلحقهما العقوبة معا إذا استويا في القصد والإرادة .فرشا المعطي لينال به باطلا ويتوصل به إلى ظلم .فأما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلما، فإنه غير داخل في هذا الوعيد .وروى أن ابن مسعود أخذ في شيء وهو بأرض الحبشة، فأعطى دينارين حتى خلى سبيله.

وروى عن الحسن والشعبي وجابر بن زيد وعطاء أنهم قالوا :لا بأس أن يصانع الرجل عن نفسه، وماله، إذا خاف الظلم .

وروى البخاري ومسلم عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال :استعمل النبي صلى الله عليه وسلم رجلا من الأزد يقال له ابن اللتبية على الصدقة فلما قدم قال :هذا لكم وهذا أهدى لي .فقال: فهلا جلس في بيت أبيه، أو بيت أمه فينظر أيهدى له أم لا؟ والذي نفسي بيده لا يأخذ أحدكم شيئا إلا جاء يوم القيامة يحمله على رقبته إن كان بعيرا له رغاء ، أو بقرة لها خوار، أو شاة تيعر .ثم رفع بيده حتى رأينا عفرة إبطيه .

اللهم هل بلغت .اللهم هل بلغت .ثلاثا.

فهذا الحديث يدل على أن الهدايا التي يقدمها أهل الخراج إلى العمال حرام.

قال الخطابي :في هذا بيان أن هدايا العمال سحت، وأنه ليس سبيلها سبيل سائر الهدايا المباحات، وإنما يهدى إليه للمحاباة، وليخفف عن المهدى، ويسوغ له بعض الواجب عليه، وهو خيانة منه، وبخس للحق الواجب عليه استيفاؤه لأهله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۸، ۷۹،مادة "خراج")

۱؎ واجب الإمام تجاه عمال الخراج:الرقابة الفعالة على عمال الخراج:لضمان تحقيق العدل بين الناس لا بد أن تكون هناك رقابة فعالة على عمال الخراج .وقد نصح أبو يوسف أمير المؤمنين هارون الرشيد بذلك حيث قال :وأنا أرى أن تبعث قوما من أهل الصلاح والعفاف ممن يوثق بدينه وأمانته يسألون عن سيرة العمال وما عملوا به في البلاد وكيف جبوا الخراج على ما أمروا به، وعلى ما وظف على أهل الخراج واستقر، فإذا ثبت ذلك عندك وصح، أخذوا بما استفضلوا من ذلك أشد الأخذ حتى يؤدوه بعد العقوبة الموجعة والنكال حتى لا يتعدوا ما أمروا به وما عهد إليهم فيه. فإن كل ما عمل به والي الخراج من الظلم والعسف فإنما يحمل على أنه قد أمر به، وقد أمر بغيره، وإن أحللت بواحد منهم العقوبة الموجعة انتهى غيره واتقى وخاف، وإن لم تفعل هذا بهم تعدوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۰)...... خراج وصول کرنے کی ذمہ داری پر مقرر عامل اور نمائندوں کو رشوت اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال ہڑپ کرنے سے بچانے کے لئے، حکومتِ وقت کی ذمہ داریوں میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ عامل اور نمائندوں کے لئے مناسب اجرت وتنخواہ کی شکل میں وظائف مقرر کرے، تاکہ ان کی بہتر طریقہ پر کفالت اور ضرورت کا انتظام ہو سکے۔ [۱]

خراج ساقط ہونے کی صورتیں

بعض صورتوں میں خراج ساقط ومعاف ہوجاتا ہے، اور بعض صورتوں میں ساقط ومعاف نہیں ہوتا، جبکہ بعض صورتوں میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... خراج ساقط ومعاف ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ زمین کے اندر فصل وکاشت کی صلاحیت ختم ہوجائے، مثلاً یہ کہ اس پر پانی کا اس طریقہ سے غلبہ ہوجائے کہ اس میں کاشت کاری ممکن نہ رہے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کا خراج ساقط ومعاف ہوجاتا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على أهل الخراج واجترء وا على ظلمهم وتعسفهم وأخذهم بما لا يجب عليهم .وإذا صح عندك من العامل والوالى تعد بظلم وعسف وخيانة لك فى رعيتك واحتجاز شىء من الفىء ، أو خبث طعمته، أو سوء سيرته فحرام عليك استعماله، والاستعانة به، وأن تقلده شيئا من أمور رعيتك، أو تشركه فى شىء من أمرك .بل عاقبه على ذلك عقوبة تردع غيره من أن يتعرض لمثل ما تعرض له، وإياك ودعوة المظلوم فإنها دعوة مجابة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۷۹، ۸۰، مادة "خراج")

[۱] ضرورة منح عمال الخراج رواتب تكفيهم :لاجتناب وقوع عمال الخراج فى الرشوة وأكل أموال الناس بالباطل، لا بد أن تصرف لهم أجور "رواتب "مجزية تفى بحاجاتهم وتكفى نفقاتهم، وقد ذكر أبو يوسف فى كتاب الخراج :أن أبا عبيدة بن الجراح قال لعمر بن الخطاب رضى الله عنهما :دنست أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له عمر :يا أبا عبيدة إذا لم أستعن بأهل الدين على سلامة دينى فبمن أستعين؟ قال :أما إن فعلت فأغنهم بالعمالة عن الخيانة. يقول :إذا استعملتهم على شىء فأجزل لهم فى العطاء والرزق، لا يحتاجون (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۰، مادة "خراج")

ہے (خواہ خراجِ وظیفہ ہو، یا خراج مقاسمہ) ۱؎

لیکن اگر اس زمین کی اصلاح ممکن ہو، تو حکومت کے ذمہ اس کی بیتُ المال کے خزانہ اور فنڈ سے اصلاح کا انتظام ضروری ہوتا ہے۔

تاہم اگر حکومت کی طرف سے زمین والوں سے اس کی اصلاح کا مطالبہ کیا جائے، اور وہ اپنے اخراجات کے ذریعہ اس کی اصلاح پر راضی ہوں، تو بھی جائز ہے۔ ۲؎

(۲)...... اگر زمین میں تو کاشت کاری کی صلاحیت ہو، لیکن کوئی شخص خراجی زمین کو ویسے ہی چھوڑے رکھے، اور اس میں کاشت کاری نہ کرے، تو بعض صورتوں میں خراج ساقط ہوجاتا ہے، اور بعض صورتوں میں خراج ساقط نہیں ہوتا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کاشت کاری نہ کرنے کی وجہ یہ ہو کہ اسے دشمن کاشت کاری سے روکیں، تو اس صورت میں خراج ساقط ومعاف ہوجاتا ہے، اور اگر وہ خود سے کاشت کاری سے رُکا ہے، لیکن اس کی اپنی کوتاہی

۱؎ مسقطات الخراج:

أولا :انعدام صلاحية الأرض للزراعة:

المقصود بانعدام صلاحية الأرض للزراعة هو أن يطرأ على الأرض الخراجية طارء خارج عن فعل الإنسان، يمنع صاحبها من الانتفاع بها كانقطاع الماء عنها، أو غلبته عليها بحيث تصبح غير صالحة للزراعة.

فإذا تعرضت الأرض الخراجية لذلك سقط عنها الخراج عند جماهير الفقهاء ، سواء أكان الخراج الواجب مقاسمة، أم وظيفة، فيسقط خراج المقاسمة؛ لأن الوجوب متعلق بالخارج من الأرض حقيقة وهو غير موجود .ويسقط خراج الوظيفة؛ لأن الوجوب متعلق بالتمكن من الانتفاع بالأرض وهو غير موجود .هذا فی حالة عدم إمكانية إصلاحها وإعمارها. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص ۸۲،مادة "خراج")

۲؎ أما إذا أمكن إصلاحها وإعمارها فيجب على الإمام أن يعمر الأرض ويصلحها من بيت مال المسلمين من سهم المصالح، ولا يجوز إلزام أهلها بعمارتها من أموالهم.

فإن سألهم أن يعمروها من أموالهم ويعتد لهم بما أنفقوا عليها من خراجها فرضوا بذلک جاز.

وإذا كان سهم المصالح عاجزا عن سد نفقات إصلاح هذه الأرض أجبر أهلها عليه؛ لأن فی ذلک مصلحة لهم ولأصحاب الفيء ، وإن أمكن الانتفاع بتلک الأرض بعد أن بارت فی غير الزراعة كالرعي والصيد وغير ذلک، يوضع عليها خراج جديد بحسب ما تحتمله.

وهذه الأرض تختلف عن أرض الموات، فإن أرض الموات مباحة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۳،مادة "خراج")

اس میں شامل نہ ہو (مثلاً اس وجہ سے کہ وہ جسمانی طور پر کاشت کاری کی استطاعت نہیں رکھتا، یا اس کے پاس کاشت کاری کے وسائل اور ذرائع کا انتظام نہیں ہے) تو بھی خراج ساقط ومعاف ہوجاتا ہے، اور اگر اس کی اپنی کوتاہی اس میں شامل ہو (مثلاً اس کو جسمانی طور پر کاشت کاری کی استطاعت بھی ہے، اور اس کے پاس کاشت کاری کے وسائل اور ذرائع کا انتظام بھی ہے، پھر بھی سستی وکوتاہی سے کام لیتا ہے) تو خراجِ مقاسمہ تو ساقط و معاف ہوجاتا ہے (کیونکہ اس خراج کا تعلق پیداوار سے ہے، جو کہ مذکورہ صورت میں موجود نہیں) لیکن حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک خراجِ وظیفہ ساقط نہیں ہوتا (کیونکہ اس کا تعلق پیداوار سے نہیں ہوتا) [1]

---

[1] ثانيا :تعطيل الأرض عن الزراعة:

إن كان التعطيل من غير جهة صاحب الأرض، كأن يدهم البلاد عدو يمنع أهل الأرض من زراعتها والانتفاع بها، أو يلحقهم جور من الولاة لم تمكنهم الإقامة عليه .فهذا يسقط الخراج عنهم حتى تعود الأرض كما كانت ويتمكنوا من الانتفاع بها .

وإن كان التعطيل من جهة صاحب الأرض فإما أن يكون ذلك بتفريط منه، أو بغير تفريط.

فإذا عطلها بتفريط منه كأن يتركها بلا زراعة واستغلال وهو متمكن من الانتفاع بها، وقادر على زراعتها سقط عنه خراج المقاسمة اتفاقا، وذلك لأن خراج المقاسمة يتعلق بالخارج من الأرض حقيقة وهو غير موجود .

ولا يقر المفرط على عدم استغلاله للأرض الخراجية، بل يؤمر بزراعتها واستغلالها لئلا يتضرر أصحاب الفيء .

وأما خراج الوظيفة فلا يسقط عند جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة؛ لأنه يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالأرض وهو موجود، ولأن الخراج بمنزلة الإجارة فإذا عطل المستأجر الانتفاع بالمؤجر لم تسقط الأجرة.

وذهب المالكية إلى سقوط خراج الوظيفة بتعطيل الأرض عن الزراعة، سواء عطلها مختارا أم معذورا، لعدم تحقق الانتفاع بالأرض .

وإذا عطلها بلا تفريط منه كأن ترك زراعتها لعدم قوتها وقدرته الجسمية، أو لعدم قدرته على تحمل تكاليف الزراعة ونفقاتها يسقط خراج المقاسمة اتفاقا؛ لأنه يتعلق بالخارج من الأرض حقيقة .

وأما خراج الوظيفة فيسقط عند المالكية لعدم تحقق الانتفاع بالأرض.

وذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة إلى عدم سقوط الخراج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۳،مادة ”خراج“)

البتہ مذکورہ صورت میں حکومتِ وقت کو اس زمین میں ایسا تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جس سے زمین والے کو اور خراج کے مصارف کی مصلحت ومنفعت متحقق ہو، مثلاً یہ کہ وہ زمین کسی کو کاشت کاری کرنے کے لئے مزارعت یا اُجرت پر دے دی جائے۔ [1]

(۳)...... اگر فصل و کاشت کسی آسمانی آفت کی وجہ سے ہلاک ہوجائے، جس سے بچنا اختیار میں نہ ہو، مثلاً پانی وسیلاب میں غرق ہوجائے، یا اس کو آگ لگ جائے، یا سخت سردی کی وجہ سے ناکارہ ہوجائے، یا ٹڈی کھا جائے، تو اگر یہ ہلاکت کھیتی کاٹنے سے پہلے واقع ہو، تو خراجِ مقاسمہ ساقط ہوجاتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بعض صورتوں میں خراجِ وظیفہ بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] وعلى الإمام أن يتصرف في الأرض تصرفا يحقق المصلحة لأهل الفيء، ولصاحب الأرض.
ومن التصرفات التي نص عليها الفقهاء: ما قاله الشافعية والحنابلة: من أن للإمام أن يأمر صاحب الأرض بتأجيرها لمن يقوم بزراعتها وإلا رفع يده عنها، ولا تترك بيده خرابا وإن دفع خراجها، لئلا تصير بالخراب مواتا، فيتضرر أهل الفيء بتعطيلها.
وقال الحنفية: الإمام بالخيار إن شاء دفع الأرض لغير صاحبها مزارعة، ويأخذ الخراج من نصيبه ويمسک الباقي له، وإن شاء آجرها وأخذ الخراج من الأجرة، وإن شاء زرعها من بيت المال فإذا حصلت الغلة أخذ قدر الخراج وما أنفق، ويحفظ الباقي لمستغل الأرض.
وقال أبو يوسف: للإمام أن يدفع للعاجز كفايته من بيت المال قرضا ليعمل ويستغل أرضه.
فإذا لم يجد الإمام من يعمل في تلک الأرض مزارعة أو بالأجرة أو غير ذلک، فيرى أبو يوسف ومحمد بيعها وأخذ الخراج من ثمنها، ويحفظ الباقي لمستغل الأرض. ويرى أبو حنيفة عدم جواز بيعها، وإنما يحجرها للمصلحة العامة، مع أنه لا يرى جواز الحجر على الكبير إلا أن هذا الحجر يعود نفعه على العامة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۴،مادة "خراج")

[2] حنفیہ کے نزدیک خراجِ وظیفہ ساقط ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اِس سال اُس فصل کا اتنا زمانہ باقی نہ رہا ہو کہ اس میں دوبارہ کاشت کی جاسکے، نیز کاشت کی ہلاکت اس درجہ کی ہوگئی ہو کہ اس کا نصف حصہ بھی باقی نہ رہا ہو۔
ثالثا: هلاک الزرع بآفة سماوية:
إذا زرع صاحب الأرض الخراجية أرضه بزرع ما، فأصابته آفة سماوية لا يمكن الاحتراز عنها، كغرق، أو حرق، أو شدة برد، أو جراد أو غير ذلک، فإما أن يكون الهلاک قبل الحصاد، وإما أن يكون بعده.
أ - فإذا هلک الزرع بآفة سماوية قبل الحصاد يسقط خراج المقاسمة إذا أدت تلک الآفة إلى هلاک جميع الزرع؛ لأن خراج المقاسمة يتعلق بالخارج من الأرض حقيقة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگر کھیتی کاٹنے کے بعد ہلاک ہو، تو حنفیہ کے نزدیک خراجِ وظیفہ ساقط نہیں ہوتا، البتہ خراجِ مقاسمہ ساقط ہوجاتا ہے۔ ؎

(۴)...... اگر حکومت کی طرف سے کسی شخص کی خراجی زمین میں مصلحت کے تحت خراج معاف کردیا جائے، مثلاً خراجی زمین والا شخص ایسے عمل میں مشغول ہو کہ جس کے عام مسلمان محتاج ہوتے ہیں، جیسا کہ قضاء، افتاء و تدریس، تو حنابلہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حکومت کو ایسا کرنا جائز ہوتا ہے، اور اس سے خراج ساقط ہوجاتا ہے، اور حنفیہ کا اسی پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وأما خراج الوظيفة فيسقط عن صاحب الأرض عند الحنفية؛ لأنه مصاب ويستحق المعونة؛ ولأن الخراج صلة واجبة باعتبار الأراضى، فلا يمكن إيجابها بعد هلاك الزرع بآفة سماوية؛ لأنه ظهر أنه لم يتمكن من استغلال الأرض.

واشترط الحنفية لسقوط الخراج بهذا السبب شرطين:

الأول :أن لا تبقى من السنة مدة يتمكن فيها من زراعة الأرض مرة أخرى، فإن بقيت من السنة مدة يتمكن فيها من أن يزرع الأرض ثانية لم يسقط الخراج لتحقق الانتفاع بالأرض، وقدروا المدة بثلاثة أشهر.

والثانى :أن لا يبقى من الزرع ضعف الخراج الموظف على الأرض، فإن بقى من الزرع ضعف الخراج الموظف على الأرض لم يسقط الخراج ويؤخذ من الزارع؛ لأنه لا يزيد على النصف .وإن بقى أقل من ضعف الخراج الموظف على الأرض لا يؤخذ منه الخراج الموظف، ويكتفى فى هذه الحالة بأخذ نصف الخارج من الأرض بعد خصم نفقات الزراعة .

هذا ما جاء فى كتب الحنفية، أما المالكية والشافعية والحنابلة فلم نجد لهم نصا فى هذه المسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۴،مادة "خراج")

؎ ب -إذا هلك الخارج من الأرض بآفة سماوية لا يمكن الاحتراز عنها، كغرق، وحرق يسقط خراج المقاسمة، لتعلقه بالخارج من الأرض حقيقة.

جاء فى حاشية ابن عابدين :ولو هلك الخارج فى خراج المقاسمة قبل الحصاد أو بعده فلا شىء عليه لتعلقه بالخارج حقيقة، وحكمه حكم الشريك شركة الملك فلا يضمن إلا بالتعدى .

وأما خراج الوظيفة فلا يسقط بهلاك الخارج بعد الحصاد عند الحنفية؛ لأن خراج الوظيفة يجب فى الذمة، ويتعلق بالتمكن من الانتفاع بالأرض وزراعتها، وبالحصاد قد تحقق الانتفاع بالأرض، وحصلت الزراعة بالفعل فلا يسقط الخراج الموظف بهلاك الخارج بعد الحصاد.

جاء فى الفتاوى الهندية :ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده أن هلاك الخارج قبل الحصاد يسقط الخراج، وهلاكه بعد الحصاد لا يسقطه وبالنسبة للمذاهب الأخرى كالمالكية والشافعية والحنابلة فلم نقف لهم على نصوص فى هذه المسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۵،مادة "خراج")

فتویٰ ہے۔ ؎۱

(۵)......اگر خراجی زمین میں تعمیر کرلی جائے، مثلاً اس میں گھر بنالئے جائیں، یا دوکانوں وغیرہ کی تعمیر کرلی جائے، تو حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، بلکہ برقرار رہتا ہے۔ ؎۲

؎۱ اور جو علماء ومفتیان ضرورت مند ہوں، ان کو خود سے خراج نہ دینے اور خراج خود اپنے لئے رکھنے کی بھی گنجائش ہے، جیسا کہ خراج کے مصارف میں آتا ہے۔

وفی الظهيرية السلطان إذا جعل خراج الأرض لصاحب الأرض وتركه له جاز فی قول أبی يوسف خلافا لمحمد والفتوى على قول أبی يوسف إذا كان صاحب الأرض من أهل الخراج وعلى هذا التسويغ للقضاة والفقهاء ولو جعل العشر لصاحب الأرض لم يجز فی قولهم وفی الحاوی القدسی ما يخالفه وأنه قال وإذا ترك الإمام خراج أرض رجل أو كرمه أو بستانه ولم يكن أهلا لصرف الخراج إليه عند أبی يوسف يحل له وعليه الفتوى وعند محمد لا يحل له وعليه رده(البحر الرائق، ج۵،ص۱۲۸، كتاب السير،فصل فی الجزية)

رابعا :إسقاط الإمام للخراج عمن وجب عليه:

إذا رأى الإمام إسقاط الخراج عمن بيده أرض خراجية لمصلحة، أو لكون من بيده تلك الأرض يقوم بعمل من الأعمال التی يحتاجها المسلمون، كالقضاء ، أو التدريس، أو حماية الثغور الإسلامية، أو التجسس على الأعداء لمعرفة ما عندهم من وسائل القوة المادية والمعنوية أو غير ذلك.

فهل يجوز هذا التصرف من الإمام أو لا؟ ذهب الحنابلة وأبو يوسف من الحنفية إلى جواز ذلك؛ لأن الإمام له حق النظر فی مصالح المسلمين، وفعل ما فيه مصلحة لهم، ومن القواعد الفقهية التی قررها الفقهاء فی ذلك أن :(تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة) وقالوا :لو صار الخراج فی يده جاز له أن يخص به شخصا إذا رأى المصلحة فيه فجاز له تركه بطريق الأولى؛ ولأن صاحب الخراج له حق فی الخراج فصح تركه عليه.

وقد قيد بعض علماء الحنفية والحنابلة ذلك بأن يكون الشخص الذی ينوی الإمام إسقاط الخراج عنه، ممن يستحقون الخراج كالفقيه والجندی، والقاضی، والمؤذن وغير ذلك .

وذهب محمد بن الحسن إلى أنه لا يجوز للإمام إسقاط الخراج عمن وجب عليه؛ لأن الخراج حق من حقوق المسلمين فلا يجوز للإمام إسقاطه كالعشر .وبالنسبة للمالكية والشافعية فلم نقف لهم على نصوص فی هذه المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۵،۸۶،مادة ”خراج“)

؎۲ خامسا :البناء على الأرض الخراجية:اختلف الفقهاء فی استمرار وظيفة الخراج على الأرض الخراجية بعد أن يبنى عليها أبنية وحوانيت.فذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة إلى استمرار وجوب الخراج وعدم سقوطه عن تلك الأرض، لأن الخراج لا يتوقف على الزرع والغرس .روى يعقوب بن بختان أنه سأل ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں خراج ساقط ہوجاتا ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شخص بعد میں عمارت کو ختم کرکے، اس جگہ کو باغ وغیرہ بنالے۔ ل

(۶)...... اگر خراجی زمین کسی غیر مسلم کے قبضہ میں ہو، اور پھر وہ اسلام لے آئے، تو خراجِ عنوی ساقط نہیں ہوتا۔

اور حنفیہ کے علاوہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک خراجِ صلحی ساقط ہوجاتا ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحمد بن حنبل، ترى أن يخرج الرجل عما في يده من دار، أو ضيعة على ما وظف عمر رضى الله عنه على كل جريب فيتصدق به؟ فقال ما أجود هذا .فقال يعقوب :بلغني عنك أنك تعطى من دارك الخراج فتتصدق به .فقال :نعم .وقد علل علماء الحنابلة فعل أحمد بقولهم :(إنما كان أحمد يفعل ذلك لأن بغداد من أرض السواد التي وضع عليها عمر الخراج، فلما بنيت مساكن، راعى أحمد حالها الأولى التي كانت عليها في عهد عمر رضى الله عنه) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۶،مادة "خراج")

ل وذهب الحنفية إلى سقوط الخراج عن الأرض الخراجية بعد أن يبنى عليها من هي بيده أبنية وحوانيت، ولا يجب الخراج على الأرض إلا إذا جعلها بستانا، أو مزرعة؛ لأن الخراج يتعلق بنماء الأرض وغلتها .

ويرى الماوردي أن الخراج يسقط عن الأرض الخراجية التي بنى عليها من هي بيده أبنية ضرورية لا غنى له عنها .كأن يبنى له بيتا يسكنه .وأما الأبنية الزائدة على قدر حاجته فلا تكون سببا في سقوط الخراج عن الأرض الخراجية كأن يبنى عليها أبنية للاستغلال والنماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۷،مادة "خراج")

۲ سادسا :إسلام مالك الأرض الخراجية أو انتقالها إلى مسلم:

اتفق الفقهاء على أن الخراج العنوي لا يسقط عن الأرض الخراجية بإسلام صاحبها ولا بانتقالها إلى مسلم؛ لأن الأرض المفتوحة عنوة موقوفة على جميع المسلمين، والخراج المضروب عليها بمثابة الأجرة فلا يسقط بإسلام من بيده هذه الأرض ولا بانتقالها إلى مسلم

واختلفوا في الخراج الصلحي (المضروب على الأرض التي صالح المسلمون أهلها على أن لهم الأرض وللمسلمين الخراج) هل يسقط بعد إسلام صاحبها، أو انتقالها إلى مسلم:

فذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة إلى سقوط الخراج الصلحي إذا أسلم صاحب الأرض، أو انتقلت إلى مسلم، لما روى العلاء بن الحضرمي قال :بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى البحرين، أو إلى هجر، فكنت آتي الحائط يكون بين الإخوة يسلم أحدهم، فآخذ من المسلم العشر، ومن المشرك الخراج .ولأن الخراج الصلحي بمثابة الجزية التي تتعلق بالكفر، فإذا زال الكفر سقط الخراج كما تسقط الجزية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۷،مادة "خراج")

مگر حنفیہ کے نزدیک خراجِ عنوی اور خراجِ صلحی کوئی بھی ساقط نہیں ہوتا۔ [1]

(۷)...... اگر کسی شخص پر خراج واجب ہو چکا تھا، اور اس نے خراج ادا نہیں کیا، اور وہ اسی حال میں فوت ہو گیا، تو بعض حنفیہ کے نزدیک اس کا خراج ساقط ہو جاتا ہے۔ [2]

(۸)...... اگر خراجِ مقاسمہ ہو، اور کوئی خراج ادا کرنے سے پہلے کچھ غلہ استعمال کر لے، تو اس کا خراج ساقط نہیں ہوتا، بلکہ وہ استعمال شدہ مقدار کے بقدر خراج کا ضامن و ذمہ دار ہوتا ہے، یعنی اس پر استعمال شدہ مقدار کو حساب میں شامل کر کے خراج ادا کرنا لازم رہتا ہے۔ [3]

---

[1] وذهب الحنفية إلى عدم سقوط الخراج الصلحى قياسا على الخراج العنوى؛ ولأن الخراج مؤنة الأرض، والأصل فيها أنها لا تتغير بتبدل المالك إلا لضرورة، فإذا أسلم صاحب الأرض الخراجية أو باعها من مسلم فلا ضرورة لتغير المؤنة؛ لأن المسلم من أهل وجوب الخراج -أى فى الجملة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۸، مادة "خراج")

[2] قال الحنفية :لو أن أرضا من أراضى الخراج مات ربها قبل أن يؤخذ منه الخراج، فإنه لا يؤخذ من تركته، لأن الخراج فى معنى الصلة، فيسقط بالموت قبل الاستيفاء ، ولا يتحول إلى التركة كالزكاة، ثم إن خراج الأرض معتبر بخراج الرأس، ففى كل واحد منهما معنى الصغار، وكما أن خراج الرأس يسقط بموت من عليه قبل الاستيفاء ، فكذلك خراج الأرض، ولا يمكن استيفاؤه من الورثة باعتبار ملكهم، لأنهم لم يتمكنوا من الانتفاع بها فى السنة الماضية(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۳۹ص ۲۸۴، مادة "موت")

قلت :ومن ذلك أن الخراج يسقط بالموت وبالتداخل كالجزية وقيل لا كالعشر وسيأتى تمام الكلام عليه(ردالمحتار، ج۴ص ۱۹۲، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية)

وقد نظم المصنف ما يسقط بالموت فقال: كفارة ديه خراج ورابع ...ضمان لعتق هكذا نفقات كذاهبة حكم الجميع سقوطها ...بموت لما أن الجميع صلات(الدرالمختار)

(قوله كفارة) سقوطها إذا لم يوص بها وكذا الخراج (ردالمحتار، ج۵ص ۷۰۱، كتاب الهبة، باب الرجوع فى الهبة)

[3] اور حنفیہ کے ایک قول کے مطابق خراجِ وظیفہ کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ امام کو خراج حاصل کرنے کے لئے پیداوار کو روکنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اور اس کو استعمال کر لینے کی صورت میں اُس حق کا ابطال پایا جاتا ہے۔

ولا يحل لصاحب الأرض أن يأكل الغلة حتى يؤدى الخراج(فتاویٰ قاضيخان، ج۱ ص۱۸۹، كتاب الزكاة)

لا يحل أكل الغلة حتى يؤدى الخراج (الدر المختار مع رد المحتار، ج۴، ص۲۰۱، كتاب الجهاد، فصل فى الجزية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسلمان پر عشروخراج جمع ہونے کا حکم

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عشروخراج کا جمع ہونا ممکن ہے، مثلاً اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک ہوجائے، اوراس زمین میں کاشت کاری کرے، تو اس پر خراج اور عشر، دونوں ایک ساتھ واجب ہوجاتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومثله فيما يظهر خراج المقاسمة؛ لأنه جزء من الخارج أما خراج الوظيفة فهو فى الذمة لا فى الخارج فلا يختلف حكمه بالأكل وعدمه تأمل(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۳۳۱، كتاب الزكاة، باب العشر)

(ولا يحل لصاحب أرض) خراجية (أكل غلتها قبل أداء خراجها) (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ص ۳۳۱، كتاب الزكاة، باب العشر)

(قوله :ولا يحل لصاحب أرض خراجية) قيل المراد به خراج المقاسمة فقط؛ لأن خراج الوظيفة يجب فى الذمة لا تعلق له بالمحل وقيل إن خراج الوظيفة كذلك؛ لأن للإمام حق حبس الخارج للخراج ففى أكله إبطال حقه كذا فى الذخيرة . فافهم قال ط فى الواقعات عن البزازية لا يحل الأكل من الغلة قبل أداء الخراج (رد المحتار، ج۲، ص ۳۳۱ و ۳۳۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

[1] اجتماع العشر والخراج على المسلم:اختلف الفقهاء فى هذه المسألة، فذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن المسلم الذى يملك الأرض الخراجية يطالب بالزكاة "العشر "والخراج معا إذا زرعها أو انتفع بها.

واستدلوا لاجتماع العشر والخراج، بقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض) فالآية عامة فى كل أرض ينتفع بها وتزرع سواء أكانت خراجية، أو عشرية، كما استدلوا بعموم قوله :فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقى بالنضح نصف العشر .ولأن العشر والخراج حقان مختلفان ذاتا، وسببا، ومصرفا، ودليلا :أما اختلافهما ذاتا فلأن العشر فيه معنى العبادة، والخراج فيه معنى العقوبة .وأما اختلافهما سببا فلأن العشر يجب فى الخارج من الأرض، والخراج يجب فى الأرض النامية، سواء أكان النماء حقيقيا أم تقديريا بأن يتمكن من الانتفاع بالأرض.

وأما اختلافهما مصرفا، فلأن مصرف العشر :الأصناف الثمانية، المحدد فى آية الصدقات، ومصرف الخراج :المصالح العامة.وأما اختلافهما دليلا، فلأن دليل العشر :النص، ودليل الخراج الاجتهاد المبنى على مراعاة المصالح.

وإذا ثبت اختلافهما من هذه الوجوه فلا مانع من اجتماعهما، ووجوب أحدهما لا يمنع وجوب الآخر، كاجتماع الجزاء والقيمة عند قتل المحرم للصيد المملوك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹ ص۸۸، مادة "خراج")

لیکن حنفیہ کے نزدیک خراجی زمین میں عشر وخراج جمع نہیں ہوتے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک ہو جائے، تو اس پر صرف خراج ہی واجب ہوتا ہے۔ [1]

خراج کے مصارف

فقہائے کرام نے خراج اور فئی کے مصارف ایک ہی بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ خراج کو مسلمانوں کے عام مصالح میں خرچ کیا جائے گا، مثلاً اس سے مدرسین ومفتیین، سرکاری ملازمین، اور افواج وغیرہ کی تنخواہیں دی جائیں گی، اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کی جائے گی، اور تعلیم گاہوں ومساجد کی تعمیر کی جائے گی، اور سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

اور مسلمانوں کے اجتماعی اہم اُمور میں صرف کرنے کو مقدم رکھا جائے گا۔ [2]

---

[1] وذهب الحنفية إلى عدم اجتماع العشر والخراج فى الأرض الخراجية التى يملكها مسلم، ولا يجب فى هذه الأرض سوى الخراج.

واستدلوا لذلک بما روى ابن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :لا يجتمع على المسلم خراج وعشر .

وبما روى طارق بن شهاب قال كتب إلى عمر بن الخطاب فى دهقانة نهر الملک -كورة واسعة من الأرض التى بنيت بها بغداد -أسلمت فكتب :أن ادفعوا إليها أرضها تؤدى عنها الخراج .

فأمر عمر رضى الله عنه بأخذ الخراج، ولم يأمر بأخذ العشر، ولو كان واجبا لأمر به.

ولأنه لم يأخذ أحد من أئمة العدل، وولاة الجور من أرض السواد عشرا؛ ولأن سبب وجوبهما واحد وهو الأرض النامية، فلا يجتمعان فى أرض واحدة كما لا يجتمع زكاتان فى مال واحد كزكاة السائمة والتجارة فى الحيوانات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۹،مادة "خراج")

[2] مصارف الخراج:

لم يفرق الفقهاء بين الخراج والفىء فى الصرف، كما فرقوا بين الفىء والزكاة من جهة، ومن جهة ثانية بين الفىء والغنيمة.

فالفىء يتوقف صرفه على اجتهاد الإمام فى تقدير المصالح، وتقديم الأهم على المهم، والزكاة تصرف فى المصارف الثمانية التى حددتها آية الصدقات .والغنيمة تخمس، وتقسم الأربعة الأخماس بين الغانمين كما حددت آية الغنائم.

قال ابن رشد :يصرف خراجها -أى خراج الأرض المفتوحة عنوة -فى مصالح المسلمين من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر حکومت کی طرف سے خراج وصول نہ کیا جائے، تو خراج واجب ہونے والے شخص پر خود سے اس کے مصارف میں خراج ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، البتہ اگر وہ شخص خود سے خراج کا مصرَف ہو، مثلاً قاضی ہو یا مدرس و مفتی ہو، تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کو خود اپنے لئے رکھنا بھی جائز ہوتا ہے، حنفیہ کا اسی پر فتویٰ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أرزاق المقاتلة وبناء القناطر، والمساجد وغير ذلک من سبل الخير .

(وقال البهوتي :ومصرف الخراج كفيء لأنه منه) . .

وقال الكاساني :وأما مصرف النوع الثالث من الخراج وأخواته فعمارة الدين، وإصلاح مصالح المسلمين وهو رزق الولاة، والقضاة وأهل الفتوى من العلماء ، والمقاتلة، ورصف الطرق وعمارة المساجد، والرباطات، والقناطر، والجسور، وسد الثغور، وإصلاح الأنهار التي لا ملک لأحد فيها.

(وقال النووي في الروضة :ما يؤخذ من خراج هذه الأرض يصرفه الإمام في مصالح المسلمين الأهم فالأهم، ويجوز صرفه إلى الفقراء والأغنياء من أهل الفيء وغيرهم) .

هذا ما قرره الفقهاء ؛ لأن الخراج من جملة الفيء المصروف في مصالح المسلمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹ ص ۸۹، ۹۰، مادة "خراج")

[1] لیکن اگر مسلمان حکومت کی طرف سے خراج کا مطالبہ کیا جائے، اور پھر وہ ادا نہ کرے، تو اس صورت میں خراج کا مصرف ہونے کے باوجود خود رکھنا یا خود سے کسی مصرف میں لگانا جائز نہیں ہوتا، بلکہ حکومت کو حوالہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

جہاں تک عشر کا تعلق ہے کہ اگر مسلمان حکومت کی طرف سے عشر وصول نہ کیا جائے، تو کیا عشر کا خود رکھنا جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ تو راجح یہ ہے کہ عشر کا رکھنا جائز نہیں ہوتا، خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اس کو خود سے عشر و زکاۃ کے مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

البتہ ہندیہ میں شیخ الاسلام کا یہ قول ذکر کیا گیا ہے کہ اگر سلطان غفلت یا بھول کی وجہ سے کسی کے عشر کو ترک کر دے، تو اس کو خود سے عشر کے مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر علم ہونے کے باوجود قصداً ترک کر دے، تو وہ عشر واجب ہونے والے شخص کے لئے سلطان کی طرف سے انعام شمار ہوتا ہے، جبکہ وہ شخص غنی ہو، اور سلطان پر بیت المال کے مالِ خراج کی مَد میں سے مالِ صدقہ کی مَد میں اس کے بقدر تاوان ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اور عشر واجب ہونے والا شخص فقیر ہو، تو سلطان کی طرف سے اس کے حق میں یہ صدقہ شمار ہوتا ہے، اس لئے عشر کا خود عشر واجب ہونے والے شخص کے اپنے لئے رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

مگر یاد رہے کہ عام کتبِ فقہ میں عشر کے خود رکھنے کے مطلقاً عدمِ جواز کا قول مذکور ہے، جیسا کہ متن میں ذکر کیا گیا، جس پر قدرے کلام عشر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

تمليک حقوق بيت المال قبل توريدها إليه:

ذهب الحنفية إلى أن للإمام أن يترک الخراج للمالک لا العشر، ثم يحل ذلک للمالک عند أبي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہندوستان و پاکستان میں خراج کے مصارف

جواہر الفقہ میں ہے کہ:

پاکستان میں خراجی زمینوں کا حکومت کو ٹیکس ولگان دینے والے اگر خراج کی نیت سے دے دیں، تو ان کا خراج ادا ہو جائے گا، لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں، نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ اسلامی فوج ہے، جس کی خدمت کا معاوضہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ یوسف، إن كان المالک ممن يستحق شيئا من بيت المال، وإلا تصدق به.
ولو ترک الإمام العشر ونحوه من أموال الزكاة فلم يأخذه لا يجوز إجماعا، ويخرجه المالک بنفسه للفقراء ونحوهم من مصارف الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٨ص ٢٦٠،مادة ”بيت المال“)

وفي الخلاصة، ولو جعل السلطان العشر لصاحب الأرض لا يجوز، ولو جعل الخراج له جاز عند أبي يوسف وعليه الفتوى إذا كان من أهل الخراج وقال محمد لا يجوز (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ا ،ص ٢١٦،كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج)

وفي الخلاصة :لو جعل السلطان العشر لصاحب الأرض، لا يجوز، ولو جعل الخراج له جاز عند أبي يوسف، وعليه الفتوى إذا كان من أهل الخراج .وقال محمد :لا يجوز.(شرح النقاية، ج٢،ص ١٤١،كتاب الزكاة)

السلطان إذا جعل الخراج لصاحب الأرض وتركه عليه جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالى خلافاً لمحمد رحمه الله تعالى والفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالى إذا كان صاحب الأرض من أخل الخراج وعلى هذا التسويغ للقضاء والفقهاء ولو جعل العشر لصاحب الأرض لا يجوز في قولهم السلطان إذا لم يطلب الخراج ممن هو عليه كان لصاحب الأرض أن يتصدق فإن تصدق بعد الطلب لا يحرج عن العهدة(فتاوى قاضي خان، ج ا ،ص١٨٧، كتاب الزكاة)

وفي الظهيرية السلطان إذا جعل خراج الأرض لصاحب الأرض وتركه له جاز في قول أبي يوسف خلافا لمحمد والفتوى على قول أبي يوسف إذا كان صاحب الأرض من أهل الخراج وعلى هذا التسويغ للقضاة والفقهاء ولو جعل العشر لصاحب الأرض لم يجز في قولهم وفي الحاوي القدسي ما يخالفه وأنه قال وإذا ترک الإمام خراج أرض رجل أو كرمه أو بستانه ولم يكن أهلا لصرف الخراج إليه عند أبي يوسف يحل له وعليه الفتوى وعند محمد لا يحل له وعليه رده(البحر الرائق، ج٥،ص ١٢٨،كتاب السير،فصل في الجزية)

السلطان إذا جعل الخراج لصاحب الأرض فتركه عليه جاز في قول أبي يوسف -رحمه الله تعالى- خلافا لمحمد -رحمه الله تعالى ، والفتوى على قول أبي يوسف -رحمه الله تعالى -إذا كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراج کی مَد سے دیا جائے، اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول پر اس کو وصول کرتی ہے، بلکہ وہ ایک خالص ٹیکس ہے، جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی، اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کر دیں، جو ہندوستان میں موجود ہیں، مثلاً مدارسِ دینیہ کے مدرسین وطلباء، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء، ان پر یہ رقوم خرچ کی جائیں (ماخوذ از: رسالہ ''نور السراج فی احکام العشر والخراج'' یعنی ''عشر وخراج کے احکام'' ملحقہ جواہرُ الفقہ جلد سوم، صفحہ ۳۸۰، ۳۸۱، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، سنِ اشاعت: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ نومبر 2010ء) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ صاحب الأرض من أهل الخراج وعلى هذا التسويغ للقضاة والفقهاء .
السلطان إذا لم يطلب الخراج ممن عليه كان على صاحب الأرض أن يتصدق به، وإن كان تصدق بعد الطلب لا يخرج عن العهدة كذا فى فتاوى قاضى خان .العامل إذا ترك الخراج على المزارع بدون علم السلطان يحل لو مصرفا كذا فى الوجيز للكردرى.
قال محمد -رحمه الله تعالى -السلطان إذا جعل العشر لصاحب الأرض لا يجوز، هذا بلا خلاف، وذكر شيخ الإسلام أن السلطان إذا ترك العشر على صاحب الأرض، فهو على وجهين :الأول أن يترك إغفالا منه بأن نسى، ففى هذا الوجه كان على من عليه العشر أن يصرف قدر العشر إلى الفقير والثانى إذا تركه قصدا مع علمه به
وأنه على وجهين أيضا إن كان من عليه العشر غنيا كان له ذلك جائزة من السلطان، ويضمن السلطان مثل ذلك من مال بيت مال الخراج لبيت مال الصدقة، وإن كان من عليه العشر فقيرا محتاجا إلى العشر، فترك ذلك عليه جائز وكان صدقة عليه، فيجوز كما لو أخذ منه، ثم صرفه إليه كذا فى الذخيرة(الفتاوى الهندية، ج ۲، ص ۲۴۰، كتاب السير ،الباب السابع فى العشر والخراج)

[1] علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ ''سراج الہند فی خراج السندھ'' میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج، خراج کہہ کر بھی وصول کرے، تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا، بلکہ از خود مسلمانوں کو رقمِ خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا، جو اس ملک میں موجود ہیں، مثلاً علماء، طلباء وغیرہ (رسالہ ''نور السراج فی احکام العشر والخراج'' ملحقہ جواہرُ الفقہ جلد سوم، صفحہ ۳۸۱)
البتہ موجودہ دور کے بعض علمائے ہند، غیر مسلم حکومت کی طرف سے سرکاری لگان دینے سے سقوطِ خراج کے، جبکہ بعض سرکاری لگان منہا کرنے کے بعد باقی مقدار کو خراج کے مصارف میں از خود خرچ کرنے کے قائل ہیں (اہم فقہی فیصلے، ص ۶۱، چھٹے فقہی سیمینار کے فیصلے، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

اور چند صفحات کے بعد جواہر الفقہ میں ہے کہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطورِ خود نکال کر مصارفِ خراج، مدارسِ اسلامیہ اور علماء، طلباء پر خرچ کرنا چاہئے، اور یہ خراجِ مؤظف ہوگا۔

اور پاکستان کے مسلمان اپنی خراجی زمینوں کا خراج حکومتِ پاکستان کی مال گزاری میں دے کر سبکدوش ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ مقدارِ خراج یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ پورا سرکاری مال گزاری میں آجاتا ہو، اور اگر سرکاری مال گزاری اس مقدار سے کم ہو، تو بقدرِ کمی کے پاکستانی مسلمانوں پر بھی بطورِ خود باقی ماندہ خراج کی ادائیگی اور مصارفِ خراج میں خرچ کرنا ضروری ہوگا، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم (ایضاً، صفحہ ۳۸۵) [۱]

---

[۱] احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

آج کل زمین کا لگان پیداوار کے خمس سے بہت کم ہے، جس میں زمینداروں کی رضا متیقن ہے، لہٰذا حکومتِ پاکستان کا خراجِ مؤظف وصول کرنا صحیح ہے، البتہ عشری زمینوں کا لگان حکومت کو ادا کرنے سے عشر ساقط نہ ہوگا، اور ہندوستان کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اراضی خراجی کا خراج بھی اپنے طور پر مصارفِ خراج پر صرف کریں، حکومت کو محصول مقرر ادا کرنے سے خراج ادا نہ ہوگا۔

”لان الکافرین لیس لهم ولایة اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین (سراج الهند فی تحقیق خراج السند، للعلامة الهمایونی) (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۲، باب العشر والخراج)

ملحوظ رہے کہ مشائخِ حنفیہ کی تصریح کے مطابق عام حالات میں خراجِ وظیفہ یا خراجِ موظف پیداوار کے پانچویں حصہ سے کم نہ ہونے کا حکم اس وقت ہے، جبکہ اس کی قدرت ہو، اور اگر مثلاً زمین میں پیداوار کے کم اور اس پر محنت یا اخراجات زیادہ آنے کی وجہ سے پانچواں حصہ بھی ادا کرنے کی قدرت نہ ہو، اور پانچواں حصہ ادا کرنے سے ضرر لاحق ہوتا ہو، تو پانچویں حصہ سے کم خراجِ مؤظف کا مقرر کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ خراج کی مقدار کے بیان میں گزرا۔

اور مذکورہ کتابوں میں جو خراج کے پانچویں حصہ سے کم نہ ہونے کا حکم مذکور ہے، اس کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ ہندو پاکستان کی خراجی زمینوں میں ابتداءً جو خراجِ مقاسمہ مقرر ہوا تھا، وہ ان اہلِ علم حضرات کی تحقیق کے مطابق پیداوار کا پانچواں حصہ اور خراجِ مؤظف بھی نقد کی صورت میں پیداوار کے پانچویں حصہ کے بقدر تھا، اور مقدار معلوم نہ ہونے کی صورت میں ان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خراج مقاسمہ میں پیداوار کا جتنا حصہ واجب ہے، اس میں پیداوار کی جنس دینے کی بجائے اس کی قیمت (نقدی وغیرہ سے) دے دے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ ۱

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان

۲/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ 27/اکتوبر/2014ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حضرات نے اس مقدار کو ہی حجت سمجھا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: رسالہ ''نورالسراج فی احکام العشر والخراج''، یعنی ''عشروخراج کے احکام''ملحقہ جواہرُ الفقہ جلد سوم)

۱ قلت :وفی البدائع أن الواجب فی الخراج جزء من الخارج؛ لأنه عشر الخارج أو نصف عشره وذلک جزؤه إلا أنه واجب من حیث إنه مال لا من حیث إنه جزء عندنا حتی یجوز أداء قیمته .اھ (ردالمحتار، ج۲ص ۳۲۲، کتاب الزکاۃ، باب العشر)

کتابِ سوم

تجارتی مال

کے

عشریا ٹیکس کے احکام

ذمّیوں یعنی مسلمانوں کے ملک میں مخصوص طریقہ پر رہائش پذیر غیر مسلموں اور مسلمانوں کے ملک میں قانونی طریقہ پر داخل ہونے والے غیر مسلم تاجروں کے، مالِ تجارت پر تجارتی مال کے عشر یا ٹیکس کے احکام، اور اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال

مصنّف

مفتی محمد رضوان

عشر کے معنیٰ

''عشر'' کے عربی لغت میں معنیٰ ''دسویں حصہ'' کے آتے ہیں، جس کی عربی زبان میں جمع ''عشور'' اور ''اعشار'' آتی ہے۔

اور فقہی زبان میں عشر مندرجہ ذیل دو معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

ایک تو تجارتی اموال کا عشر یعنی تجارتی اموال کا دسواں حصہ، جو بعض صورتوں میں دسویں کا آدھا یعنی بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔

دوسرے زمین کی پیداوار کی زکاۃ یا اس کا صدقہ، جو بعض صورتوں میں دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں دسویں کا آدھا یعنی بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔

اور یہاں عشر سے مراد تجارتی اموال کا عشر ہے۔

جہاں تک زمین کی پیداوار کی زکاۃ، یا زمین کی پیداوار کے عشر کا تعلق ہے، تو اس کے احکام کا ذکر ''کتابِ اوّل'' میں گزر چکا ہے۔

تجارتی عشر یا تجارتی اموال کا عشر بنیادی طور پر وہ ہوتا ہے کہ جو غیر مسلموں کے تجارتی اموال پر اس وقت واجب ہوتا ہے، جب وہ تجارتی مال اسلامی ملک کی حدود میں داخل کریں یا ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کریں۔ [1]

اور جہاں تک اس تجارتی عشر کے مقابلہ میں زکاۃ کا تعلق ہے، تو وہ مسلمانوں کے مخصوص اموال پر ہی مخصوص نصاب پائے جانے کی صورت میں چالیسواں حصہ واجب ہے، اور اس

---

[1] العشر لغة :الجزء من عشرة أجزاء ، ويجمع العشر على عشور، وأعشار ، وفي الاصطلاح يطلق العشر على معنيين:

الأول :عشر التجارات والبياعات.

والثاني :عشر الصدقات، أو زكاة الخارج من الأرض.

ويقتصر هنا على بحث عشر التجارة .أما عشر الخارج من الأرض فمحله مصطلح :(زكاة)

وعشر التجارة :هو ما يفرض على أموال أهل الذمة المعدة للتجارة إذا انتقلوا بها من بلد إلى بلد داخل بلاد الإسلام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۰۱ ، مادة ''عشر'')

کے احکام، زیرِ بحث تجارتی عشر سے الگ ہیں۔

اسی طرح اگر مسلمان کا تجارتی مال اسلامی حکومت کی طرف سے راستوں پر مقرر کردہ عاملوں کے پاس سے گزرے، تو مخصوص شرائط کے ساتھ اس کی زکاۃ جوکہ چالیسواں حصہ واجب ہے، وصول کرنے کے مسائل کو بھی بعض فقہائے کرام نے تجارتی عشر کے بیان میں ذکر کردیا ہے، لیکن چونکہ زکاۃ خالص عبادت ہے، اور زیرِ بحث عشر ایک طرح کا ٹیکس ہے، اس لئے ہم نے یہاں صرف غیر مسلم کے تجارتی عشر کے احکام ذکر کئے ہیں، اور مسلمانوں کے مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام اپنی دوسری کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیئے ہیں۔ [1]

اور تجارتی عشر کے علاوہ ایک چیز کو ''جزیہ'' کہا جاتا ہے، یہ بھی غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہے، جس کا تعلق تجارتی مال کے بجائے عموماً افراد یا عام مال کے ساتھ ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ''کتابِ چہارم'' میں آتی ہے۔

جبکہ مخصوص زمین یا اس کی پیداوار پر خراج کے احکام کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ [2]

---

[1] الزكاة لغة :النماء والريع والزيادة .وهي في الاصطلاح :تطلق على أداء حق يجب في أموال مخصوصة على وجه مخصوص، ويعتبر في وجوبه الحول والنصاب ، وتطلق -أيضا -على المال المخرج.

والزكاة تجب في مال المسلم سواء أكان للتجارة أم غيرها، أما العشر فلا يجب إلا في الأموال التجارية، ويؤخذ من الذمي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص ١٠١، مادة "عشر")

[2] الجزية :ما لزم الكافر من مال لأمنه واستقراره، تحت حكم الإسلام وصونه .ووجه الصلة بين العشر والجزية، أن كلا منهما يجب على أهل الذمة وأهل الحرب بأمان، ويصرف في مصارف الفيء .

والفرق بينهما :أن الجزية توضع على الرء وس، أما العشر فيوضع على الأموال التجارية التي يمر بها التاجر على العاشر.

ج -الخراج:الخراج :ما وضع على رقاب الأرض من حقوق تؤدى عنها ، ووجه الصلة بين العشر والخراج :أن كلا منهما يجب على غير المسلم، ويصرف في مصارف الفيء ، ولذلک أطلق عليه بعض الفقهاء (الجزية العشرية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تجارتی عشر کا حکم

مسلمانوں کی حکومت کو مخصوص صورتوں میں غیر مسلم تاجروں کے تجارتی مال کا عشر یا ٹیکس لینا، سنّت، اجماعِ امت اور قیاس سے ثابت ہے۔

اور اسی کے ساتھ مسلمان حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلموں کے ان تجارتی اموال کی راستوں پر چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ سے حفاظت کا انتظام واہتمام کرے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والفرق بينهما :أن الخراج يوضع على رقبة الأرض، أما العشر فيوضع على الأموال التجارية.

د -الخمس:الخمس :اسم للمأخوذ من الغنيمة والركاز وغيرهما مما يخمس ، والخمس يجب فى كل مال فاء إلى المسلمين سواء كان عقارا أو منقولا، أما العشر فلا يجب إلا فى الأموال التجارية التى ينتقل بها التاجر الذمى أو المستأمن .هـ الفىء :

الفىء لغة :الرجوع .

وفى الاصطلاح :ما رده الله تعالى على أهل دينه من أموال من خالفهم فى الدين بلا قتال، إما بالجلاء ، أو بالمصالحة على جزية، أو غيرها.

فبين الفىء والعشور عموم وخصوص، فالفىء أعم من العشور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۰۱،۱۰۲، مادة "عشر")

[1] حكم أخذ العشر :يؤخذ العشر من تجارة غير المسلمين عند دخولهم بها إلى دار الإسلام، وذلك فى الجملة، وتفصيل الحكم سيأتى أدلة مشروعية العشر:

استدل الفقهاء لمشروعية العشر على غير المسلم بالسنة والإجماع والمعقول .أما السنة، فقوله :إنما العشور على اليهود والنصارى، وليس على المسلمين عشور.

فالحديث يدل على أنه لا يؤخذ من المسلم مال سوى الزكاة، ويؤخذ من اليهود والنصارى عشر التجارات كما تؤخذ منهم الجزية.

وأما الإجماع فقد بعث عمر بن الخطاب رضى الله عنه العشار ليأخذوا العشر بمحضر من الصحابة رضوان الله عليهم، ولم يخالفه فى ذلك أحد، فكان إجماعا سكوتيا.

وأما المعقول فالتاجر الذى ينتقل بتجارته من بلد إلى آخر يحتاج إلى الأمان، والحماية من اللصوص وقطاع الطرق، والدولة الإسلامية تتكفل بتأمين ذلك عبر طرقها وممراتها التجارية، فالعشر الذى يؤخذ من التاجر هو فى مقابل تلك الحماية، والانتفاع بالمرافق العامة للدولة الإسلامية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۰۲،۱۰۳، مادة "عشر")

اور شریعت کی طرف سے تجارتی مال کا جو عشر مقرر کیا گیا ہے، اس میں کئی حکمتیں ہیں۔ ١

تجارتی عشر کن اشخاص سے لیا جائے گا؟

تجارتی عشر جن اشخاص سے لیا جاتا ہے، وہ درجِ ذیل دو قسم کے اشخاص ہیں۔

(۱)...... وہ غیر مسلم لوگ جو بنیادی طور پر غیر مسلموں کے ملک کے باشندے ہوں، جن کو شریعت کی زبان میں ''حربی'' کہا جاتا ہے، وہ جب امن طلب کر کے (یعنی ویزا حاصل کر کے) مسلمانوں کے ملک میں تجارتی مال لے کر داخل ہوں، جن کو عربی زبان میں ''مستأمن'' کہا جاتا ہے، تو ان سے مخصوص شرائط پائی جانے پر عشر وصول کیا جائے گا۔ ٢

---

١ حكمة مشروعية العشر:

العشر وسيلة لهداية غير المسلمين من الحربيين إلى الإسلام، إذ بدخولهم بعد أخذ العشر منهم إلى دار الإسلام للتجارة يطلعون على محاسن الإسلام فيحملهم ذلک على الدخول فيه.

والعشر مورد مالى تستعين به الدولة الإسلامية فى الإنفاق على المصالح العامة.

والعشر وسيلة لزيادة المال ونمائه، إذ أن السماح لغير المسلمين بدخول دار الإسلام والتنقل بتجاراتهم فى مقابل العشر يؤدى إلى تنمية أموالهم وزيادتها، كما قال الدهلوى؛ لأن النمو لا يتم إلا بالتردد خارج البلاد .

والعشر وسيلة لزيادة التبادل التجارى بين الدولة الإسلامية والدول الأخرى.

قال السرخسى :إنا إذا عاملناهم بمثل ما يعاملوننا به، كان ذلک أقرب إلى مقصود الأمان واتصال التجارات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص١٠٣ ، مادة "عشر")

٢ الأشخاص الذين تعشر أموالهم:

ذهب الفقهاء إلى مشروعية أخذ العشر من تجارة غير المسلمين إذا دخلوا بها دار الإسلام على التفصيل الآتى:

أولا :المستأمنون:

المستأمن هو الذى يقدم بلاد المسلمين من غير استيطان لها، وهؤلاء أربعة أقسام :رسل، تجار، ومستجيرون حتى يعرض عليهم الإسلام والقرآن، وطالبو حاجة من زيارة وغيرها .

فمن دخل من هؤلاء بتجارة، فقد ذهب الفقهاء فى أخذ العشر منه مذاهب:

ذهب الحنفية إلى أنه إذا دخل الحربى بمال التجارة إلى دار الإسلام بأمان يؤخذ منه عشر ماله إذا بلغ المال نصابا، وهذا إذا لم يعلم مقدار ما يأخذون منا، فإن علم مقدار ما يأخذون منا أخذ منهم مثله مجازاة، إلا إذا عرف أخذهم الكل فلا نأخذ منهم الكل بل نترك لهم ما يبلغهم مأمنهم إبقاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... جو غیر مسلم لوگ بنیادی طور پر مسلمانوں کے ملک میں بطور مصالحت کے رہائش پذیر ہوں، جن کو شریعت کی مخصوص زبان میں ''ذمّی'' کہا جاتا ہے، جب وہ اپنا تجارتی مال لے کر، ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہوں، تو حنفیہ کے نزدیک ان کے تجارتی مال پر بھی مخصوص شرائط پائی جانے پر عشر (یعنی ٹیکس) واجب ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للأمان، وإن علم أنهم لا يأخذون منا لا نأخذ منهم ليستمروا عليه؛ ولأننا أحق بالمكارم، ولا يؤخذ العشر من مال صبي حربي إلا أن يكونوا يأخذون من أموال صبياننا .

وذهب المالكية إلى أنه إذا دخل الحربي بمال التجارة إلى بلاد المسلمين بأمان على شيء يعطيه فإنه يلزمه ولو أكثر من العشر، ولا يجوز أخذ زائد عليه، وعند عدم تعيين جزء يؤخذ منه العشر، إلا أن يؤدي الإمام اجتهاده إلى أخذ أقل فيقتصر عليه على المشهور .

وقال الشافعية :إن دخلوا بأمان وشرط الإمام عليهم أن يأخذ منهم عشر تجارتهم أو أكثر أو أقل أخذ منهم، وإن لم يشرط بل عقد لهم الأمان على دمائهم لم يأخذ من أموالهم شيئا إن دخلوا بأموالهم، إلا بشرط أو طيب أنفسهم، وسواء كان هؤلاء المستأمنون من قوم يعشرون المسلمين إن دخلوا بلادهم أو يخمسونهم .

وذهب الحنابلة إلى أن الحربي إذا دخل بلاد الإسلام بأمان واتجر فإنه يؤخذ من تجارته العشر دفعة واحدة، سواء أكان كبيرا أم صغيرا، وسواء أكان ذكرا أم أنثى، وسواء أعشروا أموال المسلمين إذا دخلت إليهم أم لا؛ لأن عمر رضى الله عنه أخذ من أهل الحرب العشر، واشتهر ولم ينكر، عمل به الخلفاء من بعده، ولا يؤخذ العشر من أقل من عشرة دنانير، وذكر الموفق أن للإمام ترك العشر إذا رأى المصلحة في ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۳،۱۰۴، مادة "عشر")

[1] ثانيا :أهل الذمة:

أهل الذمة :هم غير المسلمين من النصارى، واليهود، والمجوس الذين يقيمون في دار الإسلام بموجب عقد الذمة.

وقد اختلف الفقهاء فيما إذا انتقل الذمي بتجارته إلى غير البلد الذي أقر على المقام فيه :كالشامي ينتقل إلى مصر أو العراق أو الحجاز.

فذهب الحنفية إلى أن على الذمي إن اتجر نصف العشر في تجارته يؤديه في العام مرة، كما يؤدي المسلم زكاة تجارته وهي ربع العشر في كل عام، فالمسلم والذمي سيان إلا في مقدار العشر، وقالوا :إن ما يدفعه الذمي هو جزية في ماله، كما يسمى خراج أرضه جزية، فالجزية عندهم أنواع : جزية مال، وجزية أرض، وجزية رأس، ولا يلزم من أخذ بعضها سقوط باقيها إلا في بني تغلب .

وذهب المالكية إلى أن العشر يؤخذ من الذميين لهذا الانتقال؛ لأنهم عوهدوا على التجارة وتنمية أموالهم بآفاقهم التي استوطنوها، فإذا طلبوا تنمية أموالهم بالتجارة إلى غير ذلك من آفاق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تنبیہ……: جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے راستوں اور گزرگاہوں پر مسلمانوں کے گزرنے والے مالِ تجارت سے زکاۃ وصول کرنے کا انتظام کیا جائے، تو یہ بھی بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے، لیکن مسلمانوں کے اس مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام غیر مسلم کے تجارتی مال کے عشر سے جدا ہیں، اور زکاۃ کے احکام کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے۔

مسلمانوں پر تجارتی عشر کا حکم

مسلمانوں کے تجارتی مال میں کیونکہ شریعت نے پہلے ہی زکاۃ واجب کردی ہے، اس لئے مسلمانوں کے تجارتی مال میں زکاۃ کے علاوہ حربی اور ذمی کی طرح کا تجارتی عشر واجب نہیں ہوتا، اور عام حالات میں زکاۃ کے علاوہ مسلمانوں کے تجارتی مال میں کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المسلمين كان عليهم فى ذلک حق غير الجزية التى صولحوا عليها، وأنه يؤخذ منهم نصف العشر فى الطعام الذى يجلبونه إلى مكة أو المدينة لحاجة أهل الحرمين وما ألحق بهما إليه .

وذهب الشافعية إلى أنه لا يجب عليهم شيء سوى الجزية إن اتجروا فيما سوى الحجاز من بلاد الإسلام إلا إذا شرط الإمام عليهم مع الجزية شيئا من تجارتهم، فإن دخلوا بلاد الحجاز فينظر إن كان لنقل طعام أو نحوه يحتاج إليه أهل الحجاز أذن لهم بغير شيء وإن كان لتجارة لا حاجة بأهل الحجاز إليها كالعطر لم يأذن لهم إلا أن يشترط عليهم عوضا بحسب ما يراه، وكان عمر رضى الله عنه يشترط العشر فى بعض الأمتعة كالقطيفة، ونصف العشر فى القمح والشعير على من دخل دار الحجاز من أهل الذمة .

وقال الحنابلة :من يجز من أهل الذمة إلى غير بلده، أخذ منه نصف العشر فى السنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص ١٠٤، ١٠٥، مادة "عشر")

عقد الذمة :إقرار بعض الكفار على كفره بشرط بذل الجزية والتزام أحكام الإسلام الدنيوية، والغرض منه :أن يترك الذمى القتال،مع احتمال دخوله الإسلام عن طريق مخالطته بالمسلمين، ووقوفه على محاسن الدين .فكان عقد الذمة للدعوة إلى الإسلام، لا للرغبة أو الطمع فيما يؤخذ منهم من الجزية .

وينعقد هذا العقد بإيجاب وقبول باللفظ، أو ما يقوم مقامه، ولا تشترط كتابته كما هو الشأن فى سائر العقود، ومع هذا فكتابة العقد أمر مستحسن لأجل الإثبات، ودفعا لمضرة الإنكار والجحود(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧،ص ١٢٢، مادة "أهل الذمة")

ہوا کرتا۔ [1]

البتہ مخصوص حالات میں، بیتُ المال اور ملکی خزانہ میں کمی کے باعث عمومی ضرورت (مثلاً کسی زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے حادثہ میں مبتلا لوگوں، کے تعاون وامداد اور ملکی حفاظت ودفاع) یا مصالحِ عامہ کے تحت بعض شرائط کے ساتھ ٹیکس (یا محصول) عائد کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، ان شرائط کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

(۱)...... بیتُ المال یا سرکاری خزانہ سے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام نہ ہو۔

(۲)...... لوگوں پر اس طرح کے محصولات عائد کرنے میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے، اور اسراف سے کام نہ لیا جائے، اور ٹیکس کی شکل میں جو محصولات مستحق لوگوں کی ضرورت کے لئے وصول کیے جائیں، انہیں مستحقین پر ہی خرچ کیا جائے، اور غیر مستحقین پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے، اور مستحقین پر بھی بقدرِ استحقاق خرچ کیا جائے۔

(۳)...... جو محصولات مصالحِ عامہ کے تحت وصول کیے جائیں، ان کو انہیں مصالح کے تحت خرچ کیا جائے، اپنی خواہش اور اغراض کے مطابق خرچ نہ کیا جائے۔

(۴)...... اس طرح کے محصولات صرف انہی لوگوں پر عائد کیے جائیں، جو ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، اور ادائیگی کے نتیجہ میں غیر معمولی ضَرَر کا شکار نہ ہوں۔

(۵)...... اس طرح کے محصولات بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت عائد کیے

---

[1] تعشير تجارة المسلمين:

يرى الفقهاء أنه لا يجوز أخذ شيء من عروض تجارة المسلمين غير الزكاة الواجبة فيها، وليس عليهم من العشر المقرر على غير المسلمين شيء ، لحديث :إنما العشور على اليهود والنصارى، وليس على المسلمين عشور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۵، مادة "عشر")

جائیں، اور جب ضرورت نہ رہے، تو پھر اس طرح کے محصولات عائد کرنے سے گریز کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱؎

تجارتی عشر واجب ہونے کی شرائط

فقہائے کرام نے تجارتی عشر واجب ہونے کی کچھ شرائط بیان کی ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... تجارتی عشر واجب ہونے کی پہلی شرط حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ تاجر بالغ ہو، یعنی وہ تجارتی مال بالغ کی ملکیت ہو، نابالغ تاجر کے مال میں یہ تجارتی عشر واجب نہیں ہوتا۔ البتہ بعض فقہائے کرام اس شرط کے قائل نہیں ہیں، اور وہ نابالغ کے مال میں بھی تجارتی عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ۲؎

۱؎ والخامس :إيجاب الإمام لبعض التكاليف المالية على القادرين عليها للوفاء بالمصالح العامة للأمة إذا عجز بيت المال عن الوفاء بها، أو للمساهمة فى إغاثة المنكوبين وإعانة المتضررين بزلزال مدمر أو حريق شامل أو حرب مهلكة، ونحو ذلك مما يفجأ الناس ولا يتسع بيت المال لتحمله أو التعويض عنه.

لكن لا يجوز هذا إلا بشروط:

الشرط الأول :أن تتعين الحاجة .فلو كان فى بيت المال ما يقوم به لم يجز أن يفرض عليهم شىء .

الشرط الثانى :أن يتصرف فيه بالعدل .ولا يجوز أن يستأثر به دون المسلمين، ولا أن ينفقه فى سرف، ولا أن يعطى من لا يستحق، ولا يعطى أحدا أكثر مما يستحق.

الشرط الثالث :أن يصرف مصرفه بحسب المصلحة والحاجة لا بحسب الغرض.

الشرط الرابع :أن يكون الغرم على من كان قادرا من غير ضرر ولا إجحاف، ومن لا شىء له، أو له شىء قليل فلا يغرم شيئا.

الشرط الخامس :أن يتفقد هذا فى كل وقت، فربما جاء وقت لا يفتقر فيه لزيادة على ما فى بيت المال، فلا يوزع .وكما يتعين المال فى التوزيع، فكذلك إذا تعينت الضرورة للمعونة بالأبدان ولم يكف المال، فإن الناس يجبرون على التعاون على الأمر الداعى للمعونة بشرط القدرة وتعين المصلحة والافتقار إلى ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۱،۱۱۲ ،مادة " دين")

۲؎ شروط من يفرض عليهم العشر:

اشترط بعض الفقهاء لأخذ العشر من أهل الحرب إذا دخلوا بأمان ومن الذميين عدة شروط وهى:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......تجارتی عشر واجب ہونے کی دوسری شرط حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ تاجر عاقل ہو، پاگل اور مجنون تاجر کے مال میں یہ تجارتی عشر واجب نہیں ہوتا۔

البتہ بعض فقہائے کرام اس شرط کے بھی قائل نہیں ہیں، اور وہ مجنون و پاگل کے مال میں بھی تجارتی عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ [۱]

(۳)......حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک تجارتی عشر واجب ہونے کے لیے مرد ہونا شرط نہیں، اگر وہ تاجر عورت ہو، اس کے مال میں بھی یہ تجارتی عشر واجب ہوتا ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أ -البلوغ: اشترط الحنيفة البلوغ، وذهب الحنابلة إلى عدم اشتراط هذا الشرط فقالوا: يؤخذ العشر من كل تاجر، صغيرا كان أو كبيرا؛ لأن الأحاديث فى هذا الباب لا تفرق بين صغير وكبير، وليس هذا بجزية، وإنما هو حق يختص بمال التجارة، لتوسعه فى دار الإسلام وانتفاعه بالتجارة بها، فيستوى فيه الصغير والكبير .

وأما المالكية والشافعية فمقتضى إطلاق نصوصهم عدم اشتراط هذا الشرط، فالعشور عند الشافعية مرجعها إلى الشرط والاتفاق، فإذا اشترط الإمام أخذها من التجار أخذت منهم، ولو كان مالكها صغيرا، وعلة أخذ العشور عند المالكية الانتفاع ببلاد المسلمين، وهى متحققة فى أموال الصغير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۶، مادة "عشر")

[۱] ب -العقل:

اشترط الحنفية العقل لوجوب العشر، فلا يؤخذ العشر من المجنون؛ لأنه ليس أهلا للوجوب .

ومقتضى إطلاق نصوص المالكية والشافعية والحنابلة عدم اشتراط هذا الشرط، فيؤخذ العشر من مال المجنون المعد للتجارة إذا انتقل به؛ لأنه حق يتعلق بالمال وليس بالشخص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۶، مادة "عشر")

ولا يعشر مال الصبى والمجنون؛ لأنهما ليسا من أهل وجوب الزكاة عليهما عندهما (بدائع الصنائع، ج۲ص۳۸، كتاب الزكاة، فصل شرط ولاية الآخذ مال الزكاة)

وفى كافى الحاكم أن العاشر لا يأخذ العشر من مال الصبى الحربى إلا أن يكونوا يأخذون من أموال صبياننا شيئا .اهـ (البحر الرائق، ج۲ص۲۵۱، كتاب الزكاة، باب العاشر)

ويأخذ العاشر من مال الصبى الحربى إذا مر به عليه إلا أن يكونوا لا يأخذون من مال صبياننا شيئا، وكذلك المكاتب؛ لأن الأخذ منهم بطريق المجازاة فنعاملهم بمثل ما يعاملوننا به كما بينا فيما دون النصاب (المبسوط للسرخسى، ج۲ص۲۰۴، كتاب الزكاة، باب العشر)

[۲] ج -الذكورة:

ذهب الحنفية والشافعية والحنابلة، وهو مقتضى إطلاق نصوص المالكية، إلى عدم اشتراط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تجارتی عشر کن اموال میں واجب ہے؟

تجارتی عشر صرف تجارتی اموال میں واجب ہوتا ہے، اور جو ساز وسامان تجارت کا نہ ہو، بلکہ ذاتی یا کسی اور غرض سے استعمال کے لیے ہو، اس میں تجارتی عشر واجب نہیں ہوا کرتا۔ [۲]

پھر غیر مسلم کے جس تجارتی مال پر عشر واجب ہوا کرتا ہے، اس میں بھی کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

(۱)...... جو فقہائے کرام ذمی کے تجارتی مال میں تجارتی عشر واجب ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک یہ عشر اسی وقت واجب ہوتا ہے، جبکہ وہ ذمی اپنا مالِ تجارت ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرے۔ [۳]

(۲)...... امام ابوحنیفہ کے نزدیک تجارتی مال میں عشر واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الذكورة لحاجة أموال المرأة إلى الحماية؛ ولأن الأحاديث فی هذا الباب لا تفرق بين ذكر وأنثى. واشترط أبو يعلى لوجوب العشر فی أموال غير المسلمين الذكورة، فلا يؤخذ العشر من المرأة - ذمية كانت أو حربية -؛ لأنها محقونة الدم، ولها المقام فی دار الإسلام بغير جزية، فلم تعشر تجارتها كالمسلم، إلا أن تكون تجارتها بالحجاز فتعشر كالرجل؛ لأنها ممنوعة من الإقامة بالحجاز(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۶،۱۰۷، مادة "عشر")

[۲] الأموال التی تخضع للعشر:

لا يجب العشر إلا فی الأموال المعدة للتجارة: كالأقمشة والزيت والحبوب والذهب والفضة ونحو ذلک، أما الأمتعة الشخصية وما ليس معدا للتجارة فلا عشر فيه، روى يحيى بن آدم عن السائب بن يزيد قال: كنت أعشر مع عبد الله بن عتبة زمان عمر بن الخطاب رضی الله عنه، وكان يأخذ من أهل الذمة عشور أموالهم فيما اتجروا فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۷، مادة "عشر")

[۳] شروط وجوب العشر فی الأموال التجارية:

اشترط الفقهاء لوجوب العشر فی الأموال التجارية عدة شروط وهی:

أ -الانتقال بها:

ذهب بعض الفقهاء إلى أن العشر لا يجب على الذمی فی أمواله التجارية إلا إذا انتقل بها من بلد إلى بلد آخر فی بلاد المسلمين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۷، مادة "عشر")

کہ وہ مال اس نوعیت کا ہو کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں ایک سال تک باقی رہ سکتا ہو، جیسا کہ چھوارہ، کشمش وغیرہ، اور جو مال سال بھر تک باقی نہ رہ سکتا ہو، جیسا کہ پھل، سبزیاں وغیرہ، ان میں یہ تجارتی عشر واجب نہیں ہوتا۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک تجارتی مال میں عشر واجب ہونے کے لیے مذکورہ شرط کا پایا جانا ضروری نہیں، اور اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک تجارتی سبزیوں میں بھی یہ عشر واجب ہے۔ [1]

(۳)...... حنفیہ کے نزدیک تجارتی مال میں عشر واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مال نصاب کے بقدر ہو، اور اس نصاب کی مقدار وہی ہے، جو مسلمانوں کے مالِ تجارت میں زکاۃ واجب ہونے کے نصاب کی مقرر ہے، یعنی ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر۔ [2]

---

[1] ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا حکم تجارتی مال کے عشر کا ہے، جو غیر مسلم کی ملکیت ہو، جہاں تک زمین کی پیداوار کے عشر کا تعلق ہے، تو اس کا معاملہ اور اختلاف اس کے برعکس ہے، جس کی تفصیل عشر والی کتاب میں ذکر کر دی گئی ہے۔

ب -أن يكون المال مما يبقى فى أيدى الناس حولا:

اشترط أبو حنيفة لوجوب العشر فى أموال التجارة أن يكون مما يبقى فى أيدى الناس حولا كالتمر والزبيب والأقمشة، وأما ما لا يبقى فى أيدى الناس حولا فلا يجب فيه العشر :كالخضراوات والفاكهة ولو كانت قيمتها بالغة للنصاب؛ لأن العاشر يأخذ من عين ما يمر به على.

وذهب الصاحبان من الحنفية إلى عدم اشتراط هذا الشرط، فيجب العشر فى كل ما أعد للتجارة سواء كان يبقى فى أيدى الناس أو لا يبقى :كالخضراوات والفواكه؛ لأن هذه الأموال محتاجة إلى الحماية كغيرها من الأموال التجارية؛ ولأن المعتبر فى مال التجارة معناه وهو ماليته وقيمته لا عينه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۷، مادة "عشر")

[2] ج -النصاب:

اشترط الحنفية والحنابلة فى الصحيح من المذهب لوجوب العشر فى الأموال التجارية التى تعشر النصاب؛ لأن العشر وجب بالشرع فاعتبر له نصاب، واختلف القائلون باشتراط النصاب فى مقداره:

فذهب الحنفية وأحمد فى رواية إلى أن مقدار النصاب عشرون دينارا من ذهب أو مائتا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ [1]

(۴)...... حنفیہ کے نزدیک تجارتی مال میں عشر واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ تجارتی مال کا نصاب قرض و دین سے فارغ ہو، اور اگر کسی پر اتنی مقدار میں قرض و دین ہو، کہ اس کو نکال کر مالِ تجارت نصاب کے بقدر نہیں بچتا، تو اس پر یہ تجارتی عشر واجب نہیں ہوا کرتا۔

اگر کوئی ذمی یہ کہے کہ اس کے ذمہ قرض ودَین ہے، تو اگر وہ اپنے بیان پر حلف اٹھائے تو اس کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

درهم من فضة؛ لأن ما يؤخذ من الذمي ضعف ما يؤخذ من المسلم من الزكاة، ويؤخذ على شرائط الزكاة ومنها النصاب، ومقدار نصاب زكاة عروض التجارة عشرون دينارا من ذهب أو مائتا درهم من الفضة، وأما الحربي؛ فلأن ما دون المائتين قليل وهو محتاج إليه ليصل إلى مأمنه، واستدلوا لذلك بقول عمر بن الخطاب رضي الله عنه لأبي موسى الأشعري رضي الله عنه " :خذ أنت منهم كما يأخذون من تجار المسلمين، وخذ من أهل الذمة نصف العشر ومن المسلمين ربع العشر من كل أربعين درهما درهما، وليس فيما دون المائتين شيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۷، مادة "عشر")

[1] وذهب الحنابلة في الصحيح من المذهب إلى أن مقدار النصاب عشرة دنانير من ذهب أو مائة درهم من فضة، سواء كان التاجر حربيا أو ذميا؛ لأن ذلك المأخوذ مال يبلغ واجبه نصف دينار فوجب اعتباره كالعشرين في حق المسلم.

وذهب أحمد في رواية إلى أن مقدار النصاب بالنسبة للتاجر الذمي عشرون دينارا من ذهب، وبالنسبة للحربي عشرة دنانير.

وذهب أبو الحسين الحنبلي إلى أن مقدار النصاب بالنسبة للتاجر الذمي عشرة دنانير من ذهب، وبالنسبة للحربي خمسة دنانير؛ لأن المأخوذ مال يبلغ نصف دينار فوجب اعتباره كالعشرين في حق المسلم.

وذهب المالكية وابن حامد من الحنابلة إلى عدم اشتراط النصاب لوجوب العشر في الأموال التجارية التي يمر بها الذمي أو الحربي، فيجب العشر في قليل الأموال وكثيرها، واستدلوا بما روى أبو عبيد بسنده عن أنس بن سيرين قال :سنة عمر رضي الله عنه أن يؤخذ من أهل الذمة من كل عشرين درهما درهم، وممن لا ذمة له كل عشرة دراهم درهم، كما استدلوا بأن العشر حق على الذمي أو الحربي، فوجب في قليله وكثيره كنصيب المالك في أرضه التي عامله عليها، وبأن العشر الذي يؤخذ فيء بمنزلة الجزية التي تؤخذ من أهل الذمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۸، مادة "عشر")

قول مان لیا جائے گا۔ [۱]

تجارتی مال کے عشر کی مقدار

جو تاجر شخص ذمی یعنی مسلمانوں کے اسی ملک کا باشندہ ہو، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے تجارتی مال میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) وصول کیا جائے گا۔

---

[۱] د -الفراغ من الدين:
اشترط الحنفية والحنابلة وأبو عبيد القاسم بن سلام لأخذ العشر من التاجر الذمی ألا تكون أمواله مشغولة بدين ثبت عليه؛ لأنه حق يعتبر له النصاب والحول فيمنعه الدين كالزكاة.
واختلفوا فی قبول قول الذمی إذا ادعى أن عليه دينا:
فذهب الحنفية إلى أنه يحلف ويصدق فلا يؤخذ منه شیء ؛ لأنه من أهل دارنا فيصدق بالحلف كما يصدق المسلم.
وذهب أحمد وأبو عبيد إلى أنه لا يقبل قوله إلا ببينة من المسلمين؛ لأن الأصل براء ة ذمته منه.
وأما التاجر الحربی فلا يشترط لتعشير أمواله التجارية هذا الشرط؛ لأن الدين يوجب نقصا فی الملک وملک الحربی ناقص ولأن دينه لا مطالب له فی دارنا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۸، ۱۰۹، مادة "عشر")
المقدار الواجب فی تجارة الذمی:
ذهب الحنفية والحنابلة إلى أن الواجب فی مال الذمی هو نصف العشر ، لقول عمر بن الخطاب رضی الله عنه :يؤخذ مما يمر به الذمی نصف العشر وكان ذلک بمحضر من الصحابة من غير نكير، وذهب المالكية إلى أنه يجب فی مال الذمی العشر كاملا، ويستثنى من ذلک ما يجلبه من طعام إلى المدينة المنورة ومكة المكرمة، فيؤخذ منه نصف العشر، واستدلوا لذلک بما روى مالک عن السائب بن يزيد أنه قال :كنت غلاما عاملا مع عبد الله بن عتبة بن مسعود على سوق المدينة فی زمان عمر بن الخطاب رضی الله عنه، فكنا نأخذ من النبط العشر.
واختلف المالكية فی المراد بالطعام الذی يخضع لهذا التخفيف، فقيل :الحنطة والزيت، ولكن المقرر فی المذهب أنه جميع المقتات أو ما يجری مجراه كالحبوب والأدهان.
وذهب الشافعية، وهو قول ابن نافع وابن القاسم من المالكية، إلى أن قدر المشروط على أهل الذمة من العشور منوط برأی الإمام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۹، مادة "عشر")
وأما الذمی إذا مر على العاشر فالجواب فيه وفی المسلم سواء فی جميع ذلک لأنه يؤخذ منه باسم الزكاة إلا أنه يؤخذ منه نصف العشر استدلالا بصدقة بنی تغلب لما كان يؤخذ منهم باسم الزكاة يؤخذ نصف العشر فهذا كذلک(تحفة الفقهاء ، ج۱ ،ص۳۱۷، كتاب الزكاة،باب ما يمر به على العاشر)

اور جو شخص حربی یعنی غیر مسلموں کے ملک کا باشندہ ہو، اور وہ خود بھی غیر مسلم ہو، اور وہ تجارتی مال لے کر مسلمانوں کے ملک میں داخل ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے تجارتی مال میں اتنی ہی مقدار میں عشر لیا جائے گا، جتنی مقدار میں ان کے ملک کی غیر مسلم حکومت، مسلمانوں کے تاجروں سے اس وقت وصول کرتی ہے، جب وہ ان کے ملک میں تجارت کا مال لے کر داخل ہوتے ہیں۔ [1]

اور اگر اس غیر مسلم ملک میں داخل ہونے والے مسلمان تاجروں سے کچھ بھی نہ لیا جاتا ہو، تو پھر ان سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور اگر مسلمانوں کا سارا مال لے لیا جاتا ہو، تو ان کا بھی سارا مال لیا جائے گا، لیکن اس قدر چھوڑ دیا جائے گا کہ جس سے وہ اپنے ملک میں واپس پہنچ

---

[1] ثانیا :المقدار الواجب فی تجارة الحربی:

ذهب الحنفية إلى أنه يؤخذ من الحربى مثل ما يأخذه الحربيون من تجار المسلمين فإن علمنا أنهم يأخذون منا العشر أخذنا من تجارهم العشر، وإن أخذوا نصف العشر أخذنا من تجارهم مثل ذلک، واستدلوا لذلک بقول عمر بن الخطاب رضی الله عنه لأبی موسی الأشعری :خذ أنت منهم كما يأخذون من تجارنا؛ ولأن ذلک أدعى لهم إلى المخالطة بدار الإسلام فيروا محاسن الإسلام فيدعوهم ذلک إلى الإسلام، وفي حالة عدم العلم بمقدار ما يأخذونه من تجار المسلمين يؤخذ من تجارهم العشر .

وذهب المالكية إلى أنه لا فرق بين تجار أهل الحرب وأهل الذمة فى المقدار الواجب عليهم إذا مروا بتجارة على العاشر، فيؤخذ منهم العشر من غير الطعام ونصف العشر إذا جلبوا الطعام وما فى معناه إلى مكة والمدينة، لكنهم أجازوا بالنسبة لتجار أهل الحرب أن يؤخذ منهم أكثر من العشر إن اشترط ذلک عليهم .

وذهب الشافعية فى الأصح وهو قول ابن نافع وابن القاسم من المالكية إلى أن تقدير العشور التى تؤخذ من التاجر الحربى متروک إلى اجتهاد الإمام حسب ما تقضى به المصلحة العامة، فيجوز له أن يشترط أخذ العشر أو أكثر منه أو دونه، ويجوز له عدم أخذ شيء إذا جلب الحربى بضاعة يحتاج إليها المسلمون .

وذهب الحنابلة إلى أنه يجب على الحربى العشر دفعة واحدة، سواء عشروا أموال المسلمين إذا دخلت إليهم أم لا؛ لأن عمر بن الخطاب رضی الله عنه أخذ من أهل الحرب العشر واشتهر ذلک عنه ولم ينكر وعمل به الخلفاء الراشدون بعده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۰۹، ۱۱۰، مادة "عشر")

جائیں۔ [1]

اور اگر اس غیر مسلم ملک کے متعلق علم نہ ہو کہ وہاں مسلمان تاجروں سے کتنی مقدار میں تجارتی مال کا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اس تجارتی مال کا دسواں حصہ بطورِ عشر وصول کیا جائے گا۔ [2]

اور اگر گزرگاہوں پر مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے، مسلم تاجروں کے تجارت کے مال کی زکاۃ وصول کرنے کا بھی انتظام کیا جائے، تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے، لیکن مسلمان تاجر کے مال سے جو زکاۃ وصول کی جائے گی، اس کے تمام اصول اور ضابطے شرعی زکاۃ کے مطابق ہوں گے، یعنی مال کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد بطورِ زکاۃ کے وصول کیا جائے گا، اور اس کو زکاۃ ہی کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا، تجارتی عشر والے مصارف میں خرچ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ زکاۃ درحقیقت عبادت ہے، وہ عام تجارتی عشر کی طرح کا ٹیکس نہیں ہے۔

---

[1] ذهب الحنفية إلى أنه إذا دخل الحربى بمال التجارة إلى دار الإسلام بأمان يؤخذ منه عشر ماله إذا بلغ المال نصابا، وهذا إذا لم يعلم مقدار ما يأخذون منا، فإن علم مقدار ما يأخذون منا أخذ منهم مثله مجازاة، إلا إذا عرف أخذهم الكل فلا نأخذ منهم الكل بل نترك لهم ما يبلغهم مأمنهم إبقاء للأمان، وإن علم أنهم لا يأخذون منا لا نأخذ منهم ليستمروا عليه؛ ولأننا أحق بالمكارم، ولا يؤخذ العشر من مال صبى حربى إلا أن يكونوا يأخذون من أموال صبياننا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۰۴، مادة "عشر")

[2] ومقدار ما يأخذه العاشر من المسلم :ربع العشر، ومن الذمى نصف العشر ومن الحربيين العشر، بدليل ما رواه محمد بن الحسن عن زياد بن حدير، قال :بعثنى عمر بن الخطاب رضى الله عنه إلى عين التمر مصدقا، فأمرنى أن آخذ من المسلمين من أموالهم إذا اختلفوا بها للتجارة ربع العشر، ومن أموال أهل الذمة نصف العشر، ومن أموال أهل الحرب العشر.

والأصل المقرر عند الحنفية فى الأخذ من الحربيين :هو المعاملة بالمثل، فإن كانوا لا يأخذون أصلا لا نأخذ منهم شيئا، ليتركوا الأخذ من تجارنا، ولأنا أحق بمكارم الأخلاق، وإن مر حربى بخمسين درهما لم يؤخذ منه شيء إلا أن يكونوا يأخذون منا من مثلها؛ لأن المأخوذ زكاة أو ضعفها، فلا بد من النصاب .وإن مر حربى بمئتى درهم (وهو نصاب الزكاة) ولا يعلم كم يأخذون منا، نأخذ منه العشر، لقول عمر رضى الله عنه :فإن أعياكم فالعشر (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۰۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الرابع)

وأما الحربيون فإنه يؤخذ منهم مثلما يأخذون من المسلمين،وإن كان لا يعلم ذلک يؤخذ منهم العشر(تحفة الفقهاء ،ج۱ ،ص۳۱۷،كتاب الزكاة،باب ما يمر به على العاشر)

اور مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے کے احکام کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔ [1]

تجارتی عشر کتنی مدت بعد وصول کیا جائے گا؟

حنفیہ اور دیگر کئی فقہائے کرام کے نزدیک ذمّی لوگوں سے سال میں صرف ایک مرتبہ ہی تجارتی عشر وصول کیا جائے گا، اور سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ وصول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ مسلمانوں کے مال پر بھی زکاۃ سال میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوا کرتی ہے۔ [2]

---

[1] وإنما يفارق الذمي المسلم في مقدار المأخوذ، فإن المأخوذ من المسلم ربع العشر، ومن الذمي نصف العشر عرف ذلک بأثر عمر رضي الله عنه، فإنه كتب إلى عشاره أن خذوا من المسلم ربع العشر ومن الذمي نصف العشر (المحيط البرهاني، ج ۲ ، ص ۳۱۲، كتاب الزكاة، الفصل الخامس عشر في المسائل التي تتعلق بالعاشر)

باب ما يمر به على العاشر

المار على العاشر أصناف ثلاثة المسلم والذمي والحربي.

أما المسلم فيؤخذ منه ربع العشر على وجه الزكاة حتى تسقط عنه زكاة تلك السنة ويوضع موضع الزكاة إلا أنه ثبت حق الأخذ لعاشر لأجل الحماية لأن الأموال في المفاوز لا تحفظ إلا بقوة السلطان فتصير بمنزلة السوائم

وإذا كان المأخوذ زكاة فيشترط شرائط الزكاة من الأهلية وكون المال ناميا فاضلا عن الحاجة حتى لا يأخذ من مال الصبي والمجنون ربع العشر وكذا لا يأخذ إذا لم يحل عليه الحول وكذا إذا كان عليه دين لا يأخذ ولا يأخذ إذا لم يكن المال للتجارة (تحفة الفقهاء، ج ۱، ص ۳۱۷، كتاب الزكاة، باب ما يمر به على العاشر)

[2] المدة التي يجزء عنها العشر:

تختلف المدة التي يجزء عنها العشر باختلاف الأشخاص الذين يخضعون له.

أولا - الذمي: ذهب الحنفية والشافعية والحنابلة إلى أن العشر لا يؤخذ من تجار أهل الذمة في السنة إلا مرة واحدة، واستدلوا بالقياس على الجزية فهي لا تؤخذ من الذمي في السنة إلا مرة واحدة؛ ولأن الأخذ منهم أكثر من مرة قد يؤدي إلى استئصال المال .

وذهب المالكية إلى أن العشر يؤخذ من تجار أهل الذمة كلما اختلفوا إلى آفاق المسلمين، ولو تكرر ذلک منهم في السنة مرارا إذا كان اختلافه من قطاع إلى آخر؛ لأن علة الأخذ منهم الانتفاع والحماية وهي متحققة في كل حال يختلفون به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۰ ص ۱۱۰، ۱۱۱، مادة ''عشر'')

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک حربی یعنی دارُ الکفر والے غیر مسلم شخص کا تعلق ہے، تو وہ جب امن طلب کر کے (یعنی ویزا حاصل کر کے) مسلمانوں کے ملک میں داخل ہوگا، تو اس دورے کے دوران سال میں صرف ایک مرتبہ تجارتی عشر وصول کیا جائے گا۔

اور اگر وہ اس کے بعد دارُ الکفر میں داخل ہو کر دوبارہ اُسی سال مسلمانوں کے ملک میں امن طلب کر کے، اور تجارتی مال لے کر داخل ہوگا، تو حنفیہ اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس سے دوبارہ تجارتی عشر وصول کیا جائے گا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا يؤخذ من المسلم إذا مر على العاشر فى السنة إلا مرة واحدة؛ لأن المأخوذ منه زكاة والزكاة لا تجب فى السنة إلا مرة واحدة.

وكذلك الذمي؛ لأنه بقبول عقد الذمة صار له ما للمسلمين وعليه ما على المسلمين؛ ولأن العاشر يأخذ منه باسم الصدقة وإن لم تكن صدقة حقيقة كالتغلبى فلا يؤخذ منه فى الحول إلا مرة واحدة، وكذلك الحربى إلا إذا عشره فرجع إلى دار الحرب ثم خرج أنه يعشره ثانيا وإن خرج من يومه ذلك؛ لأن الأخذ من أهل الحرب لمكان حماية ما فى أيديهم من الأموال، وما دام هو فى دار الإسلام فالحماية متحدة ما دام الحول باقيا فيتحد حق الأخذ(بدائع الصنائع، ج٢ص٣٧، كتاب الزكاة، فصل شرط ولاية الآخذ مال الزكاة)

[1] ثانيا :الحربى:

ذهب الفقهاء إلى أن الحربى إذا دخل دار الإسلام بعقد أمان ودفع عشر تجارته فلا يؤخذ منه العشر مرة ثانية فى أثناء مدة الأمان التى تقل عن سنة؛ لأن بلاد الإسلام كالبلد الواحد بالنسبة للحربى.

كما ذهبوا إلى أنه إذا عاد فى السنة بمال آخر غير الذى عشره أخذ منه العشر.

واختلفوا فيما إذا لم تنفق تجارته التى عشرها ثم رجع بها إلى دار الحرب ثم عاد مرة أخرى بها، هل تعشر مرة ثانية أم لا؟

فذهب الحنفية والمالكية وأبو عبيد وهو وجه عند الشافعية إلى أن العشر يؤخذ منه كلما دخل دار الإسلام، سواء عاد بنفس المال أو بمال آخر سواه؛ لأن الأمان الأول قد انتهى بدخوله دار الحرب وقد رجع بأمان جديد فلا بد من تجديد العشر؛ ولأن الأخذ منهم بعد دخول دار الحرب لا يفضى إلى استئصال المال.

وذهب الحنابلة والشافعية فى أصح الوجهين، وهو ظاهر نص الإمام الشافعى، إلى أن العشر لا يؤخذ من التاجر الحربى سوى مرة واحدة فى السنة ولو تردد إلى دار الإسلام عدة مرات كالذمى؛ لأنه حق يؤخذ من التجارة فلا يؤخذ أكثر من مرة فى السنة كالزكاة ونصف العشر من الذمى وجزية الرءوس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص١١١، مادة "عشر")

تجارتی عشر وصول کرنے کا وقت

حنفیہ اور حنابلہ وغیرہ کے نزدیک حربی یعنی دارُ الکفر کے رہنے والے غیر مسلم شخص سے اس وقت تجارتی عشر وصول کیا جائے گا، جب وہ مسلمانوں کے ملک میں تجارتی مال لے کر داخل ہوگا۔

اور ذمی سے اس وقت تجارتی عشر وصول کیا جائے گا، جب وہ تجارتی مال لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں داخل ہوگا، خواہ اس کے بعد وہ اس مال کو فروخت کرے، یا فروخت نہ کرے۔ [1]

تجارتی عشر وصول کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

تجارتی عشر وصول کرنے کا حق مسلمان حکمران کو حاصل ہے، اور اگر حکومت کی طرف سے کسی عامل ونمائندے کو تجارتی عشر وصول کرنے کے لئے مقرر کیا جائے، تو اس کو بھی حکومت کی

---

[1] وقت استيفاء العشر:

يرى الحنفية والحنابلة، وابن حبيب من المالكية، أن وقت استيفاء العشر بالنسبة للحربي عند دخوله دار الإسلام، وبالنسبة للذمي عند مروره بعاشر الإقليم المنتقل إليه، سواء باع ما في يده من بضاعة أو لم يبع؛ لأن المأخوذ منهم له حق الوصول والحماية من اللصوص وقطاع الطريق.

وذهب ابن القاسم من المالكية إلى أن وقت استيفاء العشر بالنسبة للذمي الذي ينتقل ببضاعته من أفق إلى آخر عند بيع ما بيده من بضاعة، فإذا لم يبع شيئا لم يؤخذ منه شيء ؛ لأن المأخوذ منه لحق الانتفاع، أما الحربي فيؤخذ منه العشر عند دخوله دار الإسلام.

وذهب الشافعية إلى أن تحديد وقت استيفاء العشر يختلف باختلاف شرط الإمام، فإن اشترط أن يأخذ من البضاعة، أو عند الدخول كان الوقت بالنسبة للحربي عند دخول دار الإسلام وبالنسبة للذمي عند مروره بالعاشر سواء باع أو لم يبع، وإن اشترط أن يأخذ من ثمن ما باعوه كان وقت الاستيفاء بعد أن يبيعوا البضاعة فإن كسدت ولم يبيعوا لم يؤخذ منهم شيء ؛ لأنه لم يحصل الثمن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص ١١١، ١١٢، مادة "عشر")

طرف سے بطور نمائندے کے تجارتی عشر وصول کرنے کا حق ہوگا۔ [1]

حکومت کی طرف سے تجارتی عشر وصول کرنے کے لئے سرحدوں اور گزرگاہوں کے مخصوص مقامات پر جن لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے، ان کو شریعت کی زبان میں عاشر کہا جاتا ہے۔

عاشر اسلامی حکومت کی طرف سے راستے پر اس لئے مقرر کیا جاتا ہے، تاکہ جو تاجر لوگ مال لے کر گزریں ان سے مخصوص تناسب کے ساتھ مال وصول کرے، نیز وہ اس کے نتیجہ میں تاجروں کو راستوں اور گزرگاہوں پر چوروں اور ڈاکوؤں سے بچائے، اور امن دے، پس اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی حفاظت پر قادر ہو، اور حکومت کی طرف سے اس کو اس حفاظت مہیا کرنے پر پورا تعاون حاصل ہو۔ [2]

تجارتی عشر وصول کرنے کی خدمت اور ذمہ داری انجام دینا کوئی معیوب عمل نہیں ہے، صحابہ، تابعین اور سلفِ صالحین نے اس خدمت کو انجام دیا ہے۔ [3]

---

[1] من له حق استيفاء العشر:

ذهب الفقهاء إلى أن العشر من الأموال العامة التي يتولى أمرها الأئمة والولاة؛ لأن أمن الطريق بالإمام والولاة، فصار هذا المال آمنا برعايتهم وحمايتهم، فثبت حق أخذ العشر لهم.

الحق في استيفاء العشر فلا يعني ذلك أن كلا منهما سيباشر ذلك بنفسه، وإنما له أن يوكل غيره في استيفائها، ومن الطرق المتبعة في استيفاء العشور العمالة على العشور، والقبالة (التضمين)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص ١١٢، مادة "عشر")

[2] الطريقة الأولى :العمالة على العشر:

العمالة على العشر ولاية من الولايات الشرعية الصادرة عن الإمام يتم بمقتضاها استيفاء العشر وقبضه، ويطلق على عامل العشر العاشر وهو :من ينصبه الإمام على الطريق ليأخذ العشر الشامل لربعه ونصفه.

وللعاشر وظيفتان هما :الجباية والحماية، فهو يجبي العشر سواء كان المأخوذ عشرا لغويا أو ربعه أو نصفه، وهو يحمي التجار من اللصوص وقطاع الطريق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص ١١٢، مادة "عشر")

[3] حكم العمل على العشور:

العمل على العشر من الأعمال المشروعة التي عمل بها الصحابة والتابعون والسلف الصالح، وإن كان قد تحرج منها بعض الصحابة والتابعين، فقد روي أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أراد أن يستعمل أنس بن مالك رضي الله عنه على هذا العمل، فقال له :أتستعملني على المكس من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تجارتی عشر وصول کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے جس شخص کو عاشر و نمائندہ مقرر کیا جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، آزاد ہو، اور تجارتی عشر کے احکام سے واقف ہو، اور تاجروں کی راستوں اور گزرگاہوں پر چوروں اور ڈاکوؤں سے حفاظت کرنے پر قادر ہو۔ [1]

اور حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عامل یا عاشر کو چاہئے کہ وہ عشر وصول کرتے وقت لوگوں پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور ناجائز طریقہ پر دوبارہ، سہ بارہ عشر وصول نہ کرے، اور عشر وصول کرنے کے وقت اس مال کا حساب و کتاب اور متعلقہ تاجر کا نام و پتہ درج کر لے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عملک؟ فقال :ألا ترضى أن أقلدک ما قلدنيه رسول الله؟ صلى الله عليه وسلم.

وكان أول عاشر فی الإسلام زياد بن حدير الأسدی الذی بعثه عمر رضی الله عنه علی عشور العراق والشام، وأمره أن يأخذ من المسلمين ربع العشر ومن أهل الذمة نصف العشر ومن أهل الحرب العشر، فصار ذلک سنة فی المرور بأموال التجارة خاصة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۱۲،۱۱۳، مادة "عشر")

[1] شروط العاشر:

كانت مهمة العاشر لا تقتصر علی جباية العشر من تجار أهل الحرب، وأهل الذمة، وإنما تشتمل فضلا عن ذلک علی جباية الزكاة وحماية التجار من اللصوص وقطاع الطريق، فيشترط فيه من الشروط ما يؤهله للقيام بهذا العمل، ومن ذلک :الإسلام، والحرية، والعلم بأحكام العشر، والقدرة علی حماية التجار من اللصوص وقطاع الطرق؛ لأن الجباية بالحماية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱۱۳، مادة "عشر")

[2] ما يراعيه العاشر فی جباية العشور:

علی العاشر أن يراعی عند أخذه العشر الأمور التالية:

أ -أن لا يتعدى علی الناس فيما يعاملهم به، فلا يأخذ منهم أكثر مما يجب عليهم، ويجب عليه أن يمتثل ما أمره به الحاكم .

ب -أن لا يكرر أخذ العشر .فعن زياد بن حدير أنه مد حبلا علی الفرات، فمر به رجل نصرانی فأخذ منه، ثم انطلق فباع سلعته فلما رجع مر عليه فأراد أن يأخذ منه، فقال :كلما مررت عليک تأخذ منی؟ قال :نعم، فرحل الرجل إلى عمر بن الخطاب فوجده بمكة يخطب الناس، قال فقلت له :يا أمير المؤمنين، إنی رجل نصرانی مررت علی زياد بن حدير فأخذ منی، ثم انطلقت فبعت سلعتی، ثم أراد أن يأخذ منی، قال :ليس له ذلک، ليس له عليک فی مالک فی السنة إلا مرة واحدة، ثم نزل،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جن لوگوں سے وہ عشر وصول کرے، ان کے ساتھ رفق اور نرمی کا برتاؤ کرے، اور ان کے مالِ تجارت کو معائنہ کرتے وقت خراب کرنے سے بچائے۔

پھر اگر وہ تجارتی مال ہے، تو اسی مد سے وصول کیا جائے گا، اور اگر تجارتی سونے چاندی وغیرہ کی شکل میں ہو، تو پھر اسی سونے چاندی کی مد سے عشر وصول کیا جائے گا۔

اور اگر تجارتی شراب ہو، جو غیر مسلموں کے لئے لے جائی جا رہی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک عشر میں شراب کے بجائے، اس کی قیمت کو وصول کیا جائے گا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فكتب إليه في، ومكثت أياما ثم أتيته، فقلت :أنا الشيخ النصراني الذي كلمتك في زياد، فقال : وأنا الشيخ الحنيفي قد قضيت حاجتك .

ج -أن يكتب العاشر كتابا لمن يأخذ منه العشر، فقد روى أبو يوسف في كتابه الخراج أن عمر بن عبد العزيز كتب إلى رزيق بن حيان وكان على مكس مصر -يأمره بأن يكتب كتابا لمن يأخذ منه بما أخذ منهم إلى مثلها في الحول .

وذهب المالكية إلى أن العاشر لا يكتب براءة بما يأخذ من تجار أهل الحرب وأهل الذمة كما يكتب إلى تجار المسلمين؛ لأن أخذ العشر من غير المسلمين يتكرر بتكرر دخول الحربي دار الإسلام واختلاف الذمي بتجارته على العاشر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۱۳، ۱۱۴، مادة "عشر")

[1] د -الرفق بأهل العشر:

ينبغي للعاشر أن يكون رفيقا بأهل العشر عند استيفائها منهم، فلا يؤخرهم ولا يظلمهم ولا يتلف بضائعهم عند معاينتها أو تفتيشها، ويقبل منهم ما تيسر من العين أو القيمة.

فإذا أراد العاشر استيفاء العشر من الأموال التجارية التي يمر بها غير المسلم فلا يتعين الاستيفاء من العين، أو من القيمة عند جمهور الفقهاء على التفصيل التالي:

قال الحنفية والحنابلة :يؤخذ من عين السلعة الواردة، فإن كانت متاعا أخذ منه وإن كان نقدا أخذ منه، وأضاف الحنفية أن الخمر يؤخذ من قيمتها .

وذهب بعض فقهاء المالكية إلى أنه يفرق بين ما ينقسم وما لا ينقسم، فيؤخذ من أهل الذمة عشر ما ينقسم، قياسا على زكاة الزروع والثمار، وأما ما لا ينقسم فيؤخذ عشر القيمة، وذهب آخرون منهم إلى أن العاشر يأخذ القيمة على كل حال، سواء كان المال مما ينقسم أو مما يكال أو يوزن؛ لأن الأسواق تحول وتختلف فيجب أن يأخذ مالا تحيله الأسواق.

وذهب الشافعية إلى أن الأصل في استيفاء العشر العين، فيؤخذ من نفس المتاع، بدليل فعل عمر رضي الله عنه إلا أن يشترط الإمام على أهل العشور الأخذ من الثمن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۱۴، مادة "عشر")

بعض اہلِ علم حضرات نے مخصوص علاقوں کے تجارتی مال کا عشر وصول کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے دوسروں کو ٹھیکہ دینے کا بھی ذکر کیا ہے کہ حکومت کی طرف سے مخصوص لوگوں کو تجارتی عشر وصول کرنے کے لئے وہ علاقہ ایک مخصوص مدت کے لئے مخصوص رقم کے عوض میں ٹھیکہ پر دے دیا جائے، جس کے بعد وہ ٹھیکہ لینے والے لوگ وہاں سے تجارتی مال لے کر گزرنے والے اُن غیر مسلم تاجروں سے تجارتی عشر وصول کریں۔

لیکن اس طریقہ میں کیونکہ لوگوں پر ظلم وزیادتی کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لئے بعض اہلِ علم حضرات نے اس طریقہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ [1]

تجارتی عشر کن صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے؟

بعض صورتوں تجارتی عشر ساقط ومعاف ہو جاتا ہے، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... اگر کوئی غیر مسلم تاجر اسلام لے آئے، تو اس سے تجارتی عشر ساقط ہو جاتا ہے۔

(۲)...... اگر مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے مصلحت کے تحت کسی شخص سے تجارتی عشر ساقط ومعاف کر دیا جائے، مثلاً وہ تجارت کا مال ایسا ہو کہ جس کی مسلمانوں کو شدید ضرورت ہو، جیسا کہ کھانے پینے کی ضروری اشیاء، تو تجارتی عشر کا معاف وساقط کرنا، جائز ہوتا ہے۔

(۳)...... اگر کوئی تاجر حربی ایسے دارُ الکفر سے آیا ہو کہ ان کے ملک میں داخل ہونے والے مسلمانوں کے تاجروں سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص

---

[1] الطریقة الثانیة لاستیفاء العشور :القبالة (التضمین)

القبالة لغة :مصدر قبل (بفتح الباء) قال الزمخشری " :کل من تقبل بشیء مقاطعة، وکتب علیه بذلک الکتاب، فعمله القبالة (بالکسر) ، وکتابه المکتوب علیه هو القبالة (بالفتح).

وفی الاصطلاح :أن یدفع السلطان أو نائبه صقعا أو بلدة إلی رجل مدة سنة مقاطعة بمال یؤدیه إلیه عن عشور أموال التجارة، ویکتب علیه بذلک کتابا، وهی تسمی بالتضمین أو الالتزام.

وقد یقع فی جبایة العشور بهذه الطریقة ظلم لأهل العشور أو غبن لبیت المال، ولذلک مال بعض الفقهاء ومنهم ابن عابدین إلی منعها(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۰ص۱۱۴، ۱۱۵، مادة "عشر")

سے بھی تجارتی عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔

(۴)...... اگر کوئی حربی غیر مسلم تاجر مسلمانوں کے ملک میں تجارت کا مال لے کر داخل ہوا، جس کا علم نہ ہونے کی بنا پر، اس سے عشر وصول نہیں کیا جاسکا، اور پھر وہ دارالکفر میں واپس چلا گیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا عشر بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ [1]

تجارتی عشر کے مصارف

تجارتی عشر کے مصارف وہی ہیں، جو مالِ فئ اور مالِ خراج کے ہیں، اوران کا ذکر کتابِ دوم کے تحت خراج کے بیان میں گزر چکا ہے۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۲/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ 27/اکتوبر/2014ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] مسقطات العشر: يسقط العشر المستحق على أموال التجارة لغير المسلمين بالأمور التالية:
أ -الإسلام: ذهب الفقهاء إلى أن العشر الخاص بتجارة غير المسلمين يسقط عمن أسلم منهم؛ لأن ذلك إنما كان لكونهم كفارا، فإذا دخلوا فی الإسلام سقط ذلک عنهم فلم يبق الموجب للأخذ .
ب -إسقاط الإمام لها: ذهب الفقهاء إلى أنه :يجوز للإمام إسقاط العشور عن بعض التجار الذين يجلبون بضائع يحتاج إليها المسلمون :كالطعام والزيت وغير ذلک.
وقال الحنفية :لا نأخذ من الحربی شيئا إذا كان من قوم لا يأخذون من تجارنا شيئا، عملا بمبدأ المجازاة أو المعاملة بالمثل.
وصرح الحنابلة بأن للإمام إسقاط العشر إذا رأى المصلحة فی ذلک .
ج -انقطاع حق الولاية بالنسبة للحربی: نص الحنفية على :أن الحربی إذا دخل دار الإسلام ومر بالعاشر ولم يعلم به حتى خرج وعاد إلى دار الحرب ثم رجع مرة ثانية فعلم به لم يعشره لما مضى؛ لانقطاع حق الولاية عنه بالرجوع إلى دار الحرب، بخلاف الذمی فإن العشر لا يسقط عنه بعدم علم العاشر به عند المرور (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۱۵، مادة "عشر")

[2] مصارف العشر: ذهب الفقهاء إلى :أن العشر المأخوذ من تجار أهل الحرب وأهل الذمة يصرف فی مصارف الفیء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۱۱۵، مادة "عشر")

کتابِ چہارم

جزیہ
کے
احکام

مخصوص غیر مسلموں سے جزیہ کی شکل میں ٹیکس مقرر اور حاصل کرنے کے احکام
جزیہ کی حقیقت، جزیہ کی اقسام وانواع، فقہائے کرام کے درمیان جزیہ کے احکام
میں اختلاف کی وضاحت اور جزیہ کے تفصیلی احکام۔

مصنِّف
مفتی محمد رضوان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

جزیہ کی حقیقت

شرعی زبان میں جزیہ اس مال کو کہا جاتا ہے، جو ذمی (یعنی مسلمانوں کے ملک میں رہنے والے غیر مسلم) لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ [1]

اور اس جزیہ کو عربی زبان میں ''خراجُ الرأس'' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس جزیہ کا تعلق کسی مال واسباب کے بجائے افراد کے ساتھ ہوتا ہے، البتہ جزیہ کی بعض اقسام کا تعلق مال کے ساتھ بھی ہوتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] جزية:التعريف:قال الجوهرى :الجزية ما يؤخذ من أهل الذمة، والجمع الجزى (بالكسر) مثل لحية ولحى .وهى عبارة عن المال الذى يعقد الذمة عليه للكتابى .وهى فعلة من الجزاء كأنها جزت عن قتله .وقال ابن منظور :الجزية أيضا خراج الأرض .قال الله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون)

وقال النووى :الجزية (بكسر الجيم) جمعها جزى (بالكسر) أيضا كقربة وقرب ونحوه، وهى مشتقة من الجزاء كأنها جزاء إسكاننا إياه فى دارنا، وعصمتنا دمه وماله وعياله .وقيل :هى مشتقة من جزى يجزى إذا قضى .قال الله تعالى :(واتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئا أى لا تقضى .

وقال الخوارزمى :جزاء رء وس أهل الذمة جمع جزية وهو معرب :كزيت، وهو الخراج بالفارسية.

وقد اختلفت وجهات نظر الفقهاء فى تعريف الجزية اصطلاحا تبعا لاختلافهم فى طبيعتها، وفى حكم فرضها على المغلوبين الذين فتحت أرضهم عنوة (أى قهرا لا صلحا).

فعرفها الحنفية والمالكية بأنها " :اسم لما يؤخذ من أهل الذمة فهو عام يشمل كل جزية سواء أكان موجبها القهر والغلبة وفتح الأرض عنوة، أو عقد الذمة الذى ينشأ بالتراضى ."

وعرفها الحصنى من الشافعية بأنها " :المال المأخوذ بالتراضى لإسكاننا إياهم فى ديارنا، أو لحقن دمائهم وذراريهم وأموالهم، أو لكفنا عن قتالهم "وعرفها الحنابلة بأنها " :مال يؤخذ منهم على وجه الصغار كل عام بدلا عن قتلهم وإقامتهم بدارنا ."

قال القليوبى " :تطلق -أى الجزية -على المال وعلى العقد وعليهما معا .

هذا ويطلق العلماء على الجزية عدة مصطلحات وألفاظ منها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۴۹، ۱۵۰ ،مادة "جزية")

[2] أ -خراج الرأس:قال السرخسى " :إذا جعل الإمام قوما من الكفار أهل ذمة وضع الخراج على رء وس الرجال، وعلى الأرضين بقدر الاحتمال، أما خراج الرء وس فثابت بالكتاب والسنة: أما الكتاب فقوله سبحانه وتعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) وأما السنة فما روى أن النبى أخذ الجزية من مجوس هجر .

وقال ابن القيم فى أحكام أهل الذمة:الجزية هى الخراج المضروب على رء وس الكفار إذلالا وصغارا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۵۰، ۱۵۱ ،مادة "جزية")

اور عربی زبان میں بعض اوقات جزیہ کو ''جالیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ ۱؎

اور بعض اہلِ علم حضرات نے جزیہ کے مال کو عربی زبان میں ''مالِ جماجم'' بھی نام دیا ہے۔ ۲؎

۱؎ ب -الجالية:

الجالية فى اللغة :مأخوذة من الجلاء ، فيقال :جلوت عن البلد جلاء إذا خرجت .وتطلق الجالية على الجماعة، ومنه قيل :لأهل الذمة الذين أجلاهم عمر بن الخطاب رضى الله عنه عن جزيرة العرب الجالية، وقد لزمهم هذا الاسم أينما حلوا، ثم لزم كل من لزمته الجزية من أهل الكتاب بكل بلد، وإن لم يجلوا عن أوطانهم .ثم أطلقت "الجالية "على الجزية التى تؤخذ من أهل الذمة، فقيل :استعمل فلان على الجالية.

أى على جزية أهل الذمة .وجمع الجالية الجوالى .

وقد عرفها القلقشندى بأنها " :ما يؤخذ من أهل الذمة عن الجزية المقررة على رقابهم فى كل سنة."وقد استخدم هذا اللفظ فى الكتب القديمة،وفى الإيصالات التى كانت تعطى لأهل الذمة بعد دفع الجزية منذ عصر المماليك.

قال المقريزى :فأما الجزية فتعرف فى زمننا بالجوالى، فإنها تستخرج سلفا وتعجيلا فى غرة السنة، وكان يتحصل منها مال كثير فيما مضى.

قال القاضى الفاضل فى متجددات الحوادث :الذى انعقد عليه ارتفاع الجوالى لسنة سبع وثمانين وخمسمائة مائة ألف وثلاثون ألف دينار، وأما فى وقتنا هذا، فإن الجوالى قلت جدا، لكثرة إظهار النصارى للإسلام فى الحوادث التى مرت بهم.

وقال ابن عابدين :تسمى -أى الجزية -جالية وفى الإيصالات التى كانت تعطى لأهل الذمة بعد دفع الجزية منذ عصر المماليك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۵۱،مادة "جزية")

۲؎ ج -مال الجماجم:

الجماجم جمع جمجمة :وهى عظم الرأس المشتمل على الدماغ، وربما عبر بها عن الإنسان، فيقال :خذ من كل جمجمة درهما، كما يقال :خذ من كل رأس درهما .

وقد أطلق على الجزية مال الجماجم؛ لأنها تفرض على الرء وس.

قال ابن سعد فى ترجمة عمر بن الخطاب رضى الله عنه " :هو أول من مسح السواد وأرض الجبل، ووضع الخراج على الأرضين، والجزية على جماجم أهل الذمة فيما فتح من البلدان .

وقال الخوارزمى :ويسمى -أى خراج الرأس -فى بعض البلدان مال الجماجم، وهى جمع جمجمة، وهى الرأس .

وجاء فى خطط المقريزى عند الحديث عن خراج مصر " :أول من جبى خراج مصر فى الإسلام عمرو بن العاص رضى الله عنه، فكانت جبايته اثنى عشر ألف ألف دينار بفريضة دينارين دينارين من كل رجل، ثم جبى عبد الله بن سعد . . .أربعة عشر ألف ألف دينار . .وهذا الذى جباه عمرو ثم عبد الله هو من الجماجم خاصة دون الخراج (الموسوعة الفقهية الكويتية،

ج۱۵ ص ۱۵۱، ۱۵۲، مادة "جزية")

جزیہ بھی خراج اور مالِ تجارت کے عشر کی طرح کا ایک ٹیکس ہے، مگر یہ فرق ہے کہ خراج تو ہمیشہ زمین یا اس کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے، اور بعض اوقات مسلمان پر بھی عائد ہوتا ہے، اور مالِ تجارت کا عشر صرف تجارتی مال پر عائد ہوتا ہے، جبکہ جزیہ کا تعلق زمین یا اس کی پیداوار یا مالِ تجارت کے بجائے عموماً افراد کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ مختلف افراد پر کمی زیادتی کے بغیر یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] البتہ جزیۂ صلحیہ کسی علاقہ یا شہر کے مجموعی افراد پر بھی بغیر افراد کی تعداد کے مقرر و طے کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

الألفاظ ذات الصلة بالجزية:

أ -الغنيمة: الغنيمة :اسم للمأخوذ من أهل الحرب على سبيل القهر والغلبة .
ويدخل فيها الأموال والأسرى من أهل الحرب إذا استرقوا فالغنيمة مباينة للجزية لأن الجزية تؤخذ من غير قتال، والغنيمة لا تكون إلا في القتال.

ب -الفيء :

الفيء :كل ما صار للمسلمين من الكفار من قبل الرعب والخوف من غير أن يوجف عليه بخيل أو رجل (مشاة) - أي بغير قتال " -

والفيء ضربان :أحدهما :ما انجلوا عنه :أي هربوا عنه خوفا من المسلمين، أو بذلوه للكف عنهم .
والثاني :ما أخذ من غير خوف :كالجزية والخراج الصلحي والعشور .فبين الفيء والجزية عموم وخصوص، فالفيء أعم من الجزية .

ج -الخراج:

الخراج هو ما يوضع على الأرض غير العشرية من حقوق تؤدى عنها إلى بيت المال، ووجه الصلة بينه وبين الجزية أنهما يجبان على أهل الذمة، ويصرفان في مصارف الفيء .

ومن الفروق بينهما :أن الجزية توضع على الرءوس، أما الخراج فيوضع على الأرض، والجزية تسقط بالإسلام، أما الخراج فلا يسقط بالإسلام، ويبقى مع الإسلام والكفر .

د -العشور: العشور في الاصطلاح نوعان :أحدهما :عشور الزكاة وهي ما يؤخذ في زكاة الزروع والثمار على ما يعرف في بابه، والثاني :ما يفرض على الكفار في أموالهم المعدة للتجارة إذا انتقلوا بها من بلد إلى بلد في دار الإسلام، وسميت بذلك لكون المأخوذ عشرا، أو مضافا إلى العشر: كنصف العشر.

ووجه الصلة بينها وبين الجزية أن كلا منهما يجب على أهل الذمة وأهل الحرب المستأمنين، ويصرف في مصارف الفيء .

والفرق بين العشور والجزية أن الجزية على الرءوس وهي مقدار معلوم لا يتفاوت بحسب الشخص، والعشر على المال(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۵۲، ۱۵۳، مادة "جزية")

اسلام میں جزیہ کی مشروعیت

اسلام میں جزیہ کا حکم مکہ کے فتح ہونے کے بعد آیا، جس کا ذکر سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۹ میں بایں الفاظ آیا ہے کہ "يُعْطُوا الْجِزْيَةَ" کہ "وہ جزیہ ادا کریں"۔

اور احادیث میں بھی جزیہ کا ذکر آیا ہے۔ [۱]

---

[۱] تاريخ تشريع الجزية فى الإسلام:

بعد أن تم فتح مكة فى أواخر السنة الثامنة للهجرة، ودخل الناس فى دين الله أفواجا واستقرت الجزيرة العربية على دين الله تعالى أمر الله سبحانه وتعالى رسوله الكريم بمجاهدة أهل الكتاب من اليهود والنصارى فى قوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) ولهذا جهزرسول الله صلى الله عليه وسلم لقتال الروم ودعا المسلمين إلى ذلك، وندب الأعراب الذين يسكنون حول المدينة المنورة إلى قتالهم، فأوعبوا معه واجتمع من المقاتلة نحو ثلاثين ألفا، وتخلف بعض الناس من أهل المدينة ومن حولها من المنافقين وغيرهم .وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بمن معه يريد الشام فى السنة التاسعة للهجرة، فبلغ تبوك ونزل بها، وأقام فيها نحوا من عشرين يوما، يبايع القبائل العربية على الإسلام، ويعقد المعاهدات مع القبائل الأخرى على الجزية إلى أن تم خضوع تلك المنطقة لحكم الإسلام .قال الطبرى عند تفسير آية الجزية ": نزلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فى أمره بحرب الروم، فغزا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد نزولها غزوة تبوك ."ثم ذكر أن هذا القول مروى عن مجاهد بن جبر .

بهذه الآية تم تشريع الجزية.

وقد اختلف العلماء فى وقت تشريعها تبعا لاختلافهم فى وقت نزول الآية.

فذهب ابن القيم إلى أن الجزية لم تؤخذ من أحد من الكفار إلا بعد نزول آية سورة براء ة فى السنة الثامنة من الهجرة.

وذهب ابن كثير فى تفسيره إلى أن آية الجزية نزلت فى السنة التاسعة للهجرة، حيث قال عند تفسيره للآية :هذه الآية الكريمة أول الأمر بقتال أهل الكتاب بعدما تمهدت أمور المشركين ودخل الناس فى دين الله أفواجا واستقامت جزيرة العرب، أمر الله رسوله بقتال أهل الكتابين، وكان ذلک فى سنة تسع .

هذا ولم يأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم جزية من أحد من الكفار قبل نزول آية الجزية، فلما نزلت أخذها من نصارى نجران، ومجوس هجر، ثم أخذها من أهل أيلة، وأذرح، وأهل أذرعات وغيرها من القبائل النصرانية التى تعيش فى أطراف الجزيرة العربية .

روى أبو عبيد -بسنده -إلى ابن شهاب قال " :أول من أعطى الجزية أهل نجران وكانوا نصارى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی وجہ سے اہلِ علم حضرات کے بقول جزیہ کا حکم قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے دلائل سے ثابت ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذكر ابن القيم في زاد المعاد :لما نزلت آية الجزية أخذها -أى رسول الله صلى الله عليه وسلم - من المجوس وأخذها من أهل الكتاب وأخذها من النصارى.ويقصد مجوس البحرين أو مجوس هجر .

روى البخارى -بسنده -إلى المسور بن مخرمة قال :إن عمرو بن عوف الأنصارى وهو حليف لبنى عامر بن لؤى، وكان شهد بدرا أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة إلى البحرين يأتى بجزيتها، وكان رسول الله هو صالح أهل البحرين، وأمر عليهم العلاء بن الحضرمى .

وبعد أن أخذها صلى الله عليه وسلم من نصارى نجران ومجوس هجر أخذها من بعض القبائل اليهودية، والنصرانية فى تبوك فى السنة التاسعة للهجرة فأخذها من أهل أيلة حيث قدم يوحنا بن رؤبة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فى تبوك، وصالحه على كل حالم بالغ بأرضه فى السنة دينار، واشترط عليهم قرى من مر بهم من المسلمين، وكتب لهم كتابا بأن يحفظوا ويمنعوا .

وأخذها من أهل أذرح وأهل الجرباء وأهل تبالة وجرش، وأهل أذرعات وأهل مقنا، وكان أهلها يهودا، فصالحهم رسول الله صلى الله عليه وسلم على ربع غزولهم وثمارهم وما يصطادون على العروك .

وأخذها رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك من أهل اليمن، حيث أرسل معاذ بن جبل إليهم. فقال معاذ " :بعثنى رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن وأمرنى أن آخذ من كل حالم دينارا .

وروى أبو عبيد كتاب الرسول إلى أهل اليمن حيث جاء فيه :من محمد إلى أهل اليمن . .وأنه من أسلم من يهودى أو نصرانى فإنه من المؤمنين، له ما لهم وعليه ما عليهم،ومن كان على يهوديته أو نصرانيته فإنه لا يفتن عنها وعليه الجزية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ص ۱۵۳، ۱۵۶،مادة "جزية")

؎ الأدلة على مشروعية الجزية:

ثبتت مشروعية الجزية بالكتاب والسنة والإجماع.

أما الكتاب فقوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون)

فالآية تدل على مشروعية أخذ الجزية من أهل الكتاب الذين وصفهم الله تعالى بالصفات المذكورة فيها .ولهذا شرع الله مجاهدة الكافرين، ومقاتلتهم حتى يرجعوا عن تلك الصفات، ويدخلوا الدين الحق، أو يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون .

وأما السنة فقد وردت أحاديث كثيرة سبق بعضها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جزیہ کی حکمت و مصلحت

جزیہ کے حکم میں کئی حکمتیں و مصلحتیں ہیں۔

چنانچہ جزیہ غیر مسلموں کی طرف سے مسلمانوں کے ملکی احکام وقوانین کی تابعداری اختیار

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنها ما روى مسلم وغيره عن بريدة .كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أمر أميرا على جيش أو سرية أوصاه فى خاصة نفسه بتقوى الله ومن معه من المسلمين خيرا .ثم قال :اغزوا باسم الله فى سبيل الله .قاتلوا من كفر بالله .اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا .وإذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال أو خلال .فأيتهن ما أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم، ثم ادعهم إلى الإسلام .فإن أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم، ثم ادعهم إلى التحول عن دارهم إلى دار المهاجرين .وأخبرهم أنهم إن فعلوا ذلك فلهم ما للمهاجرين، وعليهم ما على المهاجرين، فإن أبوا أن يتحولوا منها فأخبرهم أنهم يكونون كأعراب المسلمين، يجرى عليهم حكم الله الذى يجرى على المؤمنين، ولا يكون لهم فى الغنيمة والفىء شىء ، إلا أن يجاهدوا مع المسلمين، فإن هم أبوا فسلهم الجزية، فإن هم أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم فإن هم أبوا فاستعن بالله وقاتلهم .

فقوله :فإن هم أبوا فسلهم الجزية يدل على مشروعية الجزية وإقرارها.

أما ما ورد من أحاديث تدل على أنه لا يقبل من الكفار إلا الإسلام أو السيف :كحديث: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله فمن قالها فقد عصم منى نفسه وماله إلا بحقه وحسابه على الله.

فقد ذهب الجمهور إلى أنها كانت فى بداية الإسلام قبل نزول آية براء ة، وسورة براء ة من آخر ما نزل من القرآن، قال أبو عبيد " :وإنما توجه هذه الأحاديث على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما قال ذلك فى بدء الإسلام، وقبل أن تنزل سورة براء ة، ويؤمر فيها بقبول الجزية فى قوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) وإنما نزل هذا فى آخر الإسلام، وفيه أحاديث، منها عن ابن عباس عن عثمان رضى الله عنهما قال " :كانت براءة من آخر ما نزل من القرآن وقال مجاهد فى آية الجزية: نزلت حين أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أصحابه بغزوة تبوك وقال :سمعت هشيما يقول :كانت تبوك آخر غزاة غزاها رسول الله صلى الله عليه وسلم .

وأما الإجماع فقد أجمع العلماء على جواز أخذها فى الجملة، وقد أخذها أبو بكر وعمر رضى الله عنهما وسائر الخلفاء دون إنكار من أحد من المسلمين فكان إجماعا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۵۶ ،۱۵۷ ،مادة "جزية")

کرنے کی علامت ہے۔ ۱؎

اور جزیہ غیر مسلموں کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ اور وسیلہ بھی ہے۔ ۲؎

۱؎ الحكمة من مشروعية الجزية:

الجزية علامة خضوع وانقياد لحكم المسلمين:

قال ابن منظور :قوله عز وجل :(حتى يعطوا الجزية عن يد)

قيل :معناه عن ذل وعن اعتراف للمسلمين بأن أيديهم فوق أيديهم، وقيل عن يد :أى عن إنعام عليهم بذلك؛ لأن قبول الجزية وترك أنفسهم عليهم نعمة عليهم ويد من المعروف جزيلة .

وقيل :عن يد أى عن قهر وذل واستسلام كما تقول :اليد فى هذا لفلان أى الأمر النافذ لفلان.

وروى عن عثمان البزى :عن يد قال :نقدا عن ظهر يد ليس بنسيئة

وقال أبو عبيدة :كل من أطاع لمن قهره فأعطاه عن غير طيبة نفسه، فقد أعطاها عن يد." . .

وقد ذكر المفسرون هذه المعانى عند تفسير قوله تعالى :(عن يد) ، فقال النيسابورى:

(عن يد) إن أريد بها يد المعطى فالمراد :عن يد مؤاتية غير ممتنعة، يقال أعطى بيده إذا انقاد وأصحب، أو المراد حتى يعطوها عن يد إلى يد نقدا غير نسيئة ولا مبعوثا على يد أحد .وإن أريد بها يد الآخذ فمعناه حتى يعطوها عن يد قاهرة مستولية أى بسببها، أو المراد عن إنعام عليهم، فإن قبول الجزية منهم بدلا عن أرواحهم نعمة عظيمة عليهم .

وفسر الشافعى الصغار بإجراء حكم الإسلام عليهم حيث قال :سمعت رجالا من أهل العلم يقولون: الصغار أن يجرى عليهم حكم الإسلام وما أشبه ما قالوا بما قالوا، لامتناعهم من الإسلام .فإذا جرى عليهم حكمه فقد أصغروا بما يجرى عليهم منه، فعلى هذا المعنى يكون دفع الجزية من الكافرين والخضوع لسلطان المسلمين موجبا للصغار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۵۷،۱۵۸ ،مادة "جزية")

۲؎ الجزية وسيلة لهداية أهل الذمة:

قال القرافى " :إن قاعدة الجزية من باب التزام المفسدة الدنيا لدفع المفسدة العليا وتوقع المصلحة، وذلك هو شأن القواعد الشرعية،بيانه :أن الكافر إذا قتل انسد عليه باب الإيمان، وباب مقام سعادة الإيمان، وتحتم عليه الكفر والخلود فى النار، وغضب الديان، فشرع الله الجزية رجاء أن يسلم فى مستقبل الأزمان، لا سيما باطلاعه على محاسن الإسلام .

وتظهر هذه الحكمة فى تشريع الجزية من جانبين:

الأول :الصغار الذى يلحق أهل الذمة عند دفع الجزية.

وقال إلكيا الهراسى فى أحكام القرآن " :فكما يقترن بالزكاة المدح والإعظام والدعاء له، فيقترن بالجزية الذل والذم، ومتى أخذت على هذا الوجه كان أقرب إلى أن لا يثبتوا على الكفر لما يتداخلهم من الأنفة والعار، وما كان أقرب إلى الإقلاع عن الكفر فهو أصلح فى الحكمة وأولى بوضع الشرع .

والثانى :ما يترتب على دفع الجزية من إقامة فى دار الإسلام واطلاع على محاسنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ جزیہ غیر مسلموں کے جان ومال کے دفاع اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہے کہ اس کے نتیجہ میں غیر مسلموں کی جان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ [1]

اور جزیہ کی مَد میں حاصل شدہ مال کے ذریعہ لوگوں کی بنیادی اور اجتماعی ضروریات اور مصالح کا انتظام ہوتا ہے، جن میں ملک کے باشندوں کا اجتماعی فائدہ ہے، کیونکہ جزیہ کا مال اسی قسم کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جاتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحطاب -فی بیان الحکمة :-الحکمة فی وضع الجزیة أن الذل الذی یلحقهم یحملهم علی الدخول فی الإسلام مع ما فی مخالطة المسلمین من الاطلاع علی محاسن الإسلام (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۵۸، ۱۵۹، مادة "جزیة")

[1] الجزیة وسیلة للتخلص من الاستئصال والاضطهاد:

الجزیة نعمة عظمی تسدی لأهل الذمة، فهی تعصم أرواحهم وتمنع عنهم الاضطهاد، وقد أدرک هذه النعمة أهل الذمة الأوائل، فلما رد أبو عبیدة الجزیة علی أهل حمص لعدم استطاعته توفیر الحمایة لهم قالوا لولاته " :والله لولایتکم وعدلکم، أحب إلینا مما کنا فیه من الظلم والغشم فقد أقر أهل حمص بأن حکم المسلمین مع خلافهم لهم فی الدین، أحب إلیهم من حکم أبناء دینهم، وذلک لما ینطوی علیه ذلک الحکم من ظلم وجور واضطهاد وعدم احترام للنفس الإنسانیة.

فإذا قارنا بین الجزیة بما انطوت علیه من صغار، وبین تلک الأعمال الوحشیة التی یمارسها أهل العقائد مع المخالفین لهم فی المعتقد، تکون الجزیة نعمة مسداة إلی أهل الذمة، ورحمة مهداة إلیهم، وهی تستلزم شکر الله تعالی، والاعتراف بالجمیل للمسلمین(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۵۹، مادة "جزیة")

[2] الجزیة مورد مالی تستعین به الدولة الإسلامیة فی الإنفاق علی المصالح العامة والحاجات الأساسیة للمجتمع.

تعتبر الجزیة موردا مالیا من موارد الدولة الإسلامیة، تنفق منه علی المصالح العامة والحاجات الأساسیة للمجتمع :کالدفاع عن البلاد، وتوفیر الأمن فی المجتمع، وتحقیق التکافل الاجتماعی، والمرافق العامة :کبناء المدارس والمساجد والجسور والطرق وغیر ذلک.

قال ابن العربی فی بیان الحکمة من مشروعیة الجزیة " :فی أخذها معونة للمسلمین ورزق حلال ساقه الله إلیهم .

وجاء فی مغنی المحتاج " :بل هی نوع إذلال لهم ومعونة لنا .

وجبایة المال لیست هی الهدف الأساسی من تشریع الجزیة، وإنما الهدف الأساسی هو تحقیق خضوع أهل الذمة إلی حکم المسلمین، والعیش بین ظهرانیهم لیطلعوا علی محاسن الإسلام وعدل المسلمین، فتکون هذه المحاسن بمثابة الأدلة المقنعة لهم علی الإقلاع عن الکفر والدخول فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جزیہ کی انواع

فقہائے کرام نے مختلف جہات سے جزیہ کی کئی اقسام بیان اور طے کی ہیں۔

چنانچہ مالِ جزیہ کے رضامندی اور بغیر رضامندی کے حاصل کئے جانے کے اعتبار سے دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک جزیۂ صلحیہ، اور دوسرے جزیۂ عنویہ۔ [1]

جزیۂ صلحیہ وہ کہلاتا ہے، جو غیر مسلموں کے ساتھ باہمی مصالحت اور ان کی رضامندی سے مقرر و طے کیا جائے۔

جزیۂ عنویہ وہ کہلاتا ہے کہ جو کسی علاقہ کو غلبہ کے ذریعہ سے فتح کرنے کے بعد اس علاقہ کے غیر مسلم باشندوں کی رضامندی کے بغیر ان پر عائد کر دیا جائے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الإسلام، والذى يؤيد ذلك أن الجزية تسقط عمن وجبت عليه بمجرد دخوله فى الإسلام، وأن الحكومة الإسلامية لا تقدم على فرض الجزية على الأفراد إلا بعد تخييرهم بين الإسلام والجزية، وهى تفضل دخول أهل البلاد المفتوحة فى الإسلام وإعفاءهم من الجزية على البقاء فى الكفر ودفع الجزية؛ لأنها دولة هداية لا جباية.

جاء فى تاريخ الطبرى عن زياد بن جزء الزبيدى قال " :كتب عمر إلى عمرو بن العاص . .فاعرض على صاحب الإسكندرية أن يعطيك الجزية على أن تخيروا من فى أيديكم من سبيهم بين الإسلام وبين دين قومه، فمن اختار منهم الإسلام فهو من المسلمين له ما لهم وعليه ما عليهم، ومن اختار دين قومه وضع عليه من الجزية ما يوضع على أهل دينه "ثم قال " :فجمعنا ما فى أيدينا من السبايا واجتمعت النصارى، فجعلنا نأتى بالرجل ممن فى أيدينا، ثم نخيره بين الإسلام وبين النصرانية، فإذا اختار الإسلام كبرنا تكبيرة هى أشد من تكبيرنا حين نفتح القرية، ثم نحوزه إلينا .وإذا اختار النصرانية نخرت النصارى -أى أخرجوا أصواتا من أنوفهم -ثم حازوه إليهم ووضعنا عليه الجزية، وجزعنا من ذلك جزعا شديدا حتى كأنه رجل خرج منا إليهم . .فكان ذلك الدأب حتى فرغنا منهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۵۹، ۱۶۰، مادة "جزية")

[1] أنواع الجزية:قسم الفقهاء الجزية -باعتبارات مختلفة -إلى أقسام، فقسموها -باعتبار رضا المأخوذ منه وعدم رضاه ،إلى صلحية وعنوية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۶۰، مادة "جزية")

[2] أولا -الجزية الصلحية والعنوية:

صرح بهذا التقسيم الحنفية والمالكية، ولا يرد هذا التقسيم عند الشافعية والحنابلة، لأنهم يرون عدم وجوب الجزية على المغلوبين بدون رضاهم .

فالجزية الصلحية :هى التى توضع على أهل الذمة بالتراضى والصلح .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جزیۂ صلحیہ تو ان غیر مسلموں پر مقرر ہوتا ہے، جن کی خواہش اور رضامندی کے ساتھ مصالحت کی جائے، جبکہ جزیۂ عنویہ اُن کی رضامندی کے بغیر طے ہوتا ہے۔

اور جزیۂ عنویہ کی مقدار بعض فقہائے کرام کے نزدیک مقرر ہے، جبکہ جزیۂ صلحیہ کی مقدار مقرر نہیں، بلکہ اس کی مقدار باہمی رضامندی سے مقرر وطے کی جاتی ہے۔

اور جزیۂ عنویہ کے لئے عاقل، بالغ وغیرہ ہونے کی شرط ہے، جبکہ جزیۂ صلحیہ کے لئے یہ شرط نہیں، بلکہ اس کا دارومدار باہمی مصالحت کے مطابق طے شدہ شرائط پر ہے۔

اور جزیہ عنویہ صرف اشخاص اور افراد پر عائد ہوتا ہے، جبکہ جزیۂ صلحیہ حسبِ مصالحت افراد واشخاص کے علاوہ بعض اوقات مال پر بھی عائد ہوتا ہے۔

اور جزیۂ عنویہ کا تعلق ہر ہر شخص وفرد سے ہوتا ہے، جبکہ جزیۂ صلحیہ حسبِ مصلحت ہر ہر شخص اور فرد کے علاوہ کسی علاقہ یا شہر کے لئے مجموعی طور پر (افراد کے شمار کے بغیر) بھی طے ومقرر کرلیا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعرفها العدوى بأنها :ما التزم كافر قبل الاستعلاء عليه أداء ه مقابل إبقائه فى بلاد الإسلام ويمثل لهذا النوع بما وقع من صلح النبى صلى الله عليه وسلم لأهل نجران على ألفي حلة ، وكذا ما وقع من صلح عمر رضى الله عنه لأهل بيت المقدس.

وأما الجزية العنوية :فهى التى توضع على أهل البلاد المفتوحة عنوة بدون رضاهم، فيضعها الإمام على المغلوبين الذين أقرهم على أرضهم .وقد عرفها ابن عرفة بأنها " :ما لزم الكافر من مال لأمنه باستقراره تحت حكم الإسلام وصونه، ويمثل لهذا النوع بما فرضه عمر بن الخطاب على أهل الذمة فى سواد العراق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص ١٦٠، ١٦١ ،مادة "جزية")

[1] الفرق بين الجزية الصلحية والجزية العنوية:

تفترق الجزية الصلحية عن الجزية العنوية من عدة وجوه وهى:

١ - الجزية الصلحية توضع على أهل الصلح من الكافرين الذين طلبوا باختيارهم ورضاهم من المسلمين المصالحة على الجزية.

أما الجزية العنوية فهى التى تفرض على المغلوبين بدون رضاهم.

٢ - الجزية العنوية محددة المقدار عند بعض الفقهاء كما سنبين فى مقدار الجزية .أما الجزية الصلحية فليس لها حد معين وإنما تكون بحسب ما يقع عليه الاتفاق.

٣ - الجزية العنوية يشترط لها شروط معينة كالعقل والبلوغ والذكورة أما الجزية الصلحية فلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جزیہ کے محل ومقام کے اعتبار سے فقہائے کرام نے دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک کو عربی زبان میں ''جزیۂ رؤوس'' اور دوسری کو ''جزیۂ عشریہ'' کہا جاتا ہے۔ [1]

جزیۂ رؤوس تو وہ ہے، جو ذمی لوگوں کے اشخاص وافراد پر مقرر کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہر شخص پر ایک دینار۔

اور جزیۂ عشریہ وہ ہے، جو ذمی لوگوں کے اموال میں مقرر کیا جاتا ہے، جیسا کہ مال کا دسواں حصہ یا بیسواں حصہ، جو کہ باہمی مصالحت سے طے کیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے یہ جزیۂ صلحیہ کے تحت آتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يشترط لها هذه الشروط، فإذا صالح الإمام أهل بلد على أن يعطوا الجزية عن أولادهم الصغار، وعن النساء جاز للإمام أخذها منهم.

۴ - الجزية العنوية تضرب على الأشخاص ولا تضرب على الأموال، أما الجزية الصلحية فيجوز أن تضرب على الأموال كما تضرب على الأشخاص، فيجوز ضربها على الماشية وأرباح المهن الحرة وغير ذلك.

۵ - الجزية العنوية تضرب على الأشخاص تفصيلا ولا تضرب عليهم إجمالا، أما الجزية الصلحية فيجوز ضربها على أهل الذمة إجمالا وتفصيلا، فيجوز ضربها على أهل بلد بمقدار معين يدفعونه عن أنفسهم كل سنة، كالصلح الذى وقع بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وأهل نجران، فقد صالحهم على ألفي حلة فى السنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۱، مادة ''جزية'')

[1] وقسموها -باعتبار محلها :هل تكون على الرء وس أو على الأموال التى يكتسبها الذمى؟ إلى جزية رء وس وجزية عشرية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۰، مادة ''جزية'')

[2] ثانيا -جزية الرء وس، والجزية على الأموال:

قسم الفقهاء الجزية -باعتبار المحل الذى تجب فيه -إلى جزية رء وس وجزية على الأموال.

فجزية الرء وس توضع على الأشخاص :كدينار على كل شخص، ومن ذلك جزية أهل اليمن، حيث وضع الرسول صلى الله عليه وسلم على كل حالم دينارا .

والجزية العشرية :ما يفرض على أهل الذمة فى أموالهم :كالعشر أو نصف العشر ومن ذلك ما وقع من صلح رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل "مقنا" على ربع عروكهم وغزولهم وربع ثمارهم .

وكذا ما وقع من صلح عمر رضى الله عنه لنصارى بنى تغلب على نصف عشر أموالهم، أو ضعف ما يجب على المسلمين فى أموالهم من الزكاة .

فالجزية العشرية -بهذا الوصف -تدخل تحت الجزية الصلحية التى تتم بالاتفاق بين الإمام أو نائبه وبين أهل الذمة، فيجوز الصلح على جزء من أموالهم كما يجوز على أشخاصهم .(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۲، مادة ''جزية'')

طبیعتِ جزیہ

جزیہ کی طبیعت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ آیا یہ کفر پر قائم رہنے کی سزا کے طور پر مقرر ہے، یا پھر کسی چیز کے بدلہ میں مقرر کیا گیا ہے، یا پھر یہ کہ یہ ایک مالی حکم ہے، جو کسی چیز کے عوض میں مقرر نہیں کیا گیا؟

تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جزیہ کسی چیز کا معاوضہ ہونے کے بجائے، کفر پر قائم رہنے کی سزا کے طور پر مقرر ہے۔ [1]

اور کئی دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ کسی چیز کے بدلہ میں مقرر کیا گیا ہے، اور وہ چیز مسلمانوں کے ملک میں رہ کر اپنی حفاظت اور نصرت وغیرہ کا حاصل کرنا ہے، اور ان کے نزدیک جزیہ دراصل ایک طرح کی اجرت ہے۔ [2]

---

[1] طبيعة الجزية :اختلف الفقهاء فى حقيقة الجزية، هل هى عقوبة على الإصرار على الكفر، أم أنها عوض عن معوض، أم أنها صلة مالية وليست عوضا عن شىء ؟
فذهب أبو حنيفة وبعض المالكية إلى أنها وجبت عقوبة على الإصرار على الكفر، ولهذا لا تقبل من الذمى إذا بعث بها مع شخص آخر، بل يكلف أن يأتى بها بنفسه، فيعطى قائما والقابض منه قاعد .
واستدلوا لذلک بقوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون)
قال ابن عباس -فى تفسير قوله :(عن يد) - يدفعها بنفسه غير مستنيب فيها أحدا .فلا بد من أداء الجزية وهو بحالة الذل والصغار عقوبة له على الإصرار على الكفر.
ولأن الجزية مشتقة من الجزاء ، وهو إما أن يطلق على الثواب بسبب الطاعة، وإما أن يطلق على العقوبة بسبب المعصية .ولا شک فى انتفاء الأول، لأن الكفر معصية وشر، وليس طاعة فيتعين الثانى للجزاء :وهو العقوبة بسبب الكفر .قال ابن العربى :واستدل علماؤنا على أنها عقوبة بأنها وجبت بسبب الكفر وهو جناية، فوجب أن يكون مسببها عقوبة، ولذلک وجبت على من يستحق العقوبة وهم البالغون العقلاء المقاتلون .
ولأن الواجب فى حق الكفار ابتداء هو القتل عقوبة لهم على الكفر، فلما دفع عنهم القتل بعقد الذمة الذى يتضمن الجزية، صارت الجزية عقوبة بدل عقوبة القتل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۶۲ ، مادة "جزية")

[2] وذهب جمهور الفقهاء :إلى أن الجزية تجب على أهل الذمة عوضا عن معوض، ثم اختلفوا بعد ذلک فى المعوض الذى تجب الجزية بدلا عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عقدِ ذمہ

"عقدِ ذمہ" یعنی ذمہ کا عقد وجود میں آنے کے بعد ذمی لوگوں پر جزیہ لازم ہوجاتا ہے، اور عقدِ ذمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم غیر مسلموں کو اپنے زیرِ حکومت ملک وعلاقہ میں رہائش اور سکونت اختیار کرنے دیں گے، اور وہ اگر پہلے سے اس ملک وعلاقے کے باشندے ہیں، تو ان کو بے دخل نہیں کریں گے، اور جان ومال، تمدنی وشہری حقوق اور اپنے مذہب پر مخصوص

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فقال بعض فقهاء الحنفية :الجزية تجب عوضا عن النصرة :ويقصدون بذلك نصرة المقاتلة الذين يقومون بحماية دار الإسلام والدفاع عنها.

واستدلوا لذلك بأن النصرة تجب على جميع رعايا الدولة الإسلامية ومنهم أهل الذمة.

فالمسلمون يقومون بنصرة المقاتلة :إما بأنفسهم، وإما بأموالهم، فيخرجون معهم للجهاد فی سبیل الله، وينفقون من أموالهم فی سبيل الله، قال تعالى :(يا أيها الذين آمنوا هل أدلكم على تجارة تنجيكم من عذاب أليم تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون فی سبيل الله بأموالكم وأنفسكم ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون)

ولما فاتت النصرة من أهل الذمة بأنفسهم بسبب إصرارهم على الكفر، تعينت عليهم النصرة بالمال :وهي الجزية.

وقال الشافعية والحنابلة وبعض فقهاء الحنفية والمالكية :الجزية تجب بدلا عن العصمة أو حقن الدم، كما تجب عوضا عن سكنى دار الإسلام والإقامة فيها.

فإذا كانت عوضا عن العصمة وحقن الدم تكون فی معنى بدل الصلح عن دم العمد.

وإذا كانت عوضا عن السكنى فی دار الإسلام والإقامة فيها، تكون فی معنى بدل الإجارة .

واستدلوا على كونها بدلا عن العصمة أو حقن الدم بآية الجزية المتقدمة، فقد أباح الله تعالى دماء الكفار ثم حقنها بالجزية، فكانت الجزية عوضا عن حقن الدم.

واستدلوا على كونها عوضا عن سكنى الدار بأن الكفار مع الإصرار على الكفر وعدم الخضوع لأحكام الإسلام بعقد الذمة لا يقرون فی دارنا، ولا يصيرون من أهل تلك الدار إلا بعقد الذمة وأداء الجزية .فتكون الجزية بذلك بدلا عن سكنى دار الإسلام.

وقد رد ابن القيم هذا القول من وجوه كثيرة .وذهب بعض فقهاء الحنفية إلى أن الجزية صلة مالية تجب على أهل الذمة، وليست بدلا عن شیء ، فهي ليست بدلا عن حقن الدم؛ لأن قتل الكافر جزاء مستحق لحق الله تعالى، فلا يجوز إسقاطه بعوض مالی أصلا كالحدود، ولذا لا تجب على الفقير العاجز وتسقط بالموت قبل الأداء .وهي ليست بدلا عن سكنى الدار؛ لأن الذمی يسكن ملك نفسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۶۲ ا،۶۳ ا ، مادة "جزية")

شرائط کے ساتھ عمل درآمد میں رکاوٹ ڈالنے کے بجائے ان کو حفاظت مہیا کریں گے۔ ۱

اور اسی وجہ سے جب کوئی غیر مسلموں کی جماعت عقدِ ذمہ کو طلب کرے، اور ان کو مسلمانوں کے علاقہ میں جزیہ کے عوض سکونت ورہائش دینے میں کوئی شرعی مانع بھی نہ ہو، تو مسلمانوں یا ان کے حکمران پر ان کے اس عقد کو قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ان کی طرف سے دھوکہ دہی اور مسلمانوں پر چڑھائی اور غلبہ وغیرہ کا خوف نہ ہو۔ ۲

اور عقدِ ذمہ کے ارکان، ایجاب وقبول ہیں، لہٰذا ایجاب وقبول سے عقدِ ذمہ وجود میں آتا ہے، ایجاب تو غیر مسلموں کی طرف سے ہوتا ہے، خواہ صریح الفاظ کے ساتھ ہو، یا پھر کسی ایسے فعل کے ساتھ ہو، جو جزیہ کو قبول کرنے پر دلالت کرے۔

اور قبول مسلمانوں کے حکمرانِ اعظم یا اس کے قائم مقام کی طرف سے ہوتا ہے۔

اور عقدِ ذمہ کا یہ معاملہ عموماً دائمی وابدی ہوتا ہے، جس کا مسلمانوں کو توڑنا جائز نہیں ہوتا، تا آنکہ ذمیوں کی طرف سے عقدِ ذمہ کو توڑنے والی کوئی بات نہ پائی جائے۔ ۳

---

۱ عقد الذمة:يترتب على عقد الذمة لزوم الجزية لأهل الذمة.
فعقد الذمة هو :التزام تقرير الكفار فى دارنا وحمايتنا لهم، والذب عنهم بشرط بذل الجزية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۴، مادة "جزية")

۲ إجابة الكافر إلى عقد الذمة بالجزية:قال النووى :إذا طلبت طائفة عقد الذمة وكانت ممن يجوز إقرارهم بدار الإسلام بالجزية وجبت إجابتهم ما لم تخف غائلتهم، أى غدرهم بتمكينهم من الإقامة فى دار الإسلام، فلا يجوز عقدها لما فيه من الضرر علينا، وهو مذهب الحنابلة واحتجوا بقوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر) . (حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) فجعل إعطاء الجزية غاية لقتالهم فمتى بذلوها لم يجز قتالهم .وبقول النبى صلى الله عليه وسلم :فادعهم إلى أداء الجزية فإن أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم .
وفى كتاب (البيان) وغيره للشافعية وجه أنها لا تجب إلا إذا رأى الإمام فيها مصلحة كما فى الهدنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۴،۱۶۵، مادة "جزية")

۳ ركنا عقد الذمة :وركنا عقد الذمة :إيجاب وقبول :إيجاب من أهل الذمة، وصيغته إما لفظ صريح يدل عليه مثل لفظ العهد والعقد على أسس معينة، وإما فعل يدل على قبول الجزية، كأن يدخل حربى دار الإسلام بأمان ويمكث فيها سنة، فيطلب منه إما أن يخرج أو يصبح ذميا.
وأما القبول فيكون من إمام المسلمين، أو من ينوب عنه، ولذا لو قبل عقد الذمة مسلم بغير إذن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ذمیوں کی طرف سے کس قسم کے افعال صادِر ہونے کی وجہ سے عقدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإمام لم يصح العقد، ويكون ذلك بمثابة عقد الأمان لا عقد الذمة، فيمنع ذلك المستأمن من القتل والأسر .

ويشترط في عقد الذمة التأبيد :فإن وقت الصلح لم يصح العقد لأن عقد الذمة بالنسبة لعصمة الإنسان في ماله ونفسه بديل عن الإسلام، والإسلام مؤبد، فكذا بديله، وهو عقد الذمة .وهذا شرط متفق عليه .

وعقد الذمة عقد مؤبد لا يملك المسلمون نقضه ما دام الطرف الآخر ملتزما به، وينتقض من قبل أهل الذمة بأمور اختلف فيها، ولا ينتقض العهد بغير ذلك؛ لأن التزام الجزية باق، ويستطيع الحاكم أن يجبره على أدائها، وأما بقية المخالفات فهي معاص ارتكبوها، وهي دون الكفر، وقد أقررناهم عليه، فما دونه أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۶۵ ، مادة "جزية")

[1] چنانچہ حنفیہ کے نزدیک تین امور میں سے کسی ایک امر کے پائے جانے کی وجہ سے عقدِ ذمہ ٹوٹ جاتا یا ختم ہوجاتا ہے، ایک تو یہ کہ ذمی اسلام لے آئے، دوسرے یہ کہ وہ دارالحرب میں چلا جائے، تیسرے یہ کہ ذمی لوگ کسی علاقہ پر غلبہ حاصل کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں آجائیں۔

جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جزیہ اداء کرنے سے منع کرنے یا مسلمانوں سے مقاتلہ کرنے کے لئے جمع ہونے سے یا اسلام کے ریاستی وقانونی احکام پر عمل پیرانہ ہونے سے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے سے یا مسلمان کو قتل کرنے سے یا مسلم عورت سے زنا کرنے سے اوراس طرح کے بعض اور امور سے عقدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک مسلمانوں سے قتال کرنے سے یا جزیہ ادا کرنے سے منع کرنے سے یا اسلام کے قانونی احکام پر عمل پیرانہ ہونے کی وجہ سے عقدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فيرى المالكية والحنابلة أن العقد ينتقض بالامتناع عن أداء الجزية، أو بالاجتماع على قتال المسلمين، أو بالامتناع عن جريان أحكام الإسلام عليهم، أو سب النبي صلى الله عليه وسلم أو قتل مسلم أو الزنا بمسلمة، أو بإلحاق الضرر بالمسلمين، وإطلاع أهل الحرب على عورات المسلمين وغير ذلك، وذلك لأن ارتكاب هذه الأمور يخالف مقتضى عقد الذمة.

ويرى الشافعية أن العقد ينتقض بقتالهم لنا أو امتناعهم من إعطاء الجزية، أو من جريان حكم الإسلام عليهم.

أما لو زنى الذمي بمسلمة أو دل أهل الحرب على عورة للمسلمين، أو فتن مسلما عن دينه، أو طعن في الإسلام أو القرآن، أو ذكر الرسول صلى الله عليه وسلم بسوء فالأصح عند الشافعية أنه إن شرط انتقاض العهد بها انتقض وإلا فلا ينتقض.

وينتقض عند الحنفية بأحد أمور ثلاثة :وهي أن يسلم الذمي، أو يلحق بدار الحرب، أو يغلب الذميون على موضع فيحاربوننا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۶۵،۱۶۶ ، مادة "جزية")

محلِ جزیہ

جزیہ ان غیر مسلموں کے افراد پر مقرر کیا جاتا ہے، جو مسلمانوں کے ملک میں مستقل طور پر یا بعض فقہائے کرام کے نزدیک ایک طویل مدت کے لئے رہائش پذیر ہوں، اور اگر غیر اسلامی ملک کا کوئی شخص امن طلب کر کے وقتی طور پر مسلمانوں کے ملک میں داخل ہو، تو اس پر جزیہ مقرر نہیں کیا جاتا، اور وہ ذمی نہیں کہلاتا، بلکہ شرعی زبان میں اسے ''مستأمن'' کہا جاتا ہے۔ [1]

جزیہ کن لوگوں سے قبول کیا جائے گا اور کن سے نہیں؟

جزیہ بعض لوگوں سے قبول کیا جاتا ہے، اور بعض سے نہیں، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ [2]

(ا)...... اکثر فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلِ کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ قبول کیا جائے گا، اور مشرکین سے جزیہ قبول کئے جانے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [3]

---

[1] محل الجزية:
الجزية تفرض على رء وس الكفار الذين يقيمون فى دار الإسلام، ولا تؤخذ من المستأمن الذى يدخل دار الإسلام بعقد أمان مؤقت لقضاء غرض ثم يرجع، قال أبو يوسف :إذا أطال المستأمن المقام فى دار الإسلام فيؤمر بالخروج، فإن أقام بعد ذلك حولا وضعت عليه الجزية.
فمحل الجزية إذا هم الذميون الذين يقيمون فى دار الإسلام إقامة دائمة أو طويلة، وكذلك المستأمنون الذين يقيمون فى دار الإسلام أكثر من سنة فتضرب عليهم الجزية، ويشترط فى الذمى الذى يجوز له الإقامة بالجزية فى دار الإسلام أن يكون من الطوائف التى يسمح لها بالإقامة فى دار الإسلام، والتى تقبل منها الجزية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۶، مادة "جزية")

[2] وقسموها -باعتبار النظر إلى طبقات الناس وأوصافهم وعدم النظر إليها -إلى جزية أشخاص، وجزية طبقات أو أوصاف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۰،مادة "جزية")

[3] الطوائف التى تقبل منها الجزية:
اتفق الفقهاء على أن الجزية تقبل من أهل الكتاب والمجوس، واختلفوا فى المشركين وعبدة الأوثان، كما اختلفوا فى أوصاف أهل الكتاب والمجوس الذين تقبل منهم الجزية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۶، مادة "جزية")

(۲)...... حنفیہ کے نزدیک اہلِ کتاب سے وہ تمام لوگ مراد ہیں، جو کسی نبی پر ایمان رکھتے ہوں، اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتے ہوں، جس میں یہود ونصاریٰ بھی داخل ہیں، اور وہ لوگ بھی جو داؤد علیہ السلام کی زبور پر ایمان رکھتے ہوں، اور وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں پر ایمان رکھتے ہوں، کیونکہ یہ لوگ آسمانی دین اور آسمانی کتاب پر اعتقاد رکھتے ہیں، پس حنفیہ کے نزدیک ان سب سے جزیہ قبول کرنا جائز ہے۔ [1]

(۳)...... جو اہلِ کتاب عجم یعنی عرب کے علاوہ دوسرے علاقوں کے رہنے والے ہوں، ان سے جزیہ کے قبول ہونے پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے، اور جو عرب کے اہلِ کتاب ہوں، حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان سے بھی جزیہ قبول کرنا درست ہے۔ [2]

---

[1] جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اہلِ کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ کے تمام فرقے ہیں۔

اختلف العلماء فی المراد بأهل الكتاب:

فذهب الحنفية إلى أن المراد بهم : كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب، ويدخل فی ذلک اليهود والنصارى، ومن آمن بزبور داود عليه السلام وصحف إبراهيم عليه السلام، وذلک لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلا بكتاب.

وذهب جمهور الفقهاء إلى أن المراد بهم :اليهود والنصارى بجميع فرقهم المختلفة دون غيرهم ممن لا يؤمن إلا بصحف إبراهيم وزبور داود.

واستدلوا لذلک بقوله تعالى :(أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا وإن كنا عن دراستهم لغافلين) فالطائفتان اللتان أنزل عليهما الكتاب من قبلنا هما اليهود والنصارى، كما قال ابن عباس، ومجاهد، وقتادة وغيرهم من المفسرين .وأما صحف إبراهيم وداود فقد كانت مواعظ وأمثالا لا أحكام فيها، فلم يثبت لها حكم الكتب المشتملة على أحكام .قال الشهرستانی :أهل الكتاب :الخارجون عن الملة الحنيفية، والشريعة الإسلامية، ممن يقول بشريعة وأحكام وحدود وأعلام . . .وما كان ينزل على إبراهيم وغيره من الأنبياء عليهم السلام ما كان يسمى كتابا، بل صحفا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۶۶، ۱۶۷، مادة "جزية")

[2] أخذ الجزية من أهل الكتاب العرب:

اتفق الفقهاء على قبول الجزية من أهل الكتاب العجم، واختلفوا فی قبولها من أهل الكتاب العرب.

فذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة إلى قبول الجزية من أهل الكتاب العرب .واستدلوا لذلک بإطلاق قوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... مجوسی لوگ جو کہ آگ کی عبادت کرتے ہیں، حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان سے بھی جزیہ قبول کرنا جائز ہے، خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولأن النبی صلی الله علیه وسلم قبلها من أهل الکتاب العرب، فقد أخذها من نصاری نجران، ویهود الیمن، وأکیدر دومة الجندل.

فقد روی أبو عبید -بسنده -عن ابن شهاب قال " :أول من أعطی الجزیة أهل نجران وکانوا نصاری " وأهل نجران عرب من بنی الحارث بن کعب.

وقد کتب رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی معاذ -وهو بالیمن -أن یأخذ من کل حالم دینارا، أو عدله من المعافر، ولا یفتن یهودی عن یهودیته .

قال أبو عبید :فقد قبل رسول الله صلی الله علیه وسلم الجزیة من أهل الیمن وهم عرب إذ کانوا أهل کتاب.

کما استدلوا بالإجماع قال ابن قدامة " :إن أبا بکر وعمر رضی الله عنهما قبلا الجزیة من نصاری العرب وما أنکر علیهما أحد .فکان ذلک إجماعا.

وقد ثبت بالقطع والیقین أن کثیرا من نصاری العرب ویهودهم کانوا فی عصر الصحابة فی بلاد الإسلام، ولا یجوز إقرارهم فیها بغیر جزیة، فثبت یقینا أنهم أخذوا الجزیة منهم .

وذهب بعض العلماء إلی أن الجزیة لا تقبل من أهل الکتاب العرب.

وقد نسب الطبری هذا المذهب إلی الحسن البصری(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۶۷، ۱۶۸، مادة "جزیة")

ل جبکہ بعض مالکیہ کے نزدیک مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

المجوس:والمجوس هم عبدة النار القائلون أن للعالم أصلین اثنین مدبرین، یقتسمان الخیر والشر، والنفع والضر، والصلاح والفساد، أحدهما النور، والآخر الظلمة .وفی الفارسیة "یزدان "" وأهرمن ."

وقد اختلف الفقهاء فی حکم أخذ الجزیة من المجوس.

فذهب جمهور الفقهاء من الحنفیة، والمالکیة، والشافعیة، والحنابلة، إلی أن الجزیة تقبل من المجوس سواء أکانوا عربا أم عجما .

واستدلوا لذلک بأن النبی صلی الله علیه وسلم قبلها من مجوس هجر أو البحرین .روی ابن زنجویه -بسنده -إلی الحسن بن محمد قال :کتب رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی مجوس هجر یدعوهم إلی الإسلام .فمن أسلم قبل منه، ومن أبی ضربت علیه الجزیة، وأن لا یؤکل لهم ذبیحة، ولا تنکح لهم امرأة .

وروی مالک فی الموطأ أن عمر بن الخطاب ذکر المجوس فقال :ما أدری کیف أصنع فی أمرهم؟ فقال عبد الرحمن بن عوف :أشهد أنی لسمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول :سنوا بهم سنة أهل الکتاب .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)...... صابی فرقہ کے متعلق امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ وہ اہلِ کتاب میں داخل ہیں، کیونکہ وہ زبور کو پڑھتے ہیں، اور وہ ستاروں کی باقاعدہ عبادت نہیں کرتے، البتہ ستاروں کی اس طرح سے تعظیم کرتے ہیں، جس طرح سے مسلمان کعبہ کی طرف رخ کر کے اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس لئے وہ اہلِ کتاب میں داخل ہیں، اور ان سے عربی ہونے کی صورت میں بھی جزیہ قبول کرنا جائز ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال ابن عبد البر :هـذا من الكلام العام الذى أريد به الخاص؛ لأن الـمـراد سـنة أهل الكتاب فى أخذ الجزية فقط، أى تؤخذ منهم الجزية، كما تؤخذ من أهل الكتاب، ولا تؤكل ذبائحهم ولا تنكح نساؤهم .

وروى مـالـك فى الموطأ عن ابن شهاب "أن عـمـر بـن الخطاب رضى الله عنه أخذها من مجوس فارس، وأن عثمان بن عفان أخذها من مجوس البربر .

وقد أجمع العلماء على أخذ الجزية من المجوس، وعمل به الخلفاء الراشدون رضى الله عنهم ومن بـعـدهم من غير نكير ولا مخالف .وقـد نـقل هذا الإجماع أكثر من واحد :مـنهم ابن المنذر وابن قدامة .

وذهـب ابـن الماجشون المالكى إلى أن الجزية لا تؤخذ إلا من أهل الكتاب :من اليهود والنصارى، ولا تقبل من المجوس، لقوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله) الآية.

فإن مفهومها أن غير أهل الكتاب من المجوس وغيرهم لا يشاركونهم فى حكم الآية .

وذهـب ابـن وهب المالكى إلى أن الجزية لا تقبل من المجوس العرب؛ لأنه ليس فى العرب مجوس إلا وجـمـيـعهـم أسلم، فمن وجد منهم بخلاف الإسلام فهو مرتد.وقـد نسب هذا المذهب أيضا إلى الحسن البصرى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۶۸، ۱۶۹، مادة "جزية")

[۱] اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک صابی اہلِ کتاب میں داخل نہیں، بلکہ مشرکوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا وہ اگر عجمی ہوں، تو ان سے جزیہ قبول کیا جائے گا، اور عربی ہوں، تو ان اس سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

قبول الجزية من الصابئة:

ذهب أبو حنيفة إلى أن الصابئة من أهل الكتاب لأنهم يقرء ون الزبور، ولا يعبدون الكواكب، ولكن يعظمونها كتعظيم المسلمين الكعبة فى استقبالها.

واستـدل لـذلـک بـقـول أبـى الـعـالية، والـربـيـع بـن أنـس، والسدى، وأبى الشعثاء، وجابر بن زيد والضحاک .فتؤخذ منهم الجزية كما تؤخذ من أهل الكتاب .

وذهب الصاحبان من الحنفية إلى أنهم ليسوا أهل كتاب، لأنهم يعبدون الكواكب، وعابد الكواكب كعابد الوثن، فتؤخذ منهم الجزية إذا كانوا من العجم .

وذهـب الـمالكية إلى أنهم موحدون معتقدون تأثير النجوم، وأنها فعالة، فليسوا أهل كتاب، وتؤخذ منهم الجزية، لأنها تقبل من غير أهل الكتاب عند مالک .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۶)......مشرکین سے جزیہ قبول کئے جانے کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، حنفیہ کے علاوہ کئی دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تو مشرکین سے علی الاطلاق جزیہ قبول کرنا جائز نہیں، خواہ وہ عرب سے تعلق رکھتے ہوں یا عجم سے، بلکہ ان سے یا تو اسلام قبول کیا جائے گا، یا ان کو قتل کرنے کا حکم ہوگا۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک اور امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق عرب کے علاوہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب الشافعي إلى أنه ينظر فيهم، فإن كانوا يوافقون أحد أهل الكتابين فى تدينهم وكتابهم فهم منهم، وإن خالفوهم فى ذلك فليسوا منهم، فتؤخذ منهم الجزية إذا أقر النصارى بأنهم منهم ولم يكفروهم، فإن كفروهم لم تؤخذ منهم الجزية .

وذهب أحمد فى رواية إلى أنهم من النصارى؛ لأنهم يدينون بالإنجيل .واستدل لذلك بما روى عن ابن عباس .فتؤخذ منهم الجزية كالنصارى.

وذهب فى رواية ثانية إلى أنهم من اليهود لأنهم يسبتون، واستدل لذلك بما روى عن عمر أنه قال : هم يسبتون .فتؤخذ منهم الجزية كما تؤخذ من اليهود(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص ١٦٩، ١٧٠، مادة "جزية")

[1] أخذ الجزية من المشركين:

اختلف الفقهاء فى قبول الجزية من المشركين:

فذهب جمهور الفقهاء من الشافعية، والحنابلة فى أظهر الروايتين عن أحمد وابن الماجشون من المالكية إلى أن الجزية لا تقبل من المشركين مطلقا، أى سواء أكانوا من العرب أو من العجم، ولا يقبل منهم إلا الإسلام، فإن لم يسلموا قتلوا .واستدلوا لذلك بقوله تعالى : (قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله) . (من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون).

فالآية تقضى بجواز أخذ الجزية من أهل الكتاب خاصة، ولا دلالة للفظ فى حق غيرهم من المشركين .

وروى البخارى -بسنده -إلى أبى هريرة رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله فمن قال لا إله إلا الله فقد عصم منى نفسه وماله إلا بحقه وحسابه على الله .

فالحديث عام يقتضى عدم قبول الجزية من جميع الكفار، ولم يخصص من هذا العموم إلا أهل الكتاب والمجوس فمن عداهم من الكفار يبقى على قضية العموم، فلا تقبل الجزية من عبدة الأوثان سواء أكانوا عربا أم عجما ولأن المشركين من عبدة الأوثان لم يكن عندهم مقدمة (سابقة) من التوحيد والنبوة وشريعة الإسلام، فلا حرمة لمعتقدهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص ١٧٠، مادة "جزية")

دیگر مشرکین سے جزیہ قبول کرنا جائز ہے۔ ۱

اور مالکیہ کے راجح قول کے مطابق تمام کفار اور مشرکین اور بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنا جائز ہے، خواہ وہ عرب سے تعلق رکھتے ہوں یا عجم سے تعلق رکھتے ہوں۔ ۲

---

۱ وذهب الحنفية ومالك فی رواية حكاها عنه ابن القاسم، وأخذ بها هو وأشهب وسحنون وكذا أحمد بن حنبل فی رواية حكاها عنه الحسن بن ثواب، ذهبوا إلى أن الجزية تقبل من المشركين إلا مشركی العرب .واستدلوا لذلک بقوله تعالى :(فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم) فهو خاص بمشركی العرب، لأنه مرتب على قوله تعالى :(فإذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين)وهی الأشهر الأربعة التی كان العرب يحرمون القتال فيها.

ولأن النبی صلى الله عليه وسلم لم يأخذ الجزية من مشركی العرب.

روى عبد الرزاق من حديث الزهری أن النبی صلى الله عليه وسلم صالح عبدة الأوثان على الجزية إلا من كان منهم من العرب .وقال ابن جرير الطبری " :أجمعوا على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أبى أخذ الجزية من عبدة الأوثان من العرب، ولم يقبل منهم إلا الإسلام أو السيف .

واستدلوا من المعقول :بأن كفرهم قد تغلظ، لأن النبی صلى الله عليه وسلم نشأ بين أظهرهم، والقرآن نزل بلغتهم، فالمعجزة فی حقهم أظهر، لأنهم كانوا أعرف بمعانيه ووجوه الفصاحة فيه .

وكل من تغلظ كفره لا يقبل منه إلا الإسلام، أو السيف لقوله تعالى :(قل للمخلفين من الأعراب ستدعون إلى قوم أولی بأس شديد تقاتلونهم أو يسلمون) أی تقاتلونهم إلى أن يسلموا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ۱ ص ۱۷۲ ، مادة "جزية")

۲ وذهب مالک فی قول وهو الراجح عند المالكية، والأوزاعی إلى أن الجزية تقبل من جميع الكفار، ومنهم المشركون وعبدة الأوثان، سواء أكانوا من العرب، أم من العجم، وسواء أكانوا قرشيين أم غير قرشيين .واستدلوا لذلک بحديث بريدة قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أمر أميرا على جيش أو سرية، أوصاه فی خاصة نفسه بتقوى الله . . .وقال :اغزوا باسم الله. وإذا لقيت عدوک من المشركين، فادعهم إلى ثلاث خصال أو خلال .فأيتهن ما أجابوک فاقبل منهم وكف عنهم وذكر من هذه الخصال الجزية.

فقوله صلى الله عليه وسلم :عدوک من المشركين إما أن يكون خاصا بعبدة الأوثان ونحوهم من غير أهل الكتاب، وإما أن يكون عاما فی جميع الكفار من أهل الكتاب وعبدة الأوثان .وعلى كل منهما يحصل المقصود وهو قبول الجزية من عبدة الأوثان؛ لأنه لو اختص بغير أهل الكتاب من عبدة الأوثان .فالحديث يفيد قبول الجزية من عبدة الأوثان، وإذا كان عاما فيستفاد منه أيضا قبول الجزية من عبدة الأوثان وأهل الكتاب.

واستدلوا لقبول الجزية من عبدة الأوثان بالقياس على أهل الكتاب والمجوس .ونقل عن مالک أن الجزية تقبل من جميع الكفار إلا مشركی قريش .وقد أخذ بهذا النقل كل من ابن رشد صاحب المقدمات، وابن الجهم من المالكية .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)...... جو لوگ مسلمان ہوں، پھر وہ نعوذ باللہ تعالیٰ دائرۂ اسلام سے خارج یعنی مرتد ہوجائیں، ان کے متعلق فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ قانونی وعدالتی ثبوت کے بعد ان پر ارتداد والی سزا جاری کی جائے گی۔ [1]

جزیہ کے نتیجے میں کن علاقوں میں سکونت دینا جائز ہے؟

جزیہ کے عوض میں غیر مسلموں کو ذمی ہونے کی حیثیت سے کن علاقوں میں مستقل سکونت دینا جائز ہے؟ اس میں کچھ تفصیل ہے۔

فقہائے کرام کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اہلِ کتاب اور مجوسیوں کو جزیرہ عرب کے علاوہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں جزیہ کے عوض میں بطور ذمی کے مستقل سکونت دینا جائز ہے۔

اور حجاز کے علاقہ میں یعنی مکہ اور مدینہ اور یمامہ میں بالاتفاق جائز نہیں۔ [2]

اور حجاز کے علاوہ جزیرہ عرب کے جو دوسرے علاقے ہیں، جیسا کہ یمن وغیرہ، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہاں ذمیوں کو سکونت دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ علاقے جزیرہ عرب میں داخل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد اختلف المالكية في تعليل عدم أخذ الجزية من مشركي قريش :فعلله ابن الجهم بأن ذلك إكرام لهم، لمكانهم من النبي صلى الله عليه وسلم.

وعلله القرويون بأن قريشا أسلموا كلهم قبل تشريع الجزية، فلم يبق منهم أحد على الشرك، فمن وجد منهم بعد ذلك على الشرك فهو مرتد، فلا تؤخذ منه الجزية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۷۳، مادة "جزية")

[1] أخذ الجزية من المرتدين:

اتفق الفقهاء على أنه لا تقبل الجزية من المرتد عن الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷۳، مادة "جزية")

[2] الأماكن التي يقر الكافرون فيها بالجزية:

اتفق الفقهاء على جواز إقرار أهل الكتاب والمجوس بالجزية في أي مكان من دار الإسلام ما عدا جزيرة العرب :وهي من أقصى عدن أبين جنوبا إلى أطراف الشام شمالا، ومن جدة وما والاها من ساحل البحر غربا إلى ريف العراق شرقا .كما اتفقوا على عدم جواز إقرارهم في بلاد الحجاز وهي: مكة والمدينة واليمامة ومخالفيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷۳ ، مادة "جزية")

ہیں، اور احادیث میں جزیرہ عرب سے مشرکین کو خارج کرنے کا حکم ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اس حکم میں یہودی، نصرانی اور مجوسی سب داخل ہیں۔ ل

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جن لوگوں کو اسلامی ممالک میں جزیہ قبول کر کے رہائش دینا جائز ہے، ان کو حجاز کے علاوہ جزیرہ عرب کے تمام علاقوں میں جزیہ قبول کر کے رہائش وسکونت دینا جائز ہے۔ ۲

ل واختلفوا فی إقرارهم بالجزية فيما عدا بلاد الحجاز من جزيرة العرب كاليمن وغيرها.

فذهب الحنفية والمالكية إلى عدم جواز إقرارهم بالجزية فيما عدا بلاد الحجاز من جزيرة العرب؛ لأنهم ممنوعون من السكنى فی جزيرة العرب كلها .

واستدلوا لذلک بحديث ابن عباس رضی الله عنهما قال :أوصى رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته بثلاث :أخرجوا المشركين من جزيرة العرب، وأجيزوا الوفد بنحو ما كنت أجيزهم، ونسيت الثالثة .وقال يعقوب بن محمد سألت المغيرة بن عبد الرحمن عن جزيرة العرب، فقال : مكة والمدينة واليمامة واليمن، وقال يعقوب :والعرج أول تهامة.

فقوله صلى الله عليه وسلم :أخرجوا المشركين من جزيرة العرب يدل على وجوب إخراج المشركين من جزيرة العرب كلها .وهو عام فی كل مشرک سواء أكان وثنيا، أم يهوديا، أم نصرانيا، أم مجوسيا.

واستدلوا كذلک أن عمر بن عبد العزيز قال :كان من آخر ما تكلم به رسول الله صلى الله عليه وسلم أن قال :قاتل الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، لا يبقين دينان بأرض العرب) وفی رواية عن ابن شهاب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا يجتمع دينان فی جزيرة العرب قال ابن شهاب :ففحص عن ذلک عمر بن الخطاب حتى أتاه الثلج واليقين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا يجتمع دينان فی جزيرة العرب فأجلى يهود خيبر .

وبقول عائشة رضی الله عنها :كان آخر ما عهد به رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا ينزل بجزيرة العرب دينان .وبحديث عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لأخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب، حتى لا أدع إلا مسلما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۷۲، ۱۷۳، مادة "جزية")

۲ وذهب الشافعية والحنابلة إلى إقرار من تقبل منهم الجزية على السكنى فی بلاد الإسلام فيما عدا الحجاز من جزيرة العرب، فتجوز لهم سكنى اليمن وغيرها من جزيرة العرب مما لا يدخل فی بلاد الحجاز .

واستدلوا لذلک بقول أبی عبيدة :كان آخر ما تكلم به رسول الله صلى الله عليه وسلم :أخرجوا يهود أهل الحجاز، وأهل نجران من جزيرة العرب، واعلموا أن شرار الناس الذين اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جزیہ مقرر کئے جانے کی شرائط

جزیہ جن لوگوں پر مقرر کیا جائے گا، ان میں کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔ ۱؎

(۱)......فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جزیہ مقرر کئے جانے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، اور ذمی لوگوں کے نابالغ بچوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾قالوا :فقوله صلى الله عليه وسلم :أخرجوا يهود أهل الحجاز يدل على أنه لا يجوز لمن تقبل منه الجزية سكنى الحجاز والإقامة فيه، كما لا يجوز للإمام أن يصالحهم على الإقامة فيه بجزية، وإن فعل ذلک كان الصلح فاسدا .والمراد بالحجاز -كما سبق -مكة والمدينة واليمامة ومخاليفها .وأما قوله صلى الله عليه وسلم أخرجوا أهل نجران من جزيرة العرب.

فيحمل على أن بلادهم -وهى اليمن -من جزيرة العرب، فأمر النبى صلى الله عليه وسلم بإخراجهم منها؛ لأنهم نقضوا العهد الذى أخذه صلى الله عليه وسلم عليهم، وكان قد صالحهم على ألا يحدثوا حدثا، ولا يأكلوا الربا، فأكلوا الربا، ونقضوا العهد، فأمر بإخراجهم من جزيرة العرب لهذا السبب، لا لكون جزيرة العرب لا تصلح لسكنى أهل الذمة .

وروى البيهقى فى سننه عن ابن عمر أن عمر رضى الله عنه أجلى اليهود والنصارى من أرض الحجاز .

ولأنه لم ينقل عن أحد من الخلفاء أنه أجلى من كان باليمن من أهل الذمة، فقد أجلاهم عمر من الحجاز وأقرهم باليمن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۷۴، ۱۷۵، مادة "جزية")

۱؎ شروط من تفرض عليهم الجزية:

اشترط الفقهاء لفرض الجزية على أهل الذمة عدة شروط منها :البلوغ، والعقل، والذكورة، والحرية، والمقدرة المالية، والسلامة من العاهات المزمنة.

وفيما يلى تفصيل القول فى هذه الشروط(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۷۵، مادة "جزية")

۲؎ أولا :البلوغ:

اتفق الفقهاء على أن الجزية لا تضرب على صبيان أهل الذمة .قال ابن قدامة :لا نعلم بين أهل العلم خلافا فى هذا، وبه قال أبو حنيفة ومالک والشافعى وأحمد وأبو ثور، وقال ابن المنذر، لا أعلم عن غيرهم خلافهم واستدلوا لهذا بقوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله . . .) آية الجزية.

فالمقاتلة مفاعلة من القتال تستدعى أهلية القتال من الجانبين، فلا تجب على من ليس أهلا للقتال، والصبيان ليسوا من أهل القتال فلا تجب الجزية عليهم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر ذمی لوگوں کا کوئی نابالغ بچہ ذمی ہونے کے زمانہ میں بالغ ہوجائے، تو حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک وہ اپنے باپ کے عقدِ ذمہ کے ماتحت ہوکر ذمی ہونے میں داخل ہوجاتا ہے، اور جزیہ کا اہل بن جاتا ہے۔ [۱]

(۲)...... فقہائے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جزیہ مقرر ہونے کے لئے عاقل ہونا بھی شرط ہے، اور ذمی لوگوں میں جو افراد مجنون و پاگل ہوں، ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبحديث معاذ السابق .حيث أمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يأخذ من كل حالم دينارا، أو عدله من المعافر.

والحالم :من بلغ الحلم بالاحتلام، أو غيره من علامات البلوغ، فمفهوم الحديث يدل على أن الجزية لا تجب على الصبيان.

وقد كتب عمر رضى الله عنه إلى أمراء الأجناد أن يضربوا الجزية ولا يضربوها على النساء والصبيان، ولا يضربوها إلا على من جرت عليه الموسى .

قال أبو عبيد :فى معنى "من جرت عليه الموسى :"يعنى من أنبت، وقال فى وجه الاستدلال به : هذا الحديث هو الأصل فيمن تجب عليه الجزية، ومن لا تجب عليه، ألا ترى أنه إنما جعلها على الذكور المدركين دون الإناث والأطفال، وذلك أن الحكم كان عليهم القتل لو لم يؤدوها، وأسقطها عمن لا يستحق القتل وهم الذرية .

وقد مضت السنة على أن لا جزية على الصبيان، وعمل بذلك المسلمون .

فقد صالح خالد بن الوليد أهل بصرى على أن يؤدوا عن كل حالم دينارا وجريب حنطة، وصالح أبو عبيدة أهل أنطاكية على الجزية أو الجلاء ، فجلا بعضهم وأقام بعضهم، فأمنهم ووضع على كل حالم منهم دينارا وجريبا.

ووضع عمرو بن العاص على أهل مصر دينارين دينارين وأخرج النساء والصبيان ولأن الجزية تؤخذ لحقن الدم، والصبيان دماؤهم محقونة بدونها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۷۵، ۱۷۶،مادة "جزية")

[۱] وإذا بلغ الصبى من أهل الذمة، فهل يحتاج إلى استئناف عقد أم يكفى عقد أبيه

ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والحنابلة والشافعية فى وجه إلى أنه يكفى عقد أبيه؛ لأن العقد الأول يتناول البالغين ومن سيبلغ من أولادهم أبدا، وعلى هذا استمرت سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنة خلفائه فى جميع الأعصار، ولم يفردوا كل من بلغ بعقد جديد .

وذهب الشافعية فى الوجه الصحيح عندهم إلى أن الصبى إذا بلغ يخير بين التزام العقد وبين أن يرد إلى مأمنه، فإن اختار الذمة عقدت له، وإن اختار اللحاق لمأمنه أجيب إليه .

وإذا كان البلوغ فى أول حول قومه وأهله أخذت منه الجزية فى آخره معهم، وإذا كانت فى أثنائه أخذ منه فى آخره بقسطه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ا ص ۱۷۶، مادة "جزية")

جائے گا۔ [1]

(۳)...... اکثر فقہائے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جزیہ مقرر ہونے کے لئے مرد ہونا بھی شرط ہے، اور ذمی لوگوں کی عورتوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔ [2]

(۴)...... اکثر فقہائے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جزیہ مقرر ہونے کے لئے آزاد ہونا بھی شرط ہے، اور ذمی لوگوں کے غلاموں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ غلام کسی مسلمان کا مملوک ہو یا غیر مسلم کا۔ [3]

---

[1] ثانیا :العقل:
نقل ابن هبيرة وابن قدامة وابن المنذر اتفاق الفقهاء على أن الجزية لا تؤخذ من مجانين أهل الذمة . وقال القرطبى :هـذا إجـماع، لكن ابن رشد ذكر خلافا فى المجنون، وذكره النووى نقلا عن البيان وجهـا ضـعيـفـا لـلشافعية لأنه كالمريض والهرم .قـال النووى :ولـيـس بشـىء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷٦، مادة "جزية")

[2] ثالثا :الذكورة:
جـمهـور الـفـقـهـاء على أن الجزية لا تضرب على نساء أهل الذمة .لـمـا سبق من الأدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷٦، مادة "جزية")
قال الفقهاء :لا تـضـرب الجزية إلا على الرجال فلا جزية على امرأة، ولا خلاف فى ذلك بين أهل العلم .لأن عـمـر رضى الله عنه كتب إلى أمراء الأجناد أن اضربوا الجزية ولا تضربوها على النساء والصبيان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۱، ص۲٦۸، مادة "ذكورة")

[3] رابعا :الحرية:
جـمهـور الـفـقـهاء على أن الجزية لا تؤخذ من عبيد أهل الذمة، وسواء كان العبد مملوكا لمسلم أو كافر .وقد نقل هذا الاتفاق ابن المنذر، وابن هبيرة وابن قدامة وابن رشد.
لأن الـجـزية شرعت بدلا عن القتل فى حقهم، وعن النصرة فى حقنا، والعبد محقون الدم بدون دفع الجزية .والـعـبـد أيـضـا لا تلزمه النصرة؛ لأنه عاجز عنها، فإذا امتنع الأصل فى حقه امتنع البدل، فلا تجب عليه الجزية .
وذهـب أحمد فى رواية عنه إلى أن العبد إذا كان مملوكا لسيد كافر تؤخذ الجزية من سيده الكافر، واستـدل لذلك بما روى عن عمررضى الله عنه أنه قال " :لا تشتروا رقيق أهل الذمة، ولا مما فى أيديهم؛ لأنهم أهل خراج يبيع بعضهم بعضا، ولا يقرن أحدكم بالصغار بعد أن أنقذه الله منه .
قال أحمد :أراد أن يـوفـر الجزية؛ لأن المسلم إذا اشتراه سقط عنه أداء ما يؤخذ منه، والذمى يؤدى عنه وعن مملوكه خراج جماجمهم .
ولأن الـعـبـد ذكـر مـكلف قوى مكتسب، فوجبت عليه الجزية كالحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷۷، ۱۷۸، مادة "جزية")

(۵)...... کئی فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ دوسرے کو جزیہ ادا کرنے کی قدرت بھی ہو۔

اور جو ذمی فقیر وغریب ہونے کے ساتھ ساتھ محتاج بھی ہو، یعنی کمائی پر قادر نہ ہو، مثلاً اپاہج ہو، اس پر حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر کوئی ذمی فقیر تو ہو، لیکن وہ کمائی پر قادر ہو، تو اس پر جزیہ مقرر کیا جائے گا۔ [1]

(۶)...... فقہائے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ رہبان یعنی ذمیوں کے عبادت گزار لوگ جو انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہوں، اور ذمیوں کے ساتھ رائے اور مشورہ وغیرہ

---

[1] خامسا :المقدرة المالية:
اشترط بعض الفقهاء لوجوب الجزية على أهل الذمة المقدرة المالية، فلا تجب على الفقير العاجز عن العمل.
وقد اتفق الفقهاء على أن الجزية توضع على الفقير المعتمل :وهو القادر على العمل.
واختلفوا فى الفقير غير المعتمل.
فذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والحنابلة والشافعى فى قول غير مشهور له إلى أن الجزية لا توضع على الفقير غير المعتمل، واستدلوا لذلك بقوله تعالى :(لا يكلف الله نفسا إلا وسعها) وجه الاستدلال من الآية أن الفقير العاجز عن الكسب ليس فى وسعه أن يدفع الجزية، ومتى كان الأمر كذلك فلا يكلف بها .وقد وضع عمر بن الخطاب الجزية على رء وس الرجال على الغنى ثمانية وأربعين درهما، وعلى المتوسط أربعة وعشرين درهما، وعلى الفقير المكتسب اثنى عشر درهما .
فقد فرضها عمر رضى الله عنه على طبقات ثلاث أدناها الفقير المعتمل، فدل بمفهومه على أن الجزية لا تجب على الفقير غير المعتمل .وقد كان ذلك بمحضر الصحابة رضوان الله عليهم، ولم ينكر عليه أحد، فهو إجماع .
وقالوا :إن الجزية مال يجب بحلول الحول، فلا يلزم الفقير العاجز عن الكسب كالزكاة والدية .
وأن العاجز عن الأداء معذور شرعا فيما هو حق العباد، لقوله تعالى :(وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة) ففى الجزية أولى.
وذهب الشافعية وأبو ثور إلى أن الجزية توضع على الفقير غير المعتمل، كما توضع على الفقير المعتمل، إلا أن غير المعتمل تكون دينا فى ذمته حتى يوسر، فإذا أيسر طولب بما عليه من جزية.
واستدلوا بعموم قوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) وعموم حديث معاذ السابق :أمره أن يأخذ من كل حالم دينارا .
ولأن الجزية بدل عن القتل، والسكنى فى دار الإسلام، فلم يفارق المعذور فيها غيره، فتؤخذ من الفقير كما تؤخذ من الغنى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷۸، ۱۷۹، مادة "جزية")

میں شرکت کرتے ہوں، تو ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ ؎۱

اور جو رہبان یعنی ذمیوں کے عبادت گزار لوگ، انسانوں سے الگ تھلگ ہو کر اپنے عبادت خانوں میں عبادت میں مصروف رہتے ہوں، اور انسانوں اور اپنے مذہب کے لوگوں کے ساتھ مخالطت اور مشارکت اختیار نہ کرتے ہوں، تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اور امام مالک کے نزدیک ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ کمائی پر قادر ہوں یا نہ ہوں۔

جبکہ امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت کے مطابق اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اگر وہ کمائی پر قادر ہوں، تو ان پر جزیہ مقرر کیا جائے گا، ورنہ نہیں۔ ؎۲

؎۱ سادسا :ألا يكون من الرهبان المنقطعين للعبادة فى الصوامع:

اتفق الفقهاء على أن الرهبان المخالطين للناس، والمشاركين لهم فى الرأى والمشورة والمكايد الحربية والفكرية تؤخذ منهم الجزية، وهم أولى بها من عوامهم، فإنهم رء وس الكفر، وهم بمنزلة علمائهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص١٧٩، مادة "جزية")

؎۲ واختلفوا فى أخذ الجزية من الرهبان الذين انقطعوا للعبادة فى الصوامع، ولم يخالطوا الناس فى معايشهم ومساكنهم.

فذهب أبو حنيفة فى رواية القدورى، ومالك، وأحمد فى رواية، والشافعى فى أحد قوليه إلى أن الجزية لا تفرض عليهم .وسواء كانوا قادرين على العمل أم غير قادرين؛ لأن الرهبان لا يقتلون ولا يتعرض لهم، لما جاء فى وصية أبى بكر الصديق ليزيد بن أبى سفيان حين وجهه إلى الشام " :لا تقتل صبيا ولا امرأة وستمرون على أقوام فى الصوامع احتبسوا أنفسهم فيها، فدعهم حتى يميتهم الله على ضلالتهم، وستجدون أقواما فحصوا عن أوساط رء وسهم فاضرب ما فحصوا عنه بالسيف.

فإذا كان الراهب لا يقتل فهو محقون الدم بدون عقد الذمة، والجزية إنما وجبت لحقن الدم، فلم تجب عليه، كما لا تجب على الصبى والمرأة؛ ولأن الراهب من جملة الفقراء ؛ لأنه إنما ترك له من المال اليسير .

وذهب أبو حنيفة فى رواية نقلها عنه محمد بن الحسن، وهو قول أبى يوسف وأحمد فى رواية إلى أن الجزية توضع على الرهبان إذا كانوا قادرين على العمل .قال أبو يوسف " :المترهبون الذين فى الديارات إذا كان لهم يسار أخذ منهم، وإن كانوا إنما هم مساكين يتصدق عليهم أهل اليسار منهم لم يؤخذ منهم، وكذلك أهل الصوامع إن كان لهم غنى ويسار، وإن كانوا قد صيروا ما كان لهم لمن ينفقه على الديارات ومن فيها من المترهبين والقوام أخذت الجزية منهم ."

وقد استدل من قيد أخذ الجزية من الرهبان بالقدرة على العمل بأمرين:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)...... اگر کسی ذمی شخص کو جس پر جزیہ لازم تھا، کوئی دائمی عجز یعنی کوئی مستقل آفت یا بیماری لاحق ہوجائے، مثلاً نابینا ہوجائے یا اتنا زیادہ عمر رسیدہ ہوجائے کہ جو کمائی اور قتال پر قادر نہ رہے، تو حنفیہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق اس سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔

اور مالکیہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر وہ مالدار ہو، تو اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأول -أن المعتمل إذا ترك العمل تؤخذ منه الجزية، فكذلك الراهب القادر على العمل.

والثانى :أن الأرض الخراجية الصالحة للزراعة لا يسقط عنها الخراج بتعطيل المالك لها عن الزراعة، فكذلك الراهب القادر على العمل لا تسقط عنه الجزية إذا ترك العمل.

هذا بالإضافة إلى الأدلة التى استدل بها أصحاب المذهب الأول على عدم أخذ الجزية من الراهب، فقد استدل بها أصحاب هذا المذهب، وحملوها على الراهب غير المعتمل الذى يعيش على صدقات الموسرين .

وذهب الشافعى فى القول المعمول به عند الشافعية وأبو ثور إلى أن الجزية تجب على الرهبان الذين ينقطعون للعبادة فى الأديرة والصوامع، سواء أكانوا موسرين أو غير موسرين، قادرين على العمل أم غير قادرين.

واستدلوا لذلك بعموم قوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) فهو يشمل الرهبان القادرين على العمل وغير القادرين، الموسرين وغير الموسرين .وبعموم الأحاديث القاضية بأخذ الجزية من كل بالغ كحديث معاذ السابق :أمره أن يأخذ من كل حالم دينارا .وحديث عمر السابق: ولا يضربوها إلا على من جرت عليه الموسى، وبما روى أبو عبيد وغيره عن عمر بن عبد العزيز ": أنه فرض على رهبان الديارات على كل راهب دينارين ."

وأما المعقول فمن وجهين:

الأول :أن الجزية عوض عن حقن الدم، والراهب غير محقون الدم، فتجب عليه الجزية لحقن الدم.

والثانى :أن الجزية عوض عن سكنى دار الإسلام، والراهب كغيره فى الانتفاع بالدار، فلا تسقط عنه الجزية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۷۹، الیٰ ۱۸۱، مادة "جزية")

[1] سابعا :السلامة من العاهات المزمنة:

إذا أصيب المطالب بالجزية بعاهة مزمنة، كالمرض، أو العمى، أو الكبر المقعد عن العمل والقتال، فهل تؤخذ منه الجزية أم لا؟

اختلف الفقهاء فى ذلك:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ذمیوں کے نام اور صفات کے اندارج کا حکم

حکومت کی طرف سے ذمی لوگوں کے نام ان کی صفات، اور ان کے احوال اور ان پر واجب شدہ جزیہ کی تفصیل کو تحریری طور پر جمع کر کے رکھا جائے گا، اور جو بچے ان میں بالغ یا فوت ہوتے جائیں گے، یا جن لوگوں سے جزیہ ساقط ہوگا، ان سب کا بھی ریکارڈ محفوظ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فظاهر الرواية عند الحنفية ومذهب أحمد، والشافعي في أحد قوليه :أن الجزية لا تؤخذ من هؤلاء ولو كانوا موسرين .واستدلوا بقوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر).

ففحوى الآية يدل على أن الجزية تؤخذ ممن كان منهم من أهل القتال؛ لاستحالة الخطاب بالأمر بقتال من ليس من أهل القتال، إذ القتال لا يكون إلا بين اثنين ومن يمكنه أداؤه من المحترفين، ولذلك لا تؤخذ الجزية ممن لم يكن من أهل القتال :كالأعمى والزمن والمفلوج والشيخ الكبير الفاني :سواء أكان موسرا أم غير موسر؛ ولأن الجزية تؤخذ ممن أبيح قتله من الحربيين، وهؤلاء لا يقتلون .

وذهب المالكية وأبو يوسف من الحنفية إلى أن الجزية تؤخذ من الزمنى والعميان والشيوخ الكبار إذا كان لهم مال .واستدلوا لذلك بأن هؤلاء المصابين بالعاهات المزمنة أهل للقتال، إذ إنهم يقتلون إذا كانوا ذوى رأى في الحرب والقتال، فتجب عليهم الجزية، كما تجب على غيرهم.

ولأن الجزية تجب على الفقير المعتمل، ووجود المال عند هؤلاء المصابين أكثر من القدرة على العمل، فتجب عليهم الجزية إذا كانوا موسرين، ولا تجب عليهم إذا كانوا معسرين .

ويدل على ذلك ما في كتاب الصلح بين خالد بن الوليد رضي الله عنه وأهل الحيرة " :وجعلت لهم أيما شيخ ضعف عن العمل، أو أصابته آفة من الآفات، أو كان غنيا فافتقر وصار أهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته، وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما أقام بدار الهجرة ودار الإسلام، فإن خرجوا إلى غير دار الهجرة ودار الإسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم .

ومذهب أبي ثور أن الجزية تؤخذ من المصابين بالعاهات المزمنة، ولو لم يكونوا موسرين. واستدلوا لذلك بعموم قوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) فهو يشمل الزمنى والعميان والشيوخ الكبار.

وبعموم الأحاديث القاضية بأخذ الجزية من كل حالم، كحديث معاذ السابق .الذي أمره فيه أن يأخذ من كل حالم دينارا، وحديث عمر بن الخطاب السابق :ولا يضربوها إلا على من جرت عليه الموسى، واستدلوا من المعقول بأن الجزية عوض عن حقن الدم، وهؤلاء كغيرهم في الانتفاع بحقن الدم، فلا تسقط عنهم الجزية بتلك الإصابات، وأن الجزية عوض عن سكنى دار الإسلام، وهؤلاء كغيرهم في الانتفاع بالدار، فلا تسقط عنهم الجزية، كما أن الأجرة لا تسقط عن أصحاب الأعذار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص ١٨١، ١٨٢، مادة "جزية")

رکھا جائے گا۔ [1]

جزیہ کی مقدار

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس بارے میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جزیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک وہ جزیہ جو باہمی رضامندی اور مصالحت سے مقرر کیا جاتا ہے، جس کو ''جزیۂ صُلحیہ'' کہا جاتا ہے۔

اور دوسرے وہ جزیہ جو مسلمانوں کی طرف سے کسی علاقہ کو فتح کرنے کے بعد یک طرفہ طور پر مقرر کیا جاتا ہے، جس کو ''جزیۂ عنویہ'' کہا جاتا ہے۔

پس پہلے قسم کے جزیہ یعنی ''جزیۂ صُلحیہ'' کی تو کوئی مقدار متعین اور طے نہیں، بلکہ اس کا دارومدار مسلمانوں اور اہلِ ذمہ کے درمیان مصالحت ومعاہدہ اور اتفاقِ رائے پر ہے۔ [2]

---

[1] ضبط أسماء أهل الذمة وصفاتهم فی دیوان:

یستوفی العامل الجزیة من أهل الذمة وفق دیوان یشتمل علی أسمائهم وصفاتهم وأحوالهم وما یجب علی کل واحد منهم .قال الشیرازی فی المهذب " :ویثبت الإمام عدد أهل الذمة وأسماء هم، ویحلیهم بالصفات التی لا تتغیر بالأیام فیقول :طویل، أو قصیر، أو ربعة، وأبیض، أو أسود، أو أسمر، أو أشقر، وأدعج العینین، أو مقرون الحاجبین، أو أقنی الأنف.

ویکتب ما یؤخذ من کل واحد منهم، ویجعل علی کل طائفة عریفا، لیجمعهم عند أخذ الجزیة، ویکتب من یدخل معهم فی الجزیة بالبلوغ، ومن یخرج منهم بالموت(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص ۱۸۲، مادة "جزیة")

[2] مقدار الجزیة:

اختلف الفقهاء فی مقدار الجزیة:

فذهب الحنفیة إلی أن الجزیة علی ضربین :جزیة توضع بالتراضی والصلح، وجزیة یبتدء الإمام وضعها علی الکفار إذا فتح بلادهم عنوة.

فالضرب الأول :الجزیة الصلحیة لیس لها حد معین بل تتقدر بحسب ما یقع علیه الاتفاق بین الإمام وأهل الذمة .

واستدلوا لذلک باختلاف مقادیر الجزیة الصلحیة من مجموعة إلی مجموعة أخری.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک دوسرے جزیہ یعنی ''جزیہ عنویہ'' کا تعلق ہے، تو اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار سالانہ اڑتالیس درہم ہے، جو مالدار طبقہ کے لوگوں پر مقرر کی جاتی ہے، اور درمیانی مقدار سالانہ چوبیس درہم ہے، جو متوسط طبقہ کے لوگوں پر مقرر کی جاتی ہے، اور ادنیٰ مقدار سالانہ بارہ درہم ہے، جو غریب مگر کمائی کرنے پر قادر لوگوں پر مقرر کی جاتی ہے۔ [1]

البتہ حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جزیہ کی مذکورہ تقسیم وتفریق کے اعتبار سے غنی، متوسط اور غریب کون کہلاتے ہیں؟ اور اس میں پانچ اقوال ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فقد صالح النبی صلی اللہ علیہ وسلم أهل نجران علی ألفی حلة، النصف فی صفر، والبقية فی رجب يؤدونها إلی المسلمين.

وأمر معاذا أن يأخذ من أهل اليمن من كل حالم دينارا، وعدله من المعافر.

وصالح عمر رضی اللہ عنه بنی تغلب علی أن يؤدوا ضعف زكاة المسلمين .روی البيهقی عن عبادة بن النعمان التغلبی فی حديث طويل -أن عمر رضی اللہ عنه لما صالحهم -يعنی نصاری بنی تغلب -علی تضعيف الصدقة قالوا :نحن عرب لا نؤدی ما يؤدی العجم،ولكن خذ منا كما يأخذ بعضكم من بعض -يعنون الصدقة -فقال عمر رضی اللہ عنه :لا، هذه فرض المسلمين .قالوا :فزد ما شئت بهذا الاسم، لا باسم الجزية، ففعل فتراضی هو وهم علی أن تضعف عليهم الصدقة .وفی بعض طرقه " :سموها ما شئتم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۸۳، مادة "جزية")

[1] والضرب الثانی :الجزية العنوية وهی مقدرة الأقل والأكثر، فيضع علی الغنی ثمانية وأربعين درهما، وعلی المتوسط أربعة وعشرين، وعلی الفقير المعتمل اثنی عشر درهما .واستدلوا لذلك بأن عمر بن الخطاب وضع فی الجزية علی رء وس الرجال علی الغنی ثمانية وأربعين درهما، وعلی المتوسط أربعة وعشرين درهما، وعلی الفقير اثنی عشر درهما .

قال الحنفية " :ونصب المقادير بالرأی لا يكون، فعرفنا أن عمر اعتمد السماع من النبی صلی اللہ عليه وسلم فأخذنا به وقد فعل عمر ذلك بمحضر من الصحابة.

واستدلوا بقياس الجزية علی خراج الأرض،فقد جعل الخراج علی مقدار الطاقة، واختلف بحسب اختلاف الأرض وطاقتها الإنتاجية فوجب أن تكون الجزية علی قدر الطاقة والإمكان، فتختلف بحسب طاقة الشخص وإمكاناته المالية.

وبأن الجزية إنما وجبت عوضا عن النصرة للمسلمين، والنصرة من المسلمين تتفاوت، فالفقير ينصر دار الإسلام راجلا، ومتوسط الحال ينصرها راجلا وراكبا، والموسر ينصرها بالركوب بنفسه وإركاب غيره .فوجب أن تكون الجزية علی قدر طاقة الشخص وإمكاناته المالية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۸۴، مادة "جزية")

جن کی تفصیل عربی فقہ کی کتب میں مذکور ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ کی مقدار حنفیہ سے مختلف ہے۔ [2]

---

[1] واختلف الحنفية في المراد بالغني والمتوسط والفقير على خمسة أقوال:
الأول :ما قاله بعضهم :من لم يملک نصابا تجب في مثله الزكاة على المسلمين، وهو مائتا درهم فهو فقير .ومن ملک مائتي درهم فهو من الأواسط .ومن ملک أربعة آلاف درهم فصاعدا، فهو من الأغنياء ، لما روى عن علي رضي الله عنه وعبد الله بن عمر رضي الله عنهما أنهما قالا :أربعة آلاف فما دونها نفقة، وما فوق ذلک كنز.
والثاني :ما قاله الكرخي :من لم يملک نصابا فهو فقير، ومن ملک مائتي درهم إلى أقل من عشرة آلاف فهو من الأوساط، ومن ملک زيادة على عشرة آلاف فهو من الأغنياء .
والثالث :ما قاله بشر بن غياث :من كان يملک قوته وقوت عياله وزيادة فهو موسر، وإن ملک بلا فضل فهو الوسط، ومن لم يكن له قدر الكفاية فهو الفقير المعتمل أو المكتسب.
والرابع :ما قاله أبو يوسف في كتاب الخراج " :الموسر :"مثل الصيرفي، والبزاز، وصاحب الضيعة، والتاجر، والمعالج، والطبيب، وكل من كان منهم بيده صناعة وتجارة يحترف بها فيؤخذ من أهل كل صناعة وتجارة على قدر صناعتهم وتجارتهم ثمانية وأربعون درهما من الموسر، وأربعة وعشرون درهما من الوسط، من احتملت صناعته ثمانية وأربعين أخذ منه ذلک، ومن احتملت أربعة وعشرين درهما أخذ ذلک منه، واثنا عشر درهما على العامل بيده :مثل الخياط والصباغ والإسكاف والخراز ومن أشبههم .
والخامس :ما قاله أبو جعفر الطحاوي :إنه ينظر إلى عادة كل بلد في ذلک، فصاحب خمسين ألفا ببلخ يعد من المكثرين، وفي البصرة لا يعد مكثرا .فهو يعتبر في كل بلدة عرفها، فمن عده الناس في بلدهم فقيرا، أو وسطا، أو غنيا فهو كذلک، وهذا هو المختار عند الحنفية، قال الموصلي ": والمختار أن ينظر في كل بلد إلى حال أهله، وما يعتبرونه في ذلک، فإن عادة البلاد في ذلک مختلفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۸۴، ۱۸۵، مادة "جزية")

[2] وذهب المالكية إلى أن الجزية ضربان :صلحية، وعنوية:
فالضرب الأول :الجزية الصلحية :وهي التي عقدت مع الذين منعوا أنفسهم وأموالهم وبلادهم من أن يستولي عليها المسلمون بالقتال، وهي تتقدر بحسب ما يتفق عليه الطرفان .ولا حد لأقلها ولا أكثرها عند بعض المالكية، واستظهر ابن رشد أن الصلحي إن بذل القدر الذي على العنوي أنه يلزم الإمام أن يقبله منه، ويحرم على الإمام أن يقاتله .واستدلوا بأدلة الحنفية السابقة.
والضرب الثاني :الجزية العنوية :وهي التي تفرض على أهل البلاد المفتوحة عنوة، وتقدر بأربعة دنانير على أهل الذهب، وأربعين درهما على أهل الفضة، بلا زيادة ولا نقصان .ونحو هذا رواية عن أحمد فيها أنها على الغني ثمانية وأربعون درهما وعلى الوسط أربعة وعشرون، وعلى الفقير اثنا عشر، وهذه اختيار الخرقي، ويرجع إلى العرف من الغني والفقر.
وقد استدلوا لذلک بما روى الإمام مالک عن نافع عن أسلم مولى عمر أن عمر ضرب الجزية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جزیہ وصول کئے جانے کا وقت

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذمی سے جزیہ سال میں صرف ایک مرتبہ وصول کیا جائے گا، اور سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ وصول نہیں کیا جائے گا۔

اور سال پورا ہونے میں قمری یعنی چاند کے سال کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن اگر مسلمانوں کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی أهل الذهب أربعة دنانير، وعلى أهل الورق أربعين درهما، ومع ذلک أرزاق المسلمين، وضيافة ثلاثة أيام .قال الباجی المراد بأرزاق المسلمين أقوات من عندهم من أجناد المسلمين، والمراد بالضيافة ضيافة المجتاز من المسلمين على أهل الذمة.

وهو يقتضى أنه قدرها بهذا المقدار وذلک لما رآه من الاجتهاد والنظر للمسلمين واحتمال أحوال أهل الجزية.وأما أرزاق المسلمين والضيافة، فقد قال مالک " :أرى أن توضع عنهم اليوم الضيافة والأرزاق، لما حدث عليهم من الجور "، وذلک سدا للذريعة، ونقل الدسوقی عن الباجی وأقره أنه إن انتفى الظلم فلا تسقط.

وذهب الشافعية وهو رواية يعقوب بن بختان عن أحمد إلى أن أقل الجزية دينار ذهبی خالص، ولا حد لأكثرها، فلا يجوز للإمام التراضی مع أهل الذمة على أقل من دينار فی حالة القوة، وتجوز الزيادة على الدينار، بل تستحب المماكسة فی الزيادة :بأن يطلب منهم أكثر من دينار إن ظن إجابتهم إليها، أما إذا علم أو ظن أنهم لا يجيبونه إلى تلک الزيادة، فلا معنى للمماكسة .وفی حالة الضعف يجوز للإمام التراضی مع أهل الذمة على أقل من الدينار.

واستدلوا لذلک بحديث معاذ السابق :أمره أن يأخذ من كل حالم دينارا أو عدله من المعافر.

فالحديث يدل على تقدير الجزية بالدينار من الذهب على كل حالم، وظاهر إطلاقه سواء أكان غنيا أم متوسطا أم فقيرا.

وقد أخذها النبی صلى الله عليه وسلم من أهل "أيلة "، حيث قدم يوحنا بن رؤبة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فی تبوک، وصالحه على كل حالم بأرضه فی السنة دينارا، واشترط عليهم قرى من مر بهم من المسلمين.

وقد أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجران ألفی حلة نصفها فی صفر والبقية فی رجب.

قال الشافعی :سمعت بعض أهل العلم من المسلمين ومن أهل الذمة من أهل نجران يذكر أن قيمة ما أخذ من كل واحد دينار .

وروى الشافعی عن إبراهيم بن محمد عن أبی الحويرث أن النبی صلى الله عليه وسلم ضرب على نصرانی بمكة، يقال له موهب دينارا كل سنة واستدلوا لجواز عقدها مع أهل الذمة على أقل من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

طرف سے کسی مصلحت وانتظام کے تحت شمسی یا انگریزی سال مقرر کردیا جائے، تو پھر اسی کے مطابق عمل کرتے ہوئے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دینار فی حالة الضعف بأن من القواعد المقررة شرعا " :أن تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة "فإذا كان فی عقد الذمة على أقل من دينار مصلحة ظاهرة وجب المصير إليه .

وفی رواية عن الإمام أحمد -نقلها عنه الأثرم :-أن المرجع فی الجزية إلى الإمام، فله أن يزيد وينقص على قدر طاقة أهل الذمة، وعلى ما يراه .وهذا هو المذهب كما قال المرداوی فی الإنصاف، وقال الخلال :العمل فی قول أبی عبد الله على ما رواه الجماعة بأنه لا بأس للإمام أن يزيد فی ذلک وينقص على ما رواه أصحابه عنه فی عشرة مواضع، فاستقر قوله على ذلک.

وهذا قول الثوری وأبی عبيد .واستدلوا لذلک بقوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) فلفظ الجزية فی الآية مطلق غير مقيد بقليل أو كثير، فينبغی أن يبقى على إطلاقه، غير أن الإمام لما كان ولی أمر المسلمين جاز له أن يعقد مع أهل الذمة عقدا على الجزية بما يحقق مصلحة المسلمين؛ لأن تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة.

ولأن النبی صلى الله عليه وسلم :أمر معاذا أن يأخذ من كل حالم دينارا وصالح أهل نجران على ألفی حلة، النصف فی صفر والباقی فی رجب.

وجعل عمر بن الخطاب الجزية على ثلاث طبقات على الغنی ثمانية وأربعين درهما، وعلى المتوسط أربعة وعشرين درهما، وعلى الفقير اثنی عشر درهما، وصالح بنی تغلب على ضعف ما على المسلمين من الزكاة.

فهذا الاختلاف يدل على أنها إلى رأی الإمام، لولا ذلک لكانت على قدر واحد فی جميع هذه المواضع ولم يجز أن تختلف .ويؤيد ذلک ما روى البخاری عن ابن عيينة عن أبی نجيح قلت لمجاهد :ما شأن أهل الشام عليهم أربعة دنانير، وأهل اليمن عليهم دينار؟ قال :جعل ذلک من أجل اليسار.

ولأن المال المأخوذ على الأمان ضربان :هدنة وجزية، فلما كان المأخوذ هدنة إلى اجتهاد الحاكم، فكذلک المأخوذ جزية.

ولأن الجزية عوض، فلم تتقدر بمقدار واحد فی جميع المواضع كالأجرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۸۵،الی،۱۸۷، مادة "جزية")

[1] استيفاء الجزية:

وقت استيفاء الجزية:

اتفق الفقهاء على أن الجزية لا تؤخذ من الذمی إلا مرة واحدة فی السنة ولا تتكرر .والسنة المعتبرة شرعا هی السنة القمرية؛ لأنها هی المرادة شرعا عند الإطلاق، أما إذا عين الإمام كونها شمسية أو قمرية فيجب اتباع ما عينه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۸۷، مادة "جزية")

جزیہ واجب ہونے کا وقت

فقہائے کرام اس بات پر بھی متفق ہیں کہ جزیہ کے التزام کے وجوب کا وقت عقدِ ذمہ کے وجود میں آنے کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔ [1]

جزیہ کی ادائیگی واجب ہونے کا وقت

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ ادا کرنے کے وجوب کا وقت سال کا آخری حصہ ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] وقت وجوب الجزية:
اتفق الفقهاء على أن وقت وجوب الالتزام بالجزية عقب عقد الذمة مباشرة، إلا أن الشافعية قالوا: تجب بالعقد وجوبا غير مستقر وتستقر بانقضاء الزمن كالأجرة، فكلما مضت مدة من الحول استقر قسطها من جزية الحول، حتى تستقر جزية الحول كله بانقضائه؛ لأن الجزية عوض عن منفعة حقن الدم، فتجب بالعقد وجوبا غير مستقر، وتستقر بمضى المدة شيئا فشيئا كالأجرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۸۷، مادة "جزية")

[2] واختلف الفقهاء فى وقت وجوب أداء الجزية:
فذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن وقت وجوب الأداء آخر الحول .
واستدلوا لذلک بما وقع من النبى صلى الله عليه وسلم فى الجزية، فقد ضربها على أهل الذمة والمجوس بعد نزول آية الجزية، ولم يطالبهم بأدائها فى الحال، بل كان يبعث رسله وسعاته فى آخر الحول لجبايتها.
روى البخارى عن عمرو بن عوف الأنصارى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة بن الجراح إلى البحرين يأتى بجزيتها، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو صالح أهل البحرين وأمر عليهم العلاء بن الحضرمى .
وتدل سيرة الخلفاء والأمراء بعد النبى صلى الله عليه وسلم على أنهم كانوا يبعثون الجباة فى آخر العام لجباية الجزية .فبعث عمر بن الخطاب رضى الله عنه أبا هريرة إلى البحرين، فقدم بمال كثير .
ولأن الجزية حق مالى يتكرر بتكرر الحول، فوجب بآخره كالزكاة.
ولأن الجزية تؤخذ جزاء على تأمينهم وإقرارهم على دينهم، فلا تجوز المطالبة بها إلا بعد أن يتحقق لهم ذلک فى طول السنة.
ولأن الجزية عوض عن سكنى الدار فوجب أن تؤخذ بعد استيفاء المنفعة وانقضاء المدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۸۸، مادة "جزية")

جبکہ حنفیہ کے نزدیک جزیہ کی ادائیگی واجب ہونے کے بعد سال کے شروع کا وقت ہوتا ہے، البتہ جس طرح نماز کو اخیر وقت تک پڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے، اسی طریقہ سے جزیہ کا بھی معاملہ ہے، اور اسی وجہ سے سال کے شروع ہونے پر مسلمان حکومت کی طرف سے ذمیوں سے جزیہ کا مطالبہ کرنا جائز ہوتا ہے، اور مطالبہ کو سال کے آخر تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ [1]

پیشگی جزیہ کا حکم

اگر مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے سال پورا ہونے سے پیشتر، مثلاً ایک دو سال پہلے ذمیوں کی رضا مندی سے جزیہ وصول کرلیا جائے، تو حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، بلکہ کسی حکمت (مثلاً مسلمانوں کو جلدی ضرورت ہونے کی وجہ سے) جزیہ طے کرتے وقت بھی پیشگی جزیہ لینے کی شرط لگانا جائز ہے، البتہ بعض فقہائے کرام

---

[1] وذهب الحنفية إلى أن وقت وجوب الأداء في أول السنة، فتجب وجوبا موسعا كالصلاة، وللإمام المطالبة بها بعد عقد الذمة.

واستدلوا لذلك بقوله تعالى :(حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون)

فجعل إعطاء الجزية غاية لرفع القتال عنهم؛ لأن غاية هذا حقيقة اللفظ، والمفهوم من ظاهره، ألا ترى أن قوله :(ولا تقربوهن حتى يطهرن)وقد حظر إباحة قربهن إلا بعد وجود طهرهن، وكذلك المفهوم من قول القائل لا تعط زيدا حتى يدخل الدار، منع الإعطاء إلا بعد دخوله، فثبت بذلك أن الآية موجبة لقتال أهل الكتاب مزيلة ذلك عنهم بإعطاء الجزية وهذا يدل على أن الجزية وجبت بعقد الذمة.

ولقول النعمان بن مقرن :أمرنا نبينا رسول ربنا صلى الله عليه وسلم أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده أو تؤدوا الجزية فوقت وجوب أداء الجزية عقب العقد مباشرة.

ولأن الجزية وجبت بدلا عن القتل في حقهم، فتجب في الحال كالواجب بالصلح عن دم العمد .ولأن المعوض قد سلم لهم، فوجب أن يستحق العوض عليهم كالثمن .ولأن الجزية وجبت بدلا من النصرة في حقنا، وهي لا تتحقق في الماضي، وإنما تتحقق في المستقبل؛ لأن نصرة الماضي يستغنى عنها بانقضائه .فإذا تعذر إيجاب الجزية بعد الحول تجب في أوله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۸۹، مادة ”جزية“)

کے نزدیک پیشگی جزیہ لینے کی شرط لگانا جائز نہیں۔ [1]

جزیہ میں تاخیر کا حکم

اگر کوئی ذمی مقررہ وقت پر جزیہ ادا نہ کرے، اور اس کو جزیہ ادا کرنے کی قدرت بھی ہو، مثلاً مالدار ہو، اور ٹال مٹول سے کام لے، تو اس کو تعزیر کی جائے گی، یعنی سزا دی جائے گی، جس میں اسے قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

البتہ اگر اس کو عذر ہو، تو مہلت سے کام لیا جائے گا، اور سختی سے پرہیز کیا جائے گا۔ [2]

جزیہ وصول کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

جزیہ کا تعلق ان امور سے ہے کہ جو مسلمانوں کی حکومت وسلطنت اور حکمرانوں سے تعلق رکھتے

---

[1] تعجیل الجزیة:

المقصود بتعجیل الجزیة :استیفاؤها ممن وجبت علیه قبل وقت وجوبها بسنة أو سنتین أو أکثر، فهل یجوز للإمام أن یستعجل أخذ الجزیة أو یستسلفها؟

اختلف العلماء فی ذلک:

فذهب جمهور الفقهاء من الحنفیة والمالکیة والشافعیة فی وجه، إلی جواز تعجیلها لسنة أو سنتین أو أکثر برضا أهل الذمة، ویجوز اشتراط تعجیلها وذلک لأنها کالخراج، ولأنها عوض عن حقن دمائهم فأشبهت الأجرة.

وذهب الحنابلة والشافعیة فی وجه إلی عدم جواز اشتراط تعجیلها، ویجوز تعجیلها برضا أهل الذمة .واستدلوا بقیاس الجزیة علی الزکاة، فلا یجوز للإمام أن یستسلف الزکاة إلا برضا رب المال، بل الجزیة أولی بالمنع، لأنها تتعرض للسقوط قبل الحول وبعده، فتسقط بالإسلام والموت أثناء السنة وتتداخل بالاجتماع عند أبی حنیفة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص ۱۸۹، مادة "جزیة")

[2] تأخیر الجزیة:

إذا تأخر الذمی عن أداء الجزیة فی وقتها المحدد فإما أن یکون موسرا، وإما أن یکون معسرا.

فإن کان موسرا ومطل بها جاز للإمام أن یعاقبه علی ذلک بالحبس وغیره.

قال القرطبی :أما عقوبتهم إذا امتنعوا من أدائها مع التمکن فجائز، فأما مع تبین عجزهم فلا تحل عقوبتهم؛ لأن من عجز عن الجزیة سقطت عنه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص ۱۹۰، مادة "جزیة")

ہیں، اس لیے جزیہ وصول کرنے کا حق بھی مسلمانوں کی حکومت وحکمرانوں کو حاصل ہے۔ [1]

پھر اگر مسلمانوں کے حکمران نیک صالح ہوں، تو ان کو جزیہ لینا یا ان کو جزیہ دینا بلاشبہ جائز بلکہ واجب ہے، اور ان کی طرف سے مطالبہ کے بعد جزیہ نہ دینا جُرم ہے۔ [2]

اور اگر مسلمانوں کے حکمران ظالم وجابر ہوں، تب بھی حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ان کو جزیہ دینا واجب ہے۔ [3]

---

[1] من له حق استيفاء الجزية :الجزية من الأموال العامة التى يتولى أمرها الأئمة والسلاطين، فالشرع هو الذى قدر الجزية عند الجمهور، وقيل :يقدرها الإمام.

والإمام يعقد الذمة ويطالب بالجزية ويصرفها فى مصالح المسلمين العامة باجتهاده، وذلك لأن الإمام العدل وكيل عن الأمة فى استيفاء حقوقها ممن وجبت عليه، وفى تدبير شئونها .قال القرطبى " :الأموال التى للأئمة والولاة فيها مدخل ثلاثة أضرب :الأول :ما أخذ من المسلمين على طريق التطهير لهم كالصدقات والزكوات .والثانى :الغنائم وما يحصل فى أيدى المسلمين من أموال الكافرين بالحرب والقهر والغلبة .والثالث :الفيء، وهو ما رجع للمسلمين من أموال الكفار عفوا صفوا من غير قتال ولا إيجاف كالصلح والجزية والخراج والعشور المأخوذة من أهل الذمة .

وبناء على ذلك فحق استيفاء الجزية للإمام، فيطالب بها ويجب على أهل الذمة الدفع إليه.

والإمام المطالب بالجزية إما أن يكون عادلا، أو جائرا ظالما، أو باغيا، أو خارجا على إمام العدل، أو محاربا وقاطعا للطريق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۰، مادة "جزية")

[2] حكم دفع الجزية إلى أئمة العدل :م -الإمام العادل :هو الذى اختاره المسلمون للإمامة وبايعوه، وقام بتدبير شئون الأمة وفق شرع الله عز وجل.

فإذا طلب من ذوى الأموال مالا لا يطلبه إلا بحق، وإذا قسم أموالا عامة قسمها وفق شرع الله وحسب ما تقتضيه المصلحة العامة كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما أعطيكم ولا أمنعكم وإنما أنا قاسم أضع حيث أمرت وقال أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه "إنى أنزلت نفسى وإياكم من هذا المال بمنزلة والى اليتيم فإن الله تبارك وتعالى قال :(ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف)والله ما أرى أرضا يؤخذ منها شاة فى كل يوم إلا استسرع خرابها.

وبناء على ذلك إذا طلب الإمام العادل الجزية من أهل الذمة وجب عليهم الدفع إليه، ولا يجوز لأحد تفرقة خراج رأسه بنفسه، وإذا أدى شخص الجزية إلى مستحق الفيء بنفسه فللإمام أخذها منه ثانية؛ لأن حق الأخذ له(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۰، ۱۹۱، مادة "جزية")

[3] حكم دفع الجزية إلى أئمة الجور والظلم:

الإمام الجائر :هو الذى يقوم بتدبير شئون الأمة وفق هواه، فيقع منه الجور والظلم على الناس وإذا طلب الإمام الجائر الجزية من أهل الذمة وجب عليهم أداؤها إليه عند جماهير الفقهاء من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کسی علاقہ پر مسلمانوں کا باغی گروہ غلبہ حاصل کرلے، اور وہ اپنا نظامِ حکومت جاری کردے، اور ذمیوں سے جزیہ بھی وصول کرے، تو ان کو جزیہ دینے سے بھی حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ ادا ہوجاتا ہے۔ ل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة وإذا أدى الذمي الجزية إلى الإمام الجائر سقطت عنه ولا يطالب بها مرة ثانية من قبل الإمام العادل.

قال الكاساني :وأما سلاطين زماننا الذين أخذوا الصدقات والعشور والخراج لا يضعونها مواضعها، فهل تسقط هذه الحقوق عن أربابها؟

اختلف المشايخ فيه، ذكر الفقيه أبو جعفر الهندواني أنه يسقط ذلك كله، وإن كانوا لا يضعونها في أهلها، لأن حق الأخذ لهم فيسقط عنه بأخذهم، ثم إنهم إن لم يضعوها مواضعها فالوبال عليهم.

قال الشيخ أبو بكر بن سعيد :إن الخراج يسقط، ولا تسقط الصدقات لأن الخراج يصرف إلى المقاتلة، وهم يصرفون إلى المقاتلة ويقاتلون العدو، ألا ترى أنه لو ظهر العدو فإنهم يقاتلون ويذبون عن حريم المسلمين، فأما الزكوات والصدقات فإنهم لا يضعونها في أهلها .

واستدلوا لوجوب طاعة الإمام الجائر في طلب الجزية والخراج بما يلي:

أ -ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء ، كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي .وسيكون خلفاء ويكثرون .قالوا :فما تأمرنا؟ فقال :أوفوا ببيعة الأول فالأول، ثم أعطوهم حقهم، فإن الله سائلهم عما استرعاهم.

قال الشوكاني :في بيان معنى "أعطوهم حقهم - "أي ادفعوا إلى الأمراء حقهم الذي لهم المطالبة به وقبضه، سواء كان يختص بهم أو يعم، وذلك من الحقوق الواجبة كالزكاة، وفي الأنفس كالخروج إلى الجهاد .

ب -وما روي عنه صلى الله عليه وسلم :أنها ستكون بعدي أثرة وأمور تنكرونها قالوا :يا رسول الله كيف تأمر من أدرك منا ذلك؟ قال :تؤدون الحق الذي عليكم، وتسألون الله الذي لكم .

ج -وما روي عنه صلى الله عليه وسلم :إن أمر عليكم عبد مجدع، أسود، يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۱، ۱۹۲، مادة "جزية")

ل دفع الجزية إلى البغاة:

البغاة :هم الذين يقاتلون على التأويل ويخرجون على الإمام، أو يمتنعون عن الدخول في طاعته، أو يمنعون حقا وجب عليهم كالزكاة وشبهها، فيدعون إلى الرجوع للحق .

فإذا غلب أهل البغي على بلد ونصبوا إماما، فجبى الجزية من أهل الذمة، فذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة وابن الماجشون من المالكية إلى سقوط الجزية عن أهل الذمة بدفعها إلى البغاة، ولكن يأخذ منهم فيما يستقبلون ما يجب عليهم من ذلك .

واستدلوا لذلك:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کسی علاقہ میں چور ڈاکو وغیرہ اسلحہ وغیرہ کے زور پر ذمیوں سے جزیہ وصول کرلیں، تو اس سے جزیہ ادا نہیں ہوتا، بلکہ یہ غصب اور لوٹ مار کہلاتا ہے، اس لئے لوٹ مار کے باوجود حکومت کی طرف سے مقرر کردہ جزیہ لازم رہتا ہے۔ [1]

جزیہ وصول کرنے کے طریقے

مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے جزیہ وصول کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کے لیے باقاعدہ کارندے و نمائندے مقرر کردیے جائیں۔ [2]

اور یہ کارندے حکومت کی طرف سے جزیہ وصول کرنے کے لیے وکیل اور نمائندے شمار

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأن عليا رضى الله عنه لما ظهر على أهل البصرة لم يطالبهم بشىء مما جبى منهم.

قال الشافعية :ولأن حق الإمام فى الجباية مرهون بالحماية، وهى غير موجودة عند تغلب البغاة على بلدة معينة .

ولأن فى ترك احتسابها ضررا عظيما ومشقة كبيرة، فإن البغاة قد يغلبون على البلاد السنين الكثيرة وتتجمع على أهل الذمة مبالغ طائلة لا يطيقونها .وذهب المالكية إلى أنه يجب على من دفع الجزية إلى البغاة الإعادة، لأنه أعطاها إلى من لا ولاية له صحيحة فأشبه ما لو أخذها آحاد الرعية غصبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۲، ۱۹۳، مادة "جزية")

[1] حكم دفع الجزية إلى المحاربين "قطاع الطرق :"

المحاربون :هم الذين يعرضون للناس بالسلاح فيغصبون المال مجاهرة أو يقتلون أو يخيفون الطريق.

فإذا أخذ المحاربون الجزية من أهل الذمة لم يقع ذلك موقعه، ولم تسقط الجزية عنهم بأدائها إلى المحاربين؛ لأن المأخوذ منهم كالمأخوذ غصبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۳، مادة "جزية")

[2] طرق استيفاء الجزية:

إذا كان الإمام هو صاحب الحق فى استيفاء الجزية، فلا يعنى ذلك أنه سيباشر جميع الأعمال التى تتعلق بها من حيث تقديرها وتدوينها وجمعها وصرفها؛ لأن ذلك يصعب عليه ولا يستطيعه، بل يعنى تولية من يجمعها والإشراف عليها ومتابعة من يقوم باستيفائها وصرفها .ومن طرق الاستيفاء التى كانت متبعة فى ذلك، العمالة على الجزية، والقبالة (التضمين). (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۰، مادة "جزية")

ہوتے ہیں، جن کا مسلمان، آزاد، امانت دار اور جزیہ کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے۔ [1]

بعض فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ وصول کرنے والے کارندے کو چاہئے کہ وہ جزیہ وصول کرتے وقت ذمی لوگوں سے نرمی اور ہمدردی وشفقت کا برتاؤ کرے۔

جبکہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک نرمی و ہمدردی اور شفقت وغیرہ کا برتاؤ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ ذمیوں سے جزیہ اہانت کے طور پر وصول کیا جاتا ہے۔ [2]

جزیہ میں کون سا مال وصول کیا جائے گا؟

حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جزیہ میں خاص نقدی کا وصول کرنا ضروری نہیں، بلکہ اتنی مالیت کی کوئی دوسری چیز لینا بھی جائز ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] الطریقة الأولی: العمالة علی الجزیة: العمالة علی الجزیة ولایة من الولایات الشرعیة الصادرة عن الإمام یتم بمقتضاها استیفاء الجزیة وقبضها.

وعامل الجزیة وکیل عن الإمام فی استیفاء الجزیة وقبضها، وجبایته للجزیة محددة بما رسمه له الإمام، ولعامل الجزیة شروط أهمها: الإسلام والحریة، والأمانة، والکفایة، والعلم والفقه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۹۰، مادة "جزیة")

[2] ما یراعیه العامل فی جبایة الجزیة: الرفق بأهل الذمة:

للفقهاء فی هذه المسألة اتجاهان:

الأول: أنه ینبغی لعامل الجزیة أن یکون رفیقا بأهل الذمة عند استیفائه للجزیة: بأن یأخذها منهم بتلطف دون تعذیب أو ضرب، وأن یؤخرهم إلی غلاتهم، وأن یقسطها علیهم، وأن یقبل منهم القیمة بدلا من العین. والصغار فی قوله تعالی (وهم صاغرون) معناه عندهم التزام أحکام الإسلام.

والاتجاه الآخر: ما ذهب إلیه کثیر من فقهاء الحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنابلة وهو أن الجزیة تستوفی من أهل الذمة بإهانة وإذلال، لقوله تعالی: (حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون)(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۹۳، مادة "جزیة")

[3] الأموال التی تستوفی منها الجزیة:

لا یتعین فی استیفاء الجزیة ذهب ولا فضة ولا نوع بعینه، بل یجوز أخذها مما تیسر من أموال أهل الذمة: کالسلاح والثیاب والحبوب والعروض فیما عدا ثمن الخمر والخنزیر.

وهذا مذهب جمهور الفقهاء من الحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنابلة. واستدلوا لذلک بما یلی:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن جزیہ میں شراب اور خنزیر کا وصول کرنا جائز نہیں ہوتا۔

البتہ اگر وہ جزیہ میں ایسی رقم ادا کریں، جس کے عوض میں انہوں نے شراب یا خنزیر کو فروخت کیا ہو، تو حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایسی رقم کا وصول کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث معاذ السابق :أمره النبی صلی الله عليه وسلم أن يأخذ من كل حالم دينارا أو عدله من المعافرفهو يدل على جواز أخذ القيمة فی الجزية من الثياب المصنوعة باليمن والمنسوبة إلى قبيلة معافر .قال أبو عبيد " :ألا تراه قد أخذ منهم الثياب مكان الدنانير؟ وإنما يراد بهذا كله الرفق بأهل الذمة، وأن لا يباع عليهم من متاعهم شیء ، ولكن يؤخذ مما سهل عليهم بالقيمة .ألا تسمع إلی قول رسول الله صلى الله عليه وسلم :أو عدله من المعافر فقد بين لک ذكر العدل أنه القيمة ."

أن النبی صلى الله عليه وسلم صالح أهل نجران على ألفی حلة، النصف فی صفر والباقی فی رجب

ما روی عن عمر رضی الله عنه أنه كان يأخذ النعم فی الجزية .

ما روی عن علی رضی الله عنه أنه كان يأخذ من كل ذی صنعة من متاعه :من صاحب الإبر إبرا، ومن صاحب المسان مسانا، ومن صاحب الحبال حبالا.

قال أبو عبيد " :وإنما يوجه هذا من علی أنه كان يأخذ منهم هذه الأمتعة بقيمتها من الدراهم التی عليهم من جزية رء وسهم ولا يحملهم على بيعها ثم يأخذ ذلک من الثمن، إرادة الرفق بهم والتخفيف عليهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۴، مادة "جزية")

[1] استيفاء الجزية من ثمن الخمر والخنزير:

استيفاء الجزية من أعيان الخمر والخنزير لا يجوز باتفاق الفقهاء لأنهما ليسا بمال عند جمهور الفقهاء ، ومال غير متقوم عند الحنفية، فلا يجوز أخذها فی الجزية.

وأما استيفاء الجزية من ثمن ما باعوه من الخمر والخنزير فقد اختلف الفقهاء فی جوازه.

فذهب الحنفية والمالكية والحنابلة والشافعية فی قول إلى جواز أخذ الجزية من ثمن الخمر والخنزير إذا تولى الذمی بيعها .

واستدلوا لذلک بما يلی:

ما روى أبو عبيد -بسنده -عن سويد بن غفلة قال " :بلغ عمر بن الخطاب أن ناسا يأخذون الجزية من الخنازير، وقام بلال فقال :إنهم ليفعلون، فقال عمر :لا تفعلوا :ولوهم بيعها

وفی رواية :أن بلالا قال لعمر بن الخطاب :إن عمالک يأخذون الخمر والخنازير فی الخراج، فقال :لا تأخذوا منهم، ولكن ولوهم بيعها، وخذوا أنتم من الثمن.

قال أبو عبيد " :يريد أن المسلمين كانوا يأخذون من أهل الذمة الخمر والخنزير من جزية رء وسهم وخراج أرضهم بقيمتها ثم يتولى المسلمون بيعها، فهذا الذی أنكره بلال، ونهى عنه عمر، ثم رخص لهم أن يأخذوا ذلک من أثمانها إذا كان أهل الذمة هم المتولين لبيعها؛لأن الخمر والخنزير مال من أموال أهل الذمة ولا تكون مالا للمسلمين ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر ذمی لوگ کاشت کار ہوں، تو ان سے جزیہ وصول کرنے میں اتنی مہلت دی جاسکتی ہے کہ ان کی فصل اور کاشت یا پھل تیار ہو جائے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک جزیہ یکمشت حاصل کرنے کے بجائے اقساط کی شکل میں یعنی تھوڑا تھوڑا وصول کرنا بھی جائز ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولأن الخمر والخنزير مال من أموالهم التي نقرهم على اقتنائها، والتصرف فيها، فجاز أخذ أثمانها منهم كثيابهم .

وذهب الشافعية في القول المعتمد عندهم إلى عدم جواز استيفاء الجزية من ثمن الخمر والخنزير .

واستدلوا لذلک بما يلي:

روى البيهقي -بسنده -إلى أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إن الله جل ثناؤه حرم الخمر وثمنها وحرم الميتة وثمنها، وحرم الخنزير وثمنه .وروى البيهقي أيضا عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال " :إن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه .ولأن ثمن هذه المحرمات حرام عليهم في اعتقادنا فحرم علينا أخذ الثمن عند العلم به كالمسروق والمغصوب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۴ الیٰ ۱۹۶ ، مادة "جزية")

[1] تأخيرهم إلى غلاتهم:

مما يراعى في استيفاء الجزية تأخير من فرضت عليهم إلى غلاتهم، أي حتى تنضج الثمار، وتحصد الزروع فيتمكنوا من بيعها وأداء الجزية .ويؤيد ذلک ما روى أبو عبيد -بسنده -إلى سعيد بن عبد العزيز قال " :قدم سعيد بن عامر بن حذيم على عمر بن الخطاب، فلما أتاه علاه بالدرة، فقال سعيد :سبق سيلک مطرک، إن تعاقب نصبر، وإن تعف نشکر، وإن تستعتب نعتب، فقال :ما على المسلم إلا هذا، ما لک تبطء في الخراج؟ قال :أمرتنا ألا نزيد الفلاحين على أربعة دنانير فلسنا نزيدهم على ذلک، ولكننا نؤخرهم إلى غلاتهم .فقال عمر :لا عزلتک ما حييت.

قال أبو عبيد " :وإنما وجه التأخير إلى الغلة الرفق بهم، ولم نسمع في استيداء الخراج والجزية وقتا من الزمان يجتبى فيه غير هذا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۶ ، مادة "جزية")

[2] استيفاء الجزية على أقساط:

ومما يراعى في استيفاء الجزية عند الحنفية أخذها منهم على أقساط، فقد نص الحنفية على أخذ الجزية منهم شهريا من باب التخفيف والتيسير عليهم.

قال المرغيناني " :يأخذ في كل شهر أربعة دراهم -أي على الغني -لأجل التسهيل عليه ."

وقال الزيلعي " :يوضع على الفقير المعتمل في مثل هذه الحالة اثنا عشر درهما يؤخذ منه في كل شهر درهم، ثم قال :نقل ذلک عن عمر وعثمان وعلي والصحابة متواترون ولم ينكر عليهم منهم أحد فصار إجماعا.

وظاهر كلام غير الحنفية أنها تؤخذ منهم دفعة واحدة كل عام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۶ ، مادة "جزية")

جب کسی ذمی سے جزیہ وصول کرلیا جائے، تو اس کو جزیہ کی وصولی کی تحریری رسید لکھ کر دینے کا حکم ہے، تاکہ اس کے پاس جزیہ ادا کرنے کا ثبوت موجود ہو۔ [1]

مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے جزیہ وصول کرنے والے کارندے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مخلص ہو، لالچی اور حریص نہ ہو، اور نہ تو وہ کسی سے رشوت حاصل کرے، اور نہ کسی ذمی کا ہدیہ قبول کرے۔ [2]

حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جزیہ وصول کرنے والے کارندوں کے حالات کی تفتیش و تحقیق کرتی رہے، اور ان کو رشوت، بھتہ خوری اور ظلم وجبر سے باز رکھنے کا اہتمام کرے۔ [3]

---

[1] كتابة عامل الجزية براء ة للذمي:

إذا استوفيت الجزية كتب للذمي براءة، لتكون حجة له إذا احتاج إليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۶، مادة "جزية")

[2] التعفف عن أخذ ما ليس له أخذه:

ينبغي أن يكون عامل الجزية عفيف النفس، فلا يقبل هدية من أهل الذمة ولا رشوة لحديث :لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي .

وروى البخاري ومسلم عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال :استعمل النبي صلى الله عليه وسلم رجلا من الأزد يقال له ابن اللتبية على الصدقة، فلما قدم قال :هذا لكم وهذا أهدي إلي، فقال :فهلا جلس في بيت أبيه أو بيت أمه فينظر أيهدى له أم لا؟ والذي نفسي بيده لا يأخذ أحدكم منه شيئا إلا جاء يوم القيامة يحمله على رقبته إن كان بعيرا له رغاء ، أو بقرة لها خوار، أو شاة تيعر، ثم رفع يديه حتى رأينا عفرة إبطيه .اللهم هل بلغت ثلاثا .

فهو يدل على أن الهدايا التي يقدمها أهل الجزية للعمال حرام ولا يجوز لهم قبولها .قال الخطابي : "في هذا بيان أن هدايا العمال سحت وأنه ليس سبيلها سبيل سائر الهدايا المباحات، وإنما يهدى إليه للمحاباة وليخفف عن المهدي ويسوغ له بعض الواجب عليه وهو خيانة منه وبخس للحق الواجب عليه استيفاؤه لأهله "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۶، ۱۹۷، مادة "جزية")

[3] الرقابة على عمال الجزية:

على الإمام مشارفة الأمور وتصفح الأحوال، ومن مقتضيات هذا الواجب :الرقابة الفعالة على عمال الجزية، وضرورة منحهم رواتب تكفيهم.

قال أبو يوسف في نصيحته التي كتبها لهارون الرشيد " :أرى أن تبعث قوما من أهل الصلاح والعفاف ممن يوثق بدينه وأمانته، يسألون عن سيرة العمال، وما عملوا به في البلاد، وكيف جبوا الخراج؟ على ما أمروا به وعلى ما وظف على أهل الخراج واستقر، فإذا ثبت ذلك عندك وصح، أخذوا بما استفضلوا من ذلك أشد الأخذ، حتى يؤدوه بعد العقوبة الموجعة والنكال، حتى لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک جزیہ وصول کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو اس علاقہ کا جزیہ وصول کرنے کا ایک مخصوص مدت کے لیے، مخصوص مال کے عوض میں ٹھیکہ دے دیا جائے۔

لیکن چونکہ اس طریقہ میں ظلم وستم کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لیے بعض فقہائے کرام نے اس طریقہ کو ناپسند اور ممنوع قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يتعدوا ما أمروا به وما عهد إليهم فيه، فإن كل ما عمل به والى الخراج من الظلم والعسف فإنما يحمل على أنه قد أمر به، وقد أمر بغيره، وإن أحللت بواحد منهم العقوبة الموجعة انتهى غيره واتقى وخاف، وإن لم تفعل هذا بهم تعدوا على أهل الخراج واجترء وا على ظلمهم وتعسفهم وأخذهم بما لا يجب عليهم،وإذا صح عندك من العامل والوالى تعد بظلم وعسف وخيانة لك فى رعيتك واحتجاز شىء من الفىء أو خبث طعمته أو سوء سيرته، فحرام عليك استعماله والاستعانة به، وأن تقلده شيئا من أمور رعيتك أو تشركه فى شىء من أمرك، بل عاقبه على ذلك عقوبة تردع غيره من أن يتعرض لمثل ما تعرض له، وإياك ودعوة المظلوم فإنها مجابة ."ولاجتناب وقوع عمال الجزية فى الرشوة وأكل أموال الناس بالباطل، يصرف الإمام لهم أجورا (رواتب) مجزية تفى بحاجاتهم، وتكفى نفقاتهم.

وقد نبه على ذلك القاضى أبو يوسف فى كتاب الخراج حيث قال " :حدثنى محمد بن أبى حميد قال حدثنا أشياخنا أن أبا عبيدة بن الجراح قال لعمر بن الخطاب رضى الله عنه :دنست أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال عمر :يا أبا عبيدة إذا لم أستعن بأهل الدين على سلامة دينى فبمن أستعين؟ أما إن فعلت فأغنهم بالعمالة عن الخيانة يعنى إذا استعملتهم على شىء فأجزل لهم فى العطاء والرزق لا يحتاجون(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۷،۱۹۸، مادة "جزية")

[1] الطريقة الثانية لاستيفاء الجزية :القبالة (أو التقبيل) وتسمى التضمين أو الالتزام:

هى فى اللغة -بالفتح الكفالة، وهى فى الأصل مصدر قبل بفتح الباء إذا كفل وقبل بضمها إذا صار قبيلا أى كفيلا .

قال الزمخشرى :كل من يقبل بشىء مقاطعة وكتب عليه بذلك كتاب، فالكتاب الذى يكتب هو القبالة بالفتح والعمل قبالة بالكسر؛ لأنه صناعة، وفى الاصطلاح :أن يدفع السلطان أو نائبه صقعا أو بلدة أو قرية إلى رجل مدة سنة مقاطعة بمال يؤديه إليه عن خراج أرضها، وجزية رء وس أهلها إن كانوا أهل ذمة، فيقبل ذلك، ويكتب عليه بذلك كتابا.

وقد يقع فى جباية الجزية بهذه الطريقة ظلم لأهل الذمة أو غبن لبيت المال، ولذلك مال بعض الفقهاء إلى منعها، قال أبو يوسف "فإن قال صاحب القرية أنا أصالحكم عنهم وأعطيكم ذلك لم يجيبوه إلى ما سأل لأن ذهاب الجزية من هذا أكثر لعل صاحب القرية يصالحهم على خمسمائة درهم وفيها من أهل الذمة من إذا أخذت منهم الجزية بلغت ألف درهم أو أكثر "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۸، مادة "جزية")

جزیہ ساقط کرنے والی چیزیں

بعض صورتوں میں جزیہ ساقط ہوجاتا ہے، جس کی ذیل میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... اگر کوئی ذمی اسلام قبول کرلے، تو اس سے جزیہ ساقط ہوجاتا ہے۔ [۱]

اور حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اسلام قبول کرنے کے بعد جزیہ ساقط ہوجاتا ہے، خواہ وہ سال کے درمیان میں اسلام قبول کرے، یا سال گزرنے کے بعد اسلام قبول کرے، یا کئی سالوں کا جزیہ ذمہ میں لازم ہونے کے بعد ادا کئے بغیر اسلام قبول کرے۔

البتہ جو جزیہ اسلام قبول کرنے سے پہلے وصول کیا جاچکا، وہ واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ [۲]

---

[۱] مسقطات الجزية :تسقط الجزية بالإسلام، أو الموت، أو التداخل، أو العجز المالى، أو عجز الدولة عن توفير الحماية لأهل الذمة، أو الإصابة بالعاهات المزمنة، أو اشتراک الذميين فى القتال، وفى بعض هذه الأمور خلاف يتبين بما يلى:

الأول :الإسلام:اتفق الفقهاء على أن الجزية تسقط عمن دخل فى الإسلام من أهل الذمة، فلا يطالب بها فيما يستقبل من الزمان .واستدلوا لذلک بما يلى:

روى أبو داود وغيره عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس على المسلم جزية .الإجماع :قال ابن المنذر " :أجمعوا -يعنى الفقهاء -على أن لا جزية على مسلم ."

ولأن الجزية وجبت وسيلة إلى الإسلام فلا تبقى بعده.

ولأن الجزية وجبت عقوبة على الكفر أو بدلا عن النصرة، فلا تقام العقوبة بعد الدخول فى الإسلام.

ولا يطالب بالجزية بعد أن أصبح قادرا على النصرة بالدخول فى الإسلام.

هذا الاتجاه الفقهى هو السائد بين الفقهاء ، ولكن بعض خلفاء بنى أمية لم يلتزموا به، فقد كانوا يأخذون الجزية ممن أسلم من أهل الذمة ويعتبرونها بمنزلة الضريبة على العبيد.

ونقل أبو بكر الجصاص أن عمر بن عبد العزيز كتب إلى عامله بالعراق عبد الحميد بن عبد الرحمن :أما بعد فإن الله بعث محمدا صلى الله عليه وسلم داعيا ولم يبعثه جابيا، فإذا أتاک كتابى هذا فارفع الجزية عمن أسلم من أهل الذمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۹۹، مادة "جزية")

[۲] حكم أخذ الجزية عما مضى من الزمان بعددخول الذمى فى الإسلام:

اختلف الفقهاء فى ذلک، فذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والحنابلة والثورى وأبو عبيد إلى أن الجزية تسقط عمن أسلم من أهل الذمة، سواء أسلم فى أثناء الحول أو بعده، ولو اجتمعت عليه جزية سنين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)...... اگر کوئی ذمی فوت ہو جائے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا جزیہ بھی ساقط ہو جاتا ہے، خواہ سال کے درمیان میں فوت ہو، یا سال مکمل ہونے کے بعد فوت ہو۔
لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر سال پورا ہونے کے بعد فوت ہو، تو اس کا جزیہ ساقط

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واستدلوا لذلک بما يلي:
قوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر)
تدل هذه الآية على سقوط الجزية عمن أسلم؛ لأن الأمر بأخذ الجزية ممن يجب قتاله على الكفر إن لم يؤدها، ومتى أسلم لم يجب قتاله، فلا جزية عليه.
قوله تعالى :(قل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف وإن يعودوا فقد مضت سنة الأولين)
فالآية تدل على أن الإسلام يجب ما قبله،وأن الكافر إذا أسلم لا يطالب بقضاء ما فاته من صلاة أو زكاة، وكذا لا يطالب بما وجب عليه من جزية قبل إسلامه .قال مالک فيما رواه ابن جرير عن يونس عن أشهب عنه " :الصواب عندى أن يوضع عمن أسلم الجزية حين يسلم، ولو لم يبق عليه من السنة إلا يوم واحد لقوله تعالى (قل للذين كفروا إن ينتهوا . . .) يعنى ما قد مضى قبل الإسلام من دم أو مال أو شيء ."
ويروى فى ذلک بعض الآثار عن الصحابة والتابعين .
واستدلوا بالمعقول من وجهين:
الأول :أن الجزية وجبت وسيلة إلى الإسلام، فلا تبقى بعد الإسلام.
والثانى :أن الجزية إنما وجبت عقوبة على الكفر، ولهذا سميت جزية :أى جزاء الإقامة على الكفر، فوجب أن تسقط بالإسلام.
وذهب الشافعية وأبو ثور وابن المنذر وابن شبرمة وأبو يوسف من الحنفية إلى أن الجزية لا تسقط عن الذمى إذا أسلم بعد انتهاء الحول، أما إذا أسلم فى أثناء الحول، فتسقط عنه الجزية ولا يطالب بقسط ما مضى من السنة وهذا قول عند الشافعية، وللشافعية قول آخر وهو الصحيح عندهم :وهو أنها تؤخذ منه بقسط ما مضى من السنة كالأجرة .
واستدلوا لذلک بما يلي:
أن الجزية عوض عن حقن الدم، وقد وصل إلى الذمى المعوض وهو حقن الدم، فصار العوض وهو الجزية دينا فى ذمته، فلا يسقط عنه بالإسلام كسائر الديون.
أن الجزية عوض عن سكنى الدار، وقد استوفى الذمى منافع الدار المستأجرة، فلا تسقط الأجرة بإسلام الذمى.
ولأن الجزية عند الشافعية تجب بالعقد وجوبا غير مستقر، وتستقر بانقضاء الزمن كالأجرة، فكلما مضت مدة من الحول استقر قسطها من جزية الحول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۱۹۹، ۲۰۰، مادة "جزية")

نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ترکہ میں سے قرض کی حیثیت سے وصول کیا جاتا ہے۔ [1]

(۳)...... اگر کسی کے ذمہ دو یا اس سے زیادہ سالوں کا جزیہ جمع ہو جائے، تو امام ابو حنیفہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام بشمول امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ہر سال کا الگ الگ جزیہ ذمہ میں لازم رہتا ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں صرف ایک سال کا جزیہ لازم رہتا ہے۔ [2]

---

[1] الثانی :الموت:

اختلف الفقهاء فی سقوط الجزية بالموت، فذهب الحنفية والمالكية إلى أن الجزية تسقط بالموت مطلقا، سواء أحصل الموت فی أثناء الحول أم بعد انتهائه .واستدلوا لذلک:

بأن الجزية وجبت عقوبة على الكفر، فتسقط بالموت كالحدود.

ولأن الجزية وجبت وسيلة إلى الإسلام، وهذا المعنى لا يتحقق بعد الموت .

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الجزية لا تسقط بالموت إذا حصل بعد انتهاء الحول .بل تؤخذ من التركة كسائر الديون .أما إذا حصل فی أثناء الحول، فلا تسقط به أيضا فی القول المعتمد عند الشافعية، وتؤخذ من تركته بقسط ما مضى من الحول .وتسقط عند الحنابلة والشافعية فی قول آخر لأنها لا تجب ولا تؤخذ قبل كمال حولها واستدلوا لعدم سقوطها بالموت بالأدلة الآتية:

ما أورده ابن القيم عن عبد الرحمن بن جنادة -كاتب حيان بن سريج -وكان حيان بعثه إلى عمر بن عبد العزيز، وكتب يستفتيه أيجعل جزية موتى القبط على أحيائهم؟ فسأل عمر عن ذلک عراک بن مالک -وعبد الرحمن يسمع -فقال :ما سمعت لهم بعقد ولا عهد، إنما أخذوا عنوة بمنزلة العبيد، فكتب عمر إلى حيان بن سريج يأمره :أن يجعل جزية الأموات على الأحياء .

ولأنها استقرت فی ذمته بدلا عن العصمة والسكنى، فلم تسقط بموته كسائر ديون الآدميين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۲۰۱،۲۰۲، مادة "جزية")

[2] الثالث :اجتماع جزية سنتين فأكثر:

اختلف الفقهاء فی تداخل الجزى:

فذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة والصاحبان من الحنفية إلى عدم التداخل وتجب الجزى كلها. واستدلوا لذلک:

بأن الجزية حق مالی يجب فی آخر كل حول، فلم تتداخل كالزكاة والدية وغيرهما.

ولأن المدة لا تأثير لها فی إسقاط الواجب كخراج الأرض .

وذهب أبو حنيفة إلى أنه إذا مضت على الجزية سنة ودخلت ثانية فإن الجزى تتداخل، فتسقط جزى السنوات الماضية ويطالب بجزية السنة الحالية . واستدل لذلک:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... اگر ذمی تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائے، تو امام ابوحنیفہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ [1]

جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ حالت میں جزیہ ساقط نہیں ہوتا، اور اس کے ذمہ بطورِ دین کے لازم رہتا ہے، البتہ اسے حیثیت ہونے تک مہلت دی جاتی ہے۔ [2]

(۵)...... اگر کوئی ذمی رہبانیت اختیار کر کے اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اپنی عبادت گاہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأن الجزية وجبت عقوبة على الكفر، والعقوبات إذا تراكمت تداخلت خاصة إذا كانت من جنس واحد كالحدود .ألا ترى أن من زنى مرارا ثم رفع أمره إلى الإمام لم يستوف منه إلا حدا واحدا بجميع الأفعال.

ولأن الجزية وجبت بدلا عن حقن الدم في المستقبل، فإذا صار دمه محقونا في السنة الماضية، فلا تؤخذ الجزية لأجلها، لانعدام الحاجة إلى ذلك، كما إذا أسلم أو مات تسقط عنه الجزية، لعدم الحاجة إلى الحقن بالجزية؛ ولأن الجزية ما وجبت إلا لرجاء الإسلام، وإذا لم يوجد حتى دخلت سنة أخرى انقطع الرجاء فيما مضى، وبقي الرجاء في المستقبل فيؤخذ للسنة المستقبلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص ٢٠٢، ٢٠٣، مادة "جزية")

[1] وذهب أبو حنيفة إلى أن الخراج يسقط بالإعسار كما تسقط الجزية، لأنه صلة واجبة باعتبار الأرض -أي ليس بدلا عن شيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩ ص ٧٠، مادة "خراج")

[2] الرابع :طروء الإعسار:

الإعسار :ضيق الحال من جهة عدم المال .

وقد اختلف العلماء في ذلك:

فذهب الحنفية والمالكية إلى أن الجزية تسقط عن الذمي بالإعسار الطارء سواء أطرأ عليه الإعسار في أثناء الحول أم بعد انتهائه .وبشرط أن يكون قد أعسر أكثر الحول؛ لأن الإعسار مانع من وجوب الجزية ابتداء .

والمذهب عند الشافعية أن الجزية لا تسقط عن الذمي بالإعسار الطارء لأنهم لا يعتبرون الإعسار مانعا من وجوب الجزية ابتداء وإذا كان ذلك كذلك فلا تسقط الجزية عنه، وتعتبر دينا في ذمته، ويمهل إلى وقت يسار يتمكن فيه من الأداء .أخذا بعموم قوله تعالى :(وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة)

وذهب الحنابلة إلى أن الجزية تسقط عن الذمي بالإعسار في أثناء الحول لأن الجزية لا تجب، ولا تؤخذ قبل كمال الحول، أما إذا كان الإعسار بعد انتهاء الحول، فلا تسقط عنه الجزية، وتصبح دينا في ذمته، وينظر ويمهل إلى وقت يسار يتمكن فيه من الأداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥ ص ٢٠٣، مادة "جزية")

میں زندگی گزارنے لگے، اور انسانوں سے لاتعلق ہو جائے، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ [1]

(۶)...... اگر کوئی ذمی مجنون و پاگل ہو جائے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا جزیہ ساقط ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس پر جنون کی حالت سال کے اکثر حصہ تک طاری رہے۔ [2]

---

[1] لیکن شافعیہ کے نزدیک مندرجہ بالا صورت میں جزیہ ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ یہ کوئی ایسا مانع نہیں، جو جزیہ واجب ہونے کے وقت ابتداء میں معتبر تھا۔

الخامس :الترهب والانعزال عن الناس :إذا تـرهب الذمى بعد عقد الذمة، فانعزل عن الناس وانقطع للعبادة فى الأديرة والصوامع، فهل تسقط عنه الجزية

اختلف العلماء فى ذلك :فـذهب الحنفية وابن القاسم من المالكية إلى أن الجزية تسقط بالترهب، لأنه مانع من وجوب الجزية ابتداء فأشبه العجز والجنون، فتسقط عنه مطلقا ولو متجمدة عن سنين.

وذهب الشافعية والأخوان (مطرف وابن الماجشون) من المالكية إلى أن الجزية لا تسقط بالترهب الـطـارء؛ لأنـه لا يـعتبـر مانعا من وجوب الجزية ابتداء ، فلا يعتبر عذرا لإسقاط الجزية عمن وجبت عليه .وعـلـله الأخوان من المالكية بأنه قد يتخذه وسيلة للتهرب من أداء الجزية، فلا تسقط الجزية به.وذهـب الحنابلة إلى أن الترهب الطارء لا يسقط الجزية بعد انتهاء الحول، وتصبح دينا فى ذمته .

أما إذا ترهب أثناء الحول فتسقط عنه الجزية؛ لأنها لا تجب ولا تؤخذ قبل كمال الحول.

وقالوا :الـمراد بالراهب الذى تسقط عنه الجزية، هو من لا يبقى بيده مال إلا بلغته فقط ويؤخذ مما بيـده زائـدا عـلى ذلك، وأما الرهبان الذين يخالطون الناس ويتخذون المتاجر والمزارع فحكمهم كسـائر النصارى تؤخذ منهم الجزية اتفاقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۰۳،۲۰۴، مادة "جزية")

[2] السادس :الجنون:

إذا أصيب الذمى -بعد الالتزام بالجزية -بالجنون فقد اختلف الفقهاء فى ذلك:

ذهـب الـحنفية والمالكية وهو قول للشافعية إلى سقوطها بالجنون الطارء إذا استمر أكثر العام، لأنه يمنع وجوب الجزية ابتداء -كما بينا فى شروط وجوب الجزية -

وذهب الشافعية فى المعتمد عندهم إلى أن الجنون الطارء إن كان يسيرا كساعة من شهر أو يوم من سـنة فلا تسقط .وإن كـان كثيـرا كيـوم إفـاقة ويـوم جـنـونـا فإن الإفاقة تلفق فإذا بلغت سنة وجبت الجزية.أمـا الـجـزية الـمستـقرة فى الذمة فلا تسقط بالجنون طبقا لمذهبهم فى عدم تداخل الجزية كما سبق فى (ف ۴۳). وذهـب الـحنابلة وهو قول للشافعية إلى أن الجنون الطارء لا يسقط الجزية إذا كـان بعد انتهاء الحول .أمـا إذا طـرأ الـجنون فى أثناء الحول فتسقط الجزية؛ لأنها لا تجب ولا تؤخذ قبل كمال الحول .

وفـى قـول لـلشـافعية وهـو الـرابـع عـنـدهـم أنهـا تسـقـط ولا تـجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۰۴، مادة "جزية")

(۷)...... اگر کوئی ذمی نابینا، اپاہج یا بہت زیادہ بوڑھا ہوجائے، اور وہ کمائی کے قابل نہ رہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا جزیہ بھی ساقط ہوجاتا ہے، بشرطیکہ یہ حالت اس پر سال کے اکثر حصہ تک طاری رہے، خلافا لأبی یوسف والمالکیة۔ [1]

(۸)...... اگر مسلمانوں کی طرف سے ذمیوں کی حمایت اور جان و مال کی حفاظت کا اہتمام نہ رہے، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی جزیہ ساقط ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] السابع :العمى والزمانة والشيخوخة:

اختلف الفقهاء فى ذلك تبعا لاختلافهم فى اشتراط السلامة من العاهات المزمنة التى سبق الكلام عنها فى شروط الجزية.

فذهب الحنفية إلى أن الجزية تسقط بهذه العاهات، سواء أكان ما أصيب به فى أثناء الحول أم بعد انتهائه، واشترطوا أن تكون إصابته بإحدى تلك العاهات أكثر السنة، وهو مقابل المذهب عند الشافعية مطلقا.

وذهب المالكية وأبو يوسف من الحنفية إلى أن الجزية لا تسقط عن الذمى الذى أصيب بإحدى تلك العاهات إلا إذا كان فقيرا غير قادر على أداء الجزية.

وذهب الشافعية إلى أن الجزية لا تسقط عن الذمى الذى أصيب بإحدى تلك العاهات؛ لأنها لا تعتبر مانعا من وجوب الجزية ابتداء .

وذهب الحنابلة إلى أنها لا تسقط عن الذمى بعد تمام الحول، أما إذا أصيب بإحدى العاهات السابقة أثناء الحول، فتسقط عنه الجزية، لأنها لا تجب إلا بكمال الحول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ١ ص٢٠٤،٢٠٥، مادة ”جزية“)

[2] الثامن :عدم حماية أهل الذمة:

على المسلمين فى مقابل الجزية توفير الحماية لأهل الذمة، والذب عنهم، ومنع من يقصدهم بالاعتداء من المسلمين والكفار، واستنقاذ من أسر منهم، واسترجاع ما أخذ من أموالهم سواء أكانوا يعيشون مع المسلمين أم كانوا منفردين فى بلد لهم .فإن لم تتمكن الدولة الإسلامية من حمايتهم والدفع عنهم حتى مضى الحول، فهل يطالبون بالجزية أم تسقط عنهم؟

صرح الشافعية بأن الجزية تسقط عن أهل الذمة إذا لم تتمكن الدولة من حماية الذميين لأنهم بذلوا الجزية، لحفظهم وحفظ أموالهم، فإن لم تدفع الدولة عنهم، لم تجب الجزية عليهم؛ لأن الجزية للحفظ وذلك لم يوجد، فلم يجب ما فى مقابلته، كما لا تجب الأجرة إذا لم يوجد التمكين من المنفعة.

ولم نجد لغير الشافعية تصريحا بالسقوط إذا لم تحصل الحماية مع قولهم بوجوب الحماية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)......اگر ذمی لوگ مسلمانوں کے ہمراہ قتال میں شریک ہوکر، غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اعانت اور مدد کریں، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ان کا جزیہ ساقط نہیں ہوتا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد ذكر أبو يوسف عن أبي عبيدة بن الجراح أنه عندما أعلمه نوابه على مدن الشام بتجمع الروم لمقاتلة المسلمين كتب إليهم أن ردوا الجزية على من أخذتموها منه، وأمرهم أن يقولوا لهم :إنما رددنا عليكم أموالكم، لأنه قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع، وأنكم اشترطتم علينا أن نمنعكم، وإنا لا نقدر على ذلك، وقد رددنا عليكم ما أخذنا منكم، ونحن لكم على الشروط ما كتبنا بيننا وبينكم إن نصرنا الله عليهم .

وقال البلاذرى :حدثنى أبو حفص الدمشقى قال :حدثنا سعيد بن عبد العزيز قال ": بلغنى أنه لما جمع هرقل للمسلمين الجموع، وبلغ المسلمين إقبالهم إليهم لوقعة اليرموك ردوا على أهل حمص ما كانوا أخذوا منهم من الخراج .وقالوا :قد شغلنا عن نصرتكم والدفع عنكم، فأنتم على أمركم، فقال أهل حمص :لولايتكم وعدلكم أحب إلينا مما كنا فيه من الظلم والغشم .ولندفعن جند هرقل عن المدينة مع عاملكم، ونهض اليهود فقالوا :والتوراة لا يدخل عامل هرقل مدينة حمص إلا أن نغلب ونجهد فأغلقوا الأبواب وحرسوها ."وكذلك فعل أهل المدن التى صولحت من النصارى واليهود .

وقالوا :إن ظهر الروم وأتباعهم على المسلمين صرنا إلى ما كنا عليه، وإلا فإنا على أمرنا ما بقى للمسلمين عدد، فلما هزم الله الكفرة وأظهر المسلمين فتحوا مدنهم وأخرجوا المقلسين، فلعبوا وأدوا الخراج .

وجاء فى كتاب صلح حبيب بن مسلمة مع أهل تفليس :

. . ."وإن عرض للمسلمين شغل عنكم فقهركم عدوكم فغير مأخوذين بذلك .

هذه السوابق التاريخية حدثت فى عصر الصحابة رضوان الله عليهم، وعلموا بها وسكتوا عنها، فيعتبر إجماعا سكوتيا.

وقد نقل الإجماع على ذلك ابن حزم حيث قال فى مراتب الإجماع " :إن من كان فى الذمة، وجاء أهل الحرب إلى بلادنا يقصدونه وجب علينا أن نخرج لقتالهم بالكراع والسلاح، ونموت دون ذلك، صونا لمن هو فى ذمة الله تعالى وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم، فإن تسليمه دون ذلك إهمال لعقد الذمة "وحكى فى ذلك إجماع الأمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۰۵،۲۰۶، مادة "جزية ")

ل التاسع :اشتراك الذميين فى القتال مع المسلمين:

صرح بعض الفقهاء بأن الجزية لا تسقط عن الذميين بالاشتراك فى القتال مع المسلمين.

قال الشلبى فى حاشيته على شرح كنز الدقائق " :ألا ترى أن الإمام لو استعان بأهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تنبیہ: آج کل بہت سے اسلامی ملکوں میں ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کا قانون نہیں، اور اس کے بجائے مخصوص شرائط کے ساتھ بلا امتیاز مسلم اور غیر مسلم سے مختلف طرح کے ٹیکس وصول کرنا رائج ہے، دوسری طرف دارالحرب میں مستقل طور پر رہائش پذیر مسلمانوں سے بھی مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی امتیازی جزیہ عام طور پر وصول نہیں کیا جاتا۔

کیا اس طرح کی صورتِ حال میں مسلمان حکومت کی طرف سے ذمیوں سے جزیہ وصول نہ کرنے کی گنجائش ہے؟ اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔

اگر تجارتی عشر پر قیاس کر کے دیکھا جائے، تو جزیہ وصول نہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

جزیہ کے مصارف

جزیہ کے مال کا مصرف وہی ہے، جو خراج کے مال کا ہے، اور خراج کے مال کی طرح جزیہ کا مال بھی مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، چنانچہ ملک کی عام مصالح وضروریات (مثلاً سڑکوں، پلوں، کی تعمیر وغیرہ کی قسم کے اجتماعی اور ملکی تعمیراتی کام) فوج کے اخراجات، عمالِ حکومت (یعنی سرکاری ملازمین) کی تنخواہیں بشمول علماء، طلباء، مفتیوں، قاضیوں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الذمة سنة، فقاتلوا معه لا تسقط عنهم جزية تلك السنة؛ لأنه يلزم حينئذ تغيير المشروع، وليس للإمام ذلك، وهذا لأن الشرع جعل طريق النصرة في حق الذمي المال دون النفس.

وكره المالكية الاستعانة بأهل الذمة في القتال.

فقال الباجي في المنتقى " :الجهاد أن يقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله والمشرك لا يقاتل لذلك؛ ولأنه ممن يلزم أن يقاتل عنه وتمنع الاستعانة به في الحرب وإن استعين به في الأعمال والصنائع والخدمة .

والأصل في ذلك ما روى عن عائشة رضى الله عنها " :إنا لا نستعين بمشرك

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص ۲۰۶، ۲۰۷، مادة "جزية")

(عدلیہ) کے وظائف میں اس کو خرچ کیا جائے گا۔ [1]

اور مسلمان حکمرانوں کو یہ امانت ودیانت کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم ہوگا، کیونکہ یہ پوری قوم اور ملکی عوام کی امانت ہے، جس کے متعلق بروزِ قیامت باز پرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۲/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ 27/اکتوبر/2014ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] مصارف الجزية:
اتفق الفقهاء على أن الجزية تصرف فى مصارف الفىء ، حتى رأى كثير منهم أن اسم الفىء شامل للجزية .ويصرف الفىء فى مصالح المسلمين العامة ومرافق الدولة الهامة: كأرزاق المجاهدين وذراريهم وسد الثغور، وبناء الجسور، والمساجد والقناطر، وإصلاح الأنهار التى لا مالك لها، ورواتب الموظفين من القضاة والمدرسين والعلماء والمفتين والعمال وغير ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۰۷، مادة "جزية")